امام اہلِ سنت حضرت مولانا عبدالشکور لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ کے
سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم پر نایاب اور یادگار رسائل کا ایمان افروز مجموعہ

تالیف

بقیۃ السلف، حجۃ الخلف، حجۃ الاسلام، امام اہلِ سنت

حضرت مولانا محمد عبدالشکور لکھنوی فاروقی نقشبندی مجددی قدس سرہ

جمع و ترتیب
مولانا محبوب احمد
مدرس جامعہ مفتاح العلوم سرگودھا

تحقیق و تخریج
مفتی محمد اظہر
مدرس جامعہ مسجد الفقیر الاسلامی جھنگ

غزنی سٹریٹ اردو بازار لاہور
0300-6175026 0333-1450412

امام اہل سنت حضرت مولانا عبدالشکور لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ کے سیرت النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نایاب اور یادگار رسائل کا

ایمان افروز مجموعہ

سیرت کے نقوش

مُصنّفہ

بقیۃ السلف، حجۃ الخلف، حجۃ الاسلام، امامِ اہل سنت

حضرت مولانا محمد عبدالشکور لکھنوی فاروقی نقشبندی مجددی قدس اللہ سرہ

جمع و ترتیب

مولانا محبوب احمد

مُدرّس جامعہ مفتاح العلوم سرگودھا

تحقیق و تخریج

مفتی محمد اظہر

مُدرّس جامعہ معہد الفقیر الاسلامی جھنگ

مَکتبہ عَشرہ مُبشّرہ رضی اللہ عنہم

غزنی سٹریٹ، اردو بازار لاہور

0333-1450412,0336-5183095,0300-6175026

حرفِ آغاز

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اَلْحَمْدُلِلّٰہِ وَ کَفٰی وَ سَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی اَمَّا بَعْدُ!

تمام تعریفیں اس ذات کے لیے جس نے کارخانۂ عالم کو وجود بخشا اور درود وسلام ہو، اس ہستی پر جس نے ظلمت کے اندھیروں میں روشنی کے چراغ جلائے۔

یہ مسلّمہ حقیقت ہے کہ ایک مومن کے لیے اپنی ذات کی معرفت اور پہچان اتنی ضروری نہیں ہے جتنا کہ حضور سرورِ دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی معرفت ضروری ہے۔ جو شخص محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نہیں جانتا وہ اپنے ایمان اور اسلام کو کیسے جان سکتا ہے؟ مومن اپنے وجودِ ایمانی میں سراسر وجودِ پیغمبر کا محتاج ہے، عیاذاً باللہ! اگر وجودِ پیغمبر سے قطع نظر کر لی جائے، تو ایک لمحہ کے لیے بھی مومن کا وجودِ ایمانی باقی نہیں رہ سکتا۔ کیونکہ مومن کو جو ایمان پہنچتا ہے وہ نبی کے واسطہ سے پہنچتا ہے۔ معلوم ہوا کہ ایمان نبی سے قریب ہے اور مومن سے بعید ہے، لہذا ضروری ہے کہ مومن اپنے ایمان کو جاننے سے پہلے اپنے نبی کی سیرت کو جانے، تاکہ اسی راستے پر چلے اور دوسروں کو بھی اس پہ چلنے کی دعوت دے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فضائل وکمالات کا علم ہوگا، اور اس کے ساتھ ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ کے فضائل وکمالات معلوم ہوں گے، جس سے ایمان میں زیادتی اور قوت پیدا ہوگی، اور بہت سی آیات اور احادیث کے معانی معلوم ہوں گے، اور جو لوگ ایمان نہیں رکھتے وہ اگر سیرت پڑھیں گے تو ان کے حق میں سیرت کا علم دعوتِ ایمان اور دعوت الی الحق کا ذریعہ ہوگا۔

سیرت نبویہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کا موضوع اس قدر دل کش، ایمان افروز اور روح پرور

عنوان ہے کہ عاشقانِ رسول ﷺ کے لیے اس چمنستان کی گل چینی، ایمانی قلب وروح کے لیے فرح وسرور کی ایسی ''بہشتِ خلد'' ہے کہ جنۃ الفردوس کی ہزاروں رعنائیاں اس کے ایک ایک پھول سے رنگ و بو کی بھیک مانگنے کو اپنے لیے سرمایۂ افتخار تصور کرتی ہیں۔ اسی لیے اُن حق پرست علماءِ ربانیین نے جن کے مقدس سینوں میں محبتِ رسول کے ہزاروں پھول کھلے ہوئے ہیں، اس ایمانی عنوان اور نورانی موضوع پر اپنی زندگی کی آخری سانس تک قلم چلاتے چلاتے اپنی جانیں قربان کردیں۔ چنانچہ آج ہر زبان میں سیرت نبویہ کی کتابوں کا اتنا بڑا ذخیرہ ہمارے سامنے موجود ہے، کہ دنیا میں کسی بڑے سے بڑے شہنشاہ کی سوانح حیات کے بارے میں اِس کا لاکھواں بلکہ کروڑواں حصہ بھی عالم وجود میں نہ آسکا۔

سیرت کیا ہے؟ آپ ﷺ کی سیرت مقدسہ زندگی کے ہر ہر شعبہ میں پھیلی ہوئی سیرت ہے۔ جس سے بشری زندگی کا کوئی گوشہ بھی باہر نہیں رہ سکتا، جبکہ ہر ہر گوشہ کی سیرت محفوظ ہے۔ خلوت کی ہو، یا جلوت کی، گھریلو زندگی کی ہو، یا اجتماعی زندگی کی، صلح کی ہو یا جنگ کی، شادی کی ہو یا غمی کی، دوستی کی ہو یا دشمنی کی، غریبی کی ہو یا امیری کی، بے کسی کی ہو یا ہمہ گیر مقبولیت وسیادت کی، علم کی ہو یا عمل کی، اخلاق کی ہو یا کمالات کی، دنیا کی ہو یا آخرت کی، تعلق مع اللہ کی ہو یا تعلق مع الخلق کی وغیرہ وغیرہ۔ ہر ہر گوشۂ زندگی کی سیرت نقلِ صحیح اور سند متصل کے ساتھ کتبِ سیرت اور ماخذ سیرت میں محفوظ ہے۔

پھر جیسے علمائے اسلام نے اس آخری دین کے تمام اصول وفروع، عقائد واعمال اور علوم وحِکَم کی جرأت انگیز طریق پر حفاظت کی، جس کی نظیر دنیا کی کسی امت میں نہیں ملتی۔ ایسے ہی سیرت نبوی کی ترتیب وتدوین اور تفصیل وتبویب کو

بھی محیّر العقول انداز میں کر دکھلایا، کہ اس کی مثال بھی دنیا کی کوئی قوم پیش نہیں کر سکتی، چنانچہ جہاں اسلام میں حفاظِ قرآن کا ایک جم غفیر ملتا ہے، جس نے قرآن کو اپنے سینوں میں رکھ کر اِس کی حفاظت کا حق ادا کیا، جہاں مفسرین کا ایک عظیم گروہ ملتا ہے، جس نے مراداتِ الٰہیہ کو واشگاف کر کے آیاتِ الٰہیہ کو اِن کے مواضع پر چسپاں کیا، جہاں محدثین کا ایک عظیم طبقہ ملتا ہے، جس نے کلامِ رسول ﷺ کی حفاظت اور غلط و اختلاف سے اسے بچانے کا بیڑا اٹھایا۔ وہاں سیرت نگاروں کا بھی ایک پاک نژاد گروہ ملتا ہے، جو ہر زمانہ میں آنحضرت ﷺ کی پاک زندگی اور اس کے تمام پاکیزہ گوشوں کو طبعی ترتیبوں سے جمع کر کے پیش کرتا رہا ہے، جس سے سیرت نے ایک مستقل فن کی صورت اختیار کر لی اور اس میں ہزاروں کتابیں تصنیف ہو کر نور افزائے عالم ہوئیں۔

اسی مقدس طائفہ میں منسلک ہونی والی ایک شخصیت ''امام اہل سنت حضرت مولانا عبدالشکور فاروقی لکھنوی نقشبندی مجددی رحمۃ اللہ علیہ'' کی ہے، جن کی عظیم شخصیت سے برصغیر پاک و ہند کے علمی، دینی حلقے بخوبی واقف ہیں۔ آپ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی عزت اور حرمت کی پوری حفاظت فرمائی ہے۔ تمام مسلمانوں پر آپ کا یہ احسانِ عظیم ہے۔ آپ کی ذاتِ والا نصف صدی تک حق کی اشاعت اور تبلیغ میں سرگرمِ عمل رہی۔ آپ کو قدرت نے زبان اور قلم دونوں پر مکمل عبور عطا فرمایا تھا۔

آپ نے مسلمانوں کی ضرورت کو سامنے رکھتے ہوئے ماہنامہ النجم کے دو مستقل سیرت نمبر شائع کیے، جن میں ایک کا نام ''نفحہ عنبریہ بذکر میلاد خیر البریۃ'' رکھا اور دوسرے کا نام مختصر سیرت نبویہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام'' رکھا۔ جن کا مجموعہ ''سیرت کے نقوش'' کی شکل میں آپ کے سامنے ہے۔

یہ گوہرِ نایاب کہاں سے حاصل کیا؟

قارئین کرام! اِس وقت آپ کے ہاتھوں میں ''سیرت کے نقوش'' کے صفحات ایک اَن تھک محنت، کوشش وکاوش کا نتیجہ ہیں۔ یہ صفحات درحقیقت ''النجم لکھنو'' کے رسائل سے حاصل کیے گئے۔ وہ ''النجم'' جو ایک وقت تھا، کہ اپنی خوشبوئیں پاک وہند میں بکھیرتا رہا۔لیکن آج اُس کے نام سے واقف علماء بھی چیدہ چیدہ رہ گئے۔اِن حالات میں اُس علمی خزانہ کو (جو نایاب نہیں،تو کم یاب ضرور ہوگیا تھا) پرانی لائبریریوں اور کتب خانوں سے حاصل کرنے کے لیے اللہ نے میرے استاذ مکرم مولانا محبوب احمد مدظلہ مدرس جامعہ مفتاح العلوم سرگودھا کو توفیق رفیق عطا فرمائی،اور جذبہ ایمانی سے سرفراز فرمایا،کہ بے سروسامانی کے عالم میں وہ اِن راہوں پہ چلے...... بڑھے ......اور بڑھتے ہی چلے گئے۔کہاں کہاں گئے؟ اپنے تعلقات اور اسباب کے دائرہ میں مختلف کتب خانوں کے ریکارڈ اپنے ہاتھوں سے چھانے،اور وہاں سے اِن رسائل کو فوٹوسٹیٹ کروا کر ان کو موضوعات کی مناسبت سے مرتّب کیا۔بہت سے اہم عنوانات پرکئی دستاویزات تیار ہوگئیں۔سرِدست اُنہی رسائل سے سیرت مقدسہ کے عنوان پر حاصل کردہ یہ مواد ''عجالہ نافعہ'' کی شکل میں سامنے لائے،اِس کی کمپوزنگ کروائی گئی،اور آج ۴۸ سال بعد اس مبارک مجموعہ کو مُنصّۂ شہود پہ لاکر امامِ اہل سنت حضرت لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ کی روح کے ساتھ وفاداری کا معیاری ثبوت پیش کرتے ہوئے پوری امت مسلمہ سے آفرین بادی حاصل کر رہے ہیں، اللہ جل شانہ اُن کو اپنی شایانِ شان جزائے خیر عطا

فرمائے۔(آمین)

چونکہ یہ النجم (رسالہ) کے مضامین تھے، اِن کو کتابی شکل دینے کے لیے مستقل کام کی ضرورت تھی، تو اللہ جل شانہ نے تعطیلات کے ایام میں اِس ناکارہ کو اپنے حبیب کبریاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تذکرہ سے معطر اِن صفحات کو پڑھنے اور ان پر کام کرنے کی توفیق عطا فرمائی۔ اللہ جل شانہ اس کو اپنی بارگاہ میں شرفِ قبول سے نوازے۔(آمین)

اس مجموعہ پر جو کام احقر سے ہوا:

اس وقت آپ کے ہاتھوں میں موجود ''سیرت کے نقوش'' تین حصوں پر مشتمل ہے؛

الف۔مقدمہ؛ جو عقائدِ ضروریہ اسلامیہ کے بیان میں ہے۔

ب۔نفحہ عنبریہ بذکر میلاد خیر البریہ: اس میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت کو حیات طیبہ کے ماہ وسن کے اعتبار سے جمع کیا گیا، یوں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیدائش نہیں، بلکہ پیدائش سے قبل ظہور و برکات سے لے کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصال مبارک اور آپ کے بعد کی خلافت بلافصل تک کے مبارک عنوانات پر مشتمل ایک انسائیکلو پیڈیا ہے۔

ج۔مختصر سیرت نبویہ علی صاحبہا الصلوۃ والسلام یعنی سیرت قرآنیہ۔اس حصہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت کے وہ درخشندہ پہلو جن کو قرآنِ کریم نے کہیں اختصاراً اور کہیں تفصیلاً بیان فرمایا، اُن سب کو ابواب کے تحت یکجا کر کے بیان فرمایا ہے۔ یہ حصہ گو کہ مختصر ہے، مگر اپنے موضوع پر یہ منفرد ہی منفرد ہے۔

قارئین کی سہولت کی خاطر اِن حصوں کو کتابی شکل دینے کے لیے درج ذیل

کام ہوا:

۱......اولاً مقدمہ میں تمام ’’بنیادی عقائد‘‘ کو مرکزی عنوان دے کر الگ الگ کردیا، مثلاً: عقیدہ توحید، عقیدۂ رسالت وغیرہ۔

۲...... پھر ان مرکزی عنوانات کے نیچے اسی عقیدہ کی تمام جزئیات کو نمبروار ذکر کیا ہے، تاکہ پڑھنا اور سمجھنا آسان ہو۔

۳...... ہر ہر عقیدہ کی ممکنہ حد تک نیچے حاشیہ میں تخریج بھی کردی گئی ہے۔

۴......تخریج میں جو عقیدہ قرآنی آیات سے ثابت تھا، اس کے لیے ذیل میں صرف سورۃ کا نام اور آیت نمبر لکھا گیا ہے۔

۵......اگر کوئی بات کسی طویل روایت میں مذکور تھی، تو صرف روایت کے متعلقہ جزء کو تخریج میں لیا گیا۔

۶......حضرت امام اہل سنت رحمۃ اللہ علیہ کی تمام عبارات کو تقریباً متن کا درجہ میں رکھ کر کام کیا ہے، تاکہ خیانت نہ ہو، البتہ جہاں اردو الفاظ ثقیل اور پرانے تھے، ان کو تقریب فہم کے لیے آسان تعبیر میں ڈھال دیا ہے۔

۷...... پوری کتاب میں اِملاء وترقیم (نمبرنگ لگانے، علامت کاری، مخصوص علامات لگانا، جن سے مفردات ومرکبات کا باہمی ربط اور اجزائے عبارت میں باہمی امتیاز معلوم ہوجاتا ہے۔) کی بطور خاص کوشش کی گئی ہے۔

۸......عقائد کی تخریج میں جن مولفین کی کتابوں سے استفادہ کیا، اللہ جل شانہ اُن سب کو جزائے خیر عطا فرمائے، جزاھم اللہ عنا وعن جمیع امۃ المسلمۃ المرحومۃ

۹......خاص طور پر عقائد کی حسنِ ترتیب میں گرامیٔ قدر استاذِ مکرم حضرت مولانا مفتی محمد طاہر مسعود صاحب مدظلہم مدیر جامعہ مفتاح العلوم سرگودھا کی تصنیف لطیف ’’عقائد اہل

السنہ والجماعۃ مدلل'' بہت نفع مند ثابت ہوئی، اللہ جل شانہ حضرتِ والا کے علوم وفیوض سے تشنگانِ علم کو تا صبحِ قیامت سیراب فرمائے۔ (آمین)

دوسرا حصہ ''نفحہ عنبریہ بذکر میلاد خیر البریہ'' ہے، اس میں درج ذیل کام ہوا:

۱۰......اولاً پورے حصہ کے موضوعات کی مناسبت سے ابواب لگائے گئے۔

۱۱......ثانیاً ہر باب کے تحت متعلقہ مواد کو سلیقہ کے ساتھ ذیلی عنوانات میں تقسیم کیا ہے۔

۱۲......مشکل عبارات کو آسان تعبیر میں ڈھالنے کے لیے نادر الفاظ کو آسان فہم الفاظ میں تبدیل کیا گیا۔

۱۳......حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ کے بیان کردہ مضمون کو اصل مآخذ اور مراجع سے تلاش کر کے اصل کتاب کا باب اور صفحہ نمبر ذکر کر دیا گیا۔

۱۴......طوالت کے خوف سے اصل مآخذ کی مکمل عبارات کو درج نہیں کیا۔

۱۵......قرآنی آیات کو ''نسخ قرآنی'' میں لکھا گیا۔ اور سورۃ اور آیت نمبر بھی درج کیا گیا۔

۱۶......اکثر آیات کا ترجمہ امام اہل سنت رحمۃ اللہ علیہ نے خود کیا ہوا تھا، اُن میں اسی کو باقی رکھا گیا، البتہ جہاں آیات کے تراجم نہیں تھے، وہاں ''آسان ترجمۂ قرآن از مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہ'' سے لیا گیا۔

۱۷......اِمام اہل سنت مولانا عبد الشکور لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ کے ترجمہ کے لیے [ع۔ر] کی رمز ہے، اور شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہم کے آسان ترجمۂ قرآن کی نشاندہی کے لیے [م۔ت] کی رمز استعمال کی گئی ہے۔

تیسرا حصہ ''مختصر سیرت نبویہ'' یعنی سیرت قرآنیہ ہے، اس پر درج ذیل کام ہوا:

۱۸......اس حصہ میں بھی اولاً ابواب قائم کیے گئے۔

۱۹......ان ابواب کے تحت ذیلی عنوانات کو نمبر وار ذکر کیا گیا۔

۲۰......چونکہ اِس حصہ میں صرف قرآنی آیات کو پیش کرنا ملحوظ تھا، تو ایک ایک بات پر کئی آیات بھی ذکر کی گئیں، البتہ اِن تمام آیات کو نمبر لگا کر ذکر کیا ہے، تاکہ کتاب کو پڑھنے میں دشواری نہ ہو۔

نیز اِس مجموعہ کے آغاز میں اِمام اہلِ سنت مولانا عبدالشکور فاروقی لکھنوی قدس اللہ سرہ کا مختصر تعارف بھی پیش کیا گیا ہے، تاکہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی نصف صدی پر محیط عظیم دینی خدمات سرانجام دینے والی جامع، محیّرالعقول شخصیت پر طائرانہ نظر سہی، مگر اِن شاء اللہ فائدہ سے خالی نہیں ہوگی۔

اس موقعہ پر بندہ اپنے اِس جرم کا اعتراف ضروری سمجھتا ہے، کہ تحقیق اور تخریج اُس کام کی کیجاتی ہے، جس کو قابلِ سند بنانا مقصود ہو، جبکہ موصوف محقق فخر العلام امام اہلِ سنت رحمۃ اللہ علیہ کی ذاتِ اقدس، اُن کا علم ریز اور محققانہ قلم میرے جیسے ناکارہ کی تعلیق وتخریج کا قطعاً محتاج نہ تھا، لیکن زمانہ کے مزاج ومذاق نے مجبور کیا کہ وہ علوم ومعارف جن کو شاید کوئی یہ کہہ کر ٹھکرادے، کہ یہ باتیں اوپری محسوس ہوتی ہیں۔ اُن کے حوالہ جات لگانے سے اُن میں اپنائیت محسوس ہونے لگ گئی۔

بہرکیف! اِس کام کا جیسا حق تھا، حقیقت تو یہ ہے بندہ اس کا عُشرِ عشیر بھی ادا نہیں کر سکا، زیادہ سے زیادہ مخمل میں ٹاٹ کا پیوند لگانا کہا جاسکتا ہے، لیکن اس بات کا غیر معمولی سرور محسوس کررہا ہوں، کہ امام اہلِ سنت مولانا عبدالشکور لکھنوی قدس اللہ سرہ کی اِس عظیم دینی خدمت کے ساتھ نامکمل سہی، ایک نسبت مجھے بھی حاصل ہوگئی۔

؎ بلبل ہمیں کہ قافیہ گُل شود بس است

باری تعالیٰ کی بارگاہ کرم سے بعید نہیں کہ وہ اِس نسبت کے طفیل ہی میرے بے شمار گناہوں سے چشم پوشی فرمالے، اور جب آخرت میں دین کے مخلص خادموں پر

نوازش کا موقع آئے، تو یہ سیہ کار بھی اس نسبت کی بناء پر اُن حضرات کی رفاقت سے محروم نہ رہے۔ فلله الحمد و الشکر

ناشکری ہوگی اگر میں یہاں اُن حضرات کا ذکر نہ کروں جنھوں نے اس کام میں میری مدد فرمائی، خاص طور پر میرے محسن دوست فاضل قلمکار مفتی شاکراللہ صاحب چترالی جنھوں نے میرے جیسے تہی دامن کو انگلی پکڑ کراس راستے کا شاور بنایا، اِس کام میں مفید مشوروں سے نوازا، اور بے شمار مقامات پر تصحیح بھی فرمائی، حق تعالی شانہ ڈھیروں جزائے خیر عطا فرمائے، اسی طرح اپنے ادارہ جسے آج مادرِ علمی کہنا بھی بجا محسوس ہورہا ہے ''جامعہ معہد الفقیر الاسلامی'' کی پرکیف اور پرانوار فضاؤں کو سلامِ عقیدت پیش کرتا ہوں، کہ جس نے عاجز کو اپنے آنگن میں احساسِ عمل اور احساسِ زیاں کی وافر دولت سے مالا مال کیا، اور تعطیلات کے وہ لمحات جو آج ہر شخص بے دریغ ضائع کر بیٹھتا ہے، اُن لمحات کو ایسے مبارک کاموں میں مصروف رکھنے کا ولولہ عطا فرما دیا، حق تعالی شانہ اِس کے مہتمم ہمارے حضرت جی دامت برکاتہم العالیہ، اُن کے صاجزادگان (مولانا حبیب اللہ احمد و مولانا سیف اللہ احمد مدظلہما) اور مخدوم مُکرّم حضرت شیخ الحدیث مولانا پیر حبیب اللہ نقشبندی مجددی مدظلہم سمیت اس گلشن کے ہر ہر نگہبان اور قافلۂ صدق وصفا کے اِن ہُدی خوانوں کو اپنی بارگاہ سے بیش از بیش جزائے خیر عطا فرمائے، اور اِس چمن کے ہر ہر پھول کو قیامت کی صبح تک رشکِ ناز کرے۔ (آمین)

اپنے تمام اساتذہ کرام اور والدین کا مشکور ہوں، جن کی دعائیں اس ناکارہ کی پشت پناہی کرتی رہیں۔ اور یہ چلتا رہا، اور اُن تمام احباب کا بھی تہہ دل سے شکر گزار ہوں جنھوں نے ان مسوّدات کی تبییض وتسوید میں تعاون کیا، اور اس کارِ خیر میں کسی بھی جہت سے حصہ لیا۔

اور مکتبہ عشرہ مبشرہ کے مدیر حافظ سیف اللہ گجر صاحب کا جنہوں نے انتہائی اخلاص اور محبت سے اس کی اشاعت کا بیڑہ اٹھایا ہے۔اہلِ علم و دانش کی خدمت میں التجا ہے کہ اس کام میں جو کوئی خامی ہو اس کا ذمہ دار مرتب ہوگا، حضرت لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ کی ذات والا اس سے بری ہوگی، اس کام میں مفید مشوروں کا امیدگار رہوں گا۔

آخر میں بارگاہ الٰہی میں دست بدعا ہوں کہ حق تعالیٰ شانہ اِس حقیر کاوش کو شرفِ قبول عطا فرمائے، اور اس کتاب کو تمام مسلمانوں کے لیے نافع بنائے، خاص طور پر مصنف، مرتب، اس ناچیز اور اس کے تمام معاونین کے لیے صدقہ جاریہ اور ذخیرۂ آخرت ثابت ہو۔ اور قیامت کے دن نبیّ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شفاعت کا ذریعہ بنائے۔آمین

وَمَاتَوْفِيْقِيْ اِلَّا بِاللهِ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَهُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ

محمد اظہر

مدرس جامعہ معہد الفقیر الاسلامی جھنگ

حال وارد، حسن نگر، سوبھیانہ غربی

بوقت ۱۱:۵ صبح صادق، ۱۳ صفر المظفر ۱۴۳۹ھ، ۳ نومبر 2017ء

0302-7421500

اجمالی فہرست

آئینہ مضامین

تفصیلی فہرست

آئینہ مضامین

آئینہ مضامین

آئینہ مضامین

آئینہ مضامین

آئینہ مضامین

آئینہ مضامین

آئینہ مضامین

آئینہ مضامین

آئینہ مضامین

آئینہ مضامین

آئینہ مضامین

آئینہ مضامین

آئینہ مضامین

مختصر تعارف

امامِ اہل سنت مولانا عبدالشکور فاروقی لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ

باب اول

نام ونسب، ولادت باسعادت:

نام ونسب:

نام عبدالشکور، والد ماجد کا نام مولوی حافظ ناظر علی ہے اور فاروقی خاندان سے تعلق ہے، اسی وجہ سے آپ کو فاروقی کہا جاتا ہے اور اکتیس (31) واسطوں کے بعد سلسلہ نسب حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ سے جا ملتا ہے۔

ولادت باسعادت:

مولانا عبدالشکور رحمۃ اللہ علیہ لکھنو سے 11 کلو میٹر دور "اودھ" کے تاریخی اور مردم خیز قصبہ "کاکوری" ضلع لکھنو میں 23 ذی الحجہ 1293ھ بمطابق 1874ء میں بوقت صبح صادق مولوی حافظ ناظر علی رحمۃ اللہ علیہ کے گھر میں پیدا ہوئے، آپ کی پیدائش کی خوش خبری حضرت مولانا عبدالسلام ہنسوی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی 1881ھ) نے پہلے ہی آپ کے والد ماجد کو دے دی تھی، اور فرمادیا تھا کہ ان شاء اللہ تم کو ایک نیک فرزند عطا ہوگا، جس سے تمہارے گھر میں خیر وبرکت ہوگی۔ عقیقہ کے بعد حضرت شاہ ہنسوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس بچہ پر باطنی توجہ بھی فرمائی اور کہا کہ بیج ڈال دیا گیا ہے، اور ان شاء اللہ بارآور ہوگا۔ ان مبشرات کے ساتھ آپ کا بچپن گزرا، کم سنی کا زمانہ ختم ہوا اور سن شعور کو پہنچے، تو والد ماجد نے اپنے پیر ومرشد حضرت شاہ عبدالسلام رحمۃ اللہ علیہ سے آپ کی بسم اللہ کروائی، اس موقع پر حضرت شاہ

عبدالسلام رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کے لیے یہ دعا بھی فرمائی تھی“
”خدا تعالی برخوردار را از علومِ نافعہ بہرہ ور گرداند“

باب دوم

تعلیم وتربیت

ابتدائی تعلیم وتربیت

آپ کی ابتدائی تعلیم ضلع فتح پور میں ہوئی، قاعدہ بغدادی، پارہ عم، اور فارسی کی چند ابتدائی کتابیں مولوی عبدالوہاب ساکن ہنسوہ ضلع فتح پور سے پڑھیں، اس کے بعد فارسی کی باقی کتب درسیہ مولانا سید مظہر حسین، متوطن کوڑا جہاں آباد ضلع فتح پور، سے پڑھیں، انہوں نے بڑی توجہ اور دل سوزی سے پڑھایا اور فارسی لکھنے اور بولنے کی مشق بھی کرائی ۔فارسی سے فراغت پانے کے بعد میزان، پنج گنج وزبدہ وغیرہ بھی وہیں پڑھیں، دوسری کتابیں مولوی سید تعشق حسین رحمۃ اللہ علیہ کوڑوی اور مولوی محمد یاسین خان رحمۃ اللہ علیہ، ساکن گنگنی ضلع پرتاب گڑھ سے تحصیل کوڑا اور فتح پور میں پڑھیں، اس کے بعد کچھ کتابیں فصول اکبری، شرح جامی، قطبی میر تک، فقہ میں شرح وقایہ اولین و ہدایہ آخرین، اصول فقہ میں اصول شاشی اور نورالانوار وغیرہ مختلف اساتذہ منجملہ مولانا سید مظہر حسین رحمۃ اللہ علیہ سے ضلع فتح پور اور دیگر مقامات میں پڑھیں۔

مولانا سید عین القضاۃ رحمۃ اللہ علیہ سے شرف تلمذ

آپ کے والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ کو یہ بڑی تمنا تھی، کہ آپ کو مسندِ وقت علامہ ابوالحسنات، مولانا عبدالحیٔ فرنگی محلی رحمۃ اللہ علیہ کی شاگردی میں دے دیں، مگر قدرت کو یہ منظور نہ تھا ، چنانچہ 1310ھ مطابق 1892ء میں جب آپ اعلیٰ تعلیم کے لیے لکھنو پہنچے، تو اس وقت

حضرت مولانا فرنگی محلی رحمۃ اللہ علیہ وفات پا چکے تھے، لہذا ان کے شاگردِ رشید اور جانشین حضرت مولانا سید عین القضاۃ رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں آپ کی حاضری ہوئی، اس طرح آپ اپنے اصلی مربی واستاد خصوصی مولانا سید عین القضاۃ رحمۃ اللہ علیہ کے حلقۂ درس میں داخل کر دیے گئے، اس سلسلہ میں حضرت لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ خود تحریر فرماتے ہیں:

”اس وقت حضرت مرحوم نے پڑھانے کا سلسلہ بہت کم بلکہ قریب قریب ترک کر دیا تھا اور فرمایا کرتے تھے کہ اب دماغ بھی بہت ضعیف ہوگیا ہے اور طلبہ کی حالت دیکھ کر، نہ مطالعہ میں محنت کرتے ہیں، نہ ہی کتاب کو سمجھنے و یاد کرنے کی کوشش کرتے ہیں، لہٰذا پڑھانے کو دل نہیں چاہتا۔ اس جواب نے مجھے مایوس تو بہت کیا، مگر میں نے حاضری کا سلسلہ برابر قائم رکھا، تھوڑے دنوں کے بعد فرمایا کہ ایک صاحب نے علم الفرائض شروع کیا ہے، اگر آپ کا جی چاہے تو شریک ہو جائیں۔ چنانچہ میں نے شرکت شروع کر دی، دوسرے ہی دن جب آپ نے دیکھا کہ وہ صاحب، جو اصل سبق پڑھنے والے تھے سبق یاد کرنے میں مجھ سے پیچھے رہ گئے، آپ نے میری طرف خصوصی نظر التفات مبذول کی، جو یوماً فیوماً بڑھتی گئی“۔

مولانا عین القضاۃ رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں علوم وفنون کی تکمیل

اس طرح مولانا عین القضاۃ کی خدمت میں رہ کر مسلسل سات سال تک آپ نے باضابطہ بقیہ علوم وفنون کی تکمیل فرمائی۔ آپ نے یہاں حسبِ ذیل کتب درسیہ پڑھیں: علم الفرائض، حمد اللہ، حواشی میرزاہد برملا جلال، رسالہ میر زاہد، قاضی مبارک، تحقیقات مرضیہ، میبذی، شمس بازغہ، صدرا، میرزاہد، شرح شرحِ مواقف، خیالی مع حاشیہ عبد الکریم، مسلم الثبوت، ریاضی میں شرح ملخص اور اقلیدس، حدیث میں مشکوٰۃ، سنن ترمذی اور صحیح بخاری اور اصولِ حدیث میں شرح نخبۃ الفکر وغیرہ۔ ان ساری کتابوں میں سوائے ترمذی اور شمس بازغہ کے ساری کتابوں کی اول سے آخر تک استاذ کے سامنے خود قرأت کرتے تھے۔

مولانا عین القضاۃ رحمۃ اللہ علیہ کا انداز تدریس:

استادِ محترم کا قاعدہ یہ تھا کہ جو طالبِ علم غلط عبارت پڑھتا، یا صَرف ونحو میں اس کی اچھی استعداد نہ ہوتی تو اس کو قرأت کی اجازت نہ دیتے تھے، چوں کہ حضرت لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ شروع ہی سے ذہین اور محنتی تھے اور علمی استعداد بھی پختہ تھی، اس لیے اپنے معاصرین اور ہم سبقوں میں قرأت کا شرف بھی انہیں کو حاصل ہوتا رہا اور مولانا سید عین القضاۃ رحمۃ اللہ علیہ سے پڑھنے کا سلسلہ 1317ھ میں ختم ہوا اور آپ مکمل طور پر فارغ التحصیل ہو گئے۔

مندرجہ بالا بیان سے یہ بات متعین ہوگئی، کہ مولانا لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ کو حضرت مولانا سید عین القضاۃ رحمۃ اللہ علیہ کے ذریعے سے بیک واسطہ استاذ الاساتذہ مولانا عبدالحئ فرنگی محلی رحمۃ اللہ علیہ سے تلمذ کا فخر حاصل تھا، اور مولانا فرنگی محلی رحمۃ اللہ علیہ کو بہ طرق کثیرہ شاہ عبدالغنی محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ اور شاہ محمد اسحاق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ سے شرفِ اسناد حاصل تھا، حضرت کو اس سلسلۃ الذہب کے علاوہ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ سے بھی بیک واسطہ رشتہ شاگردی حاصل تھا، اس کے علاوہ آپ نے علمِ طب میں حکیم عبدالولی رحمۃ اللہ علیہ سے (جو مولانا عبدالحئ فرنگی محلی رحمۃ اللہ علیہ اور مولانا سید عین القضاۃ رحمۃ اللہ علیہ کے انتہائی معتقدین میں سے تھے) طب کی تعلیم حاصل کی۔

حفظِ قرآن اور درس وتدریس

آپ بچپن سے حافظ نہ تھے، بلکہ تحریکِ مدح صحابہ کے دنوں میں جب بار بار آپ کو جیل جانا پڑا، تو ان دنوں میں آپ نے جیل کی تنہائی کو ایک غنیمت کا موقع جان کر حفظ قرآن کریم کی دولت حاصل کرلی۔ درس وتدریس کا آغاز آپ نے سب سے پہلے دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنو سے کیا، حضرت مولانا محمد علی مونگیری رحمۃ اللہ علیہ اس وقت ناظم تھے، انہی کی خواہش پر آپ نے بحیثیت مدرس کام کرنا قبول کیا تھا، مولانا سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ اس دور میں وہاں طالب علم تھے، کم وبیش ایک سال کی تدریس کے بعد آپ نے وہاں

سے از خود استعفیٰ دے کر سبک دوشی حاصل کر لی، 1902ء سے 1915ء آپ اپنے استادِ محترم مولانا عین القضاۃ رحمۃ اللہ علیہ کے مدرسہ عالیہ فرقانیہ لکھنو سے وابستہ رہے اور اس وقت سے لے کر 1909ء تک آپ اپنے استاذ علیہ الرحمۃ کے ساتھ معاون مدرس کی حیثیت سے کام کرتے رہے۔ 1909ء سے 1911ء آپ نے مدرس عربی و فارسی کی حیثیت سے بھی کام کیا، مدرسہ کی زیادہ تر ذمہ داری آپ ہی کے سپرد تھی، 1921ء سے 1923 تک مدرسہ عالیہ عربیہ امروہہ کے آپ صدر مدرس رہے۔

بچپن کے ناز و نعم:

آپ جب مولانا سید عین القضاۃ رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں تھے، تو آپ کے والد نے آپ کے لیے ایک ملازم ساتھ رکھا تھا، جو آپ کے لیے بروقت کھانا تیار کرتا تھا، اور ہر ماہ کبھی آپ کو بیس روپیہ اور کبھی پچیس روپیہ اور کبھی تیس روپیہ روانہ فرماتے تھے، جو یقیناً اس زمانے میں ایک خطیر رقم تھی۔

طب کی تعلیم:

طب کی تعلیم بھی آپ کے خاندان کے قدیم امتیازات میں سے ہے۔ آپ کے جد امجد اور چچا بھی کامیاب طبیب تھے، اسی وجہ سے آپ نے بھی علم طب کی طرف توجہ فرمائی، اور اس وقت کے مایہ ناز طبیب حاذق مولوی حکیم عبد الولی رحمۃ اللہ علیہ سے علم طب کی متداول کتب پڑھیں، بعض ثقہ حضرات کی اطلاع کے مطابق آپ نے کچھ دن مطب بھی کیا۔

تقریر و خطابت:

جب تعلیم مکمل ہوگئی تو، استاذ محترم کے مشورہ پر مدرسہ عالیہ فرقانیہ لکھنو کے سامنے مسجد میں ترجمہ قرآن شروع کیا، جیسے جیسے لوگوں کو علم ہوتا گیا، حلقہ بڑھتا چلا گیا۔ اور استاذ محترم کو آپ کا انداز بیان بہت پسند تھا جو کہ پوشیدہ طریقے سے ان کا درس سنتے تھے۔ ایک روز

بلا کر ارشاد فرمایا: ''اگر لوگ آپ سے بیان کرانے کے لیے کسی جگہ چلنے کو کہیں، تو آپ چلے جایا کیجیے اور بیان کر دیا کیجیے'' جب اس پر کچھ عذر کیا تو استاذ محترم نے حوصلہ افزائی فرماتے ہوئے کہا: آپ بہت اچھا ترجمہ قرآن مجید بیان کرتے ہو اور تقریر بھی بہت اچھی کر لیتے ہو، آگے چل کر اور بھی اچھی کرنے لگو گے''۔

باب سوم

زہد وتوکل، عبادت وریاضت، معمولاتِ روز وشب اور بیعت وارشاد:

آج کے اس دورِ انحطاط میں جبکہ خالص اسلامی طرز زندگی صرف پرانی کتابوں کے صفحات میں محدود ہو کر رہ گیا ہے، آپ نے اپنی عملی زندگی سے ثابت کر دیا کہ یہ طریق حیات نہ صرف قابل عمل ہے بلکہ یہی طریقہ قابل تقلید ہے۔ آپ کے شب وروز زہد وتوکل، سادگی وقناعت پسندی اور اخفاء حال کے مشاہدے سے صحابہ کرام، تابعین عظام اور اولیاء اللہ کی حیات مقدسہ کا نقشہ آنکھوں کے سامنے پھر جاتا تھا۔ جب ہر طرف مادیت پرستی کا دور دورہ ہے، ہر آدمی اپنی ذات تک محدود ہے، بیٹے کو باپ کی پہچان نہیں ہے اور باپ کو بیٹے کی محبت اور الفت نہیں، اکثر تمام تر اخلاقی اور شرعی اقدار کا جنازہ اٹھ چکا ہے۔ فرنگی طرز تہذیب کو اپنانے والے دلدادہ ہر جگہ نظر آتے ہیں، کوئی محمدی لباس میں ملبوس اپنے آپ کو نہیں دیکھنا چاہتا، ایسے میں اللہ نے ایک ایسی شخصیت کا وجود امت کے لیے غنیمت بنا دیا، جس نے اپنے عمل سے امت کو صحابہ کی زندگیاں یاد کرا دیں۔

اخفاءِ حال:

آپ اپنی زندگی کے حال واحوال بیان کرنے سے بہت گریز فرماتے تھے، اگر

کوئی پوچھ بھی لیتا تو بہت ہی بے توجہی سے جواب دے کر خاموش ہو جاتے ۔ بڑے بڑے قافلوں میں میر کارواں ہوتے لیکن عاجزی اور انکساری کا یہ عالم ہوتا کہ کسی کو پتہ تک نہ چلتا تھا۔ سفر میں یہ حالت تھی کہ بروقت پہنچ جاتے تھے، عموماً تنہا سفر فرماتے تھے، سامانِ سفر بالکل مختصر صرف ایک دری، ایک چادر اور ایک تکیہ رسی سے بندھا ہوا اور ایک مٹی کا لوٹا اور ایک عدد مسواک ساتھ ہوتی تھی ۔ یہ کل کائنات تھی اللہ کے اس بندے کی جس کو دنیا امام اہل سنت کے لقب سے یاد کرتی تھی ۔

قناعت اور خدا پر اعتماد :

آپ نے کبھی روپے پیسے کو جمع کر کے نہیں رکھا، جو بھی آمدنی ہوتی تھی اور وہ جس مقصد کے لیے ہوتی تھی ، اسی میں خرچ کر دیا کرتے تھے۔ کبھی اپنے لیے بچا کر نہ رکھتے تھے ۔ مگر اللہ تعالیٰ بھی بڑا کارساز ہے جب وہ دیکھتا ہے کہ اس کے مخلص بندے نے میرے اوپر ہی بھروسہ کر رکھا ہے، اور اپنی تمام مادی حاجتیں اسی کے فضل و کرم کے سپرد کر رکھی ہیں تو وہ بھی اپنی رحمت کے دریچے کھول دیتا ہے ۔

یہ وہ کیفیت تھی جس نے دنیا کے تمام ہموم و غموم سے دل کو خالی کر دیا تھا۔ اور جب کبھی جیب خالی ہوتی تھی تو حضرت رحمۃ اللہ علیہ ایک جملہ ارشاد فرماتے تھے :

> ''آج کل میرا ہاتھ خالی ہے اور اب جلد ہی کہیں سے روپیہ آنے والا ہے، بس صبح و شام کی دیر ہے، کیونکہ جب میرا ہاتھ خالی ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ جلد ہی میرے پاس کچھ نہ کچھ بھیج دیتا ہے'' ۔

روزمرہ کے معمولات اور اتباعِ سنت :

زندگی کا تمام تر لطف اتباع سنت میں مضمر ہے، اور جب کسی کو یہ حرص پیدا ہو جاتا ہے، تو اس کو ایک خاص تعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پیدا ہو جاتا ہے اور یہی تعلق اصل چیز اور تمام فیوض و برکات کا سرچشمہ ہے اور ایسے شخص پر خاص رحمت خداوندی یہ ہوتی ہے کہ افعالِ

اضطراریہ میں بھی من جانب اللہ خلافِ سنت حرکات سے اس کی حفاظت ہوتی ہے۔

اسی طرح روزمرہ کے معمولات میں قرآن مجید کی تلاوت، ذکر اذکار نوافل کا بھرپور اہتمام تھا، اور یہ تمام کام ایک ایسی ترتیب سے سرانجام پاتے تھے جیسے کوئی بے جان مشین ہے جس کے پرزے بغیر وقفہ کے حرکت میں ہیں۔ان اعمال پر استقامت اور مداومت درحقیقت کرامت تھی۔

بیعت وارشاد:

حضرت لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ اوائل عمر ہی سے نقشبندی سلسلہ کے مختلف بزرگوں سے منسلک رہے، جن میں مولانا عبد السلام ہنسوی رحمۃ اللہ علیہ، مولانا عین القضاۃ رحمۃ اللہ علیہ، مولانا شاہ ابو الخیر دہلوی رحمۃ اللہ علیہ اور آپ کے والد مولانا ناظر علی رحمۃ اللہ علیہ خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ ۱۹۲۱ء میں خانقاہ عالی جاہ مجددیہ میں حضرت مولانا شاہ ابو احمد بھوپال سے بیعت کی سعادت حاصل کی۔حضرت لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ اپنے شیخ سے بے حد لگاؤ رکھتے تھے،ان کا حد درجہ ادب واحترام کیا کرتے تھے،حضرت شاہ صاحب نے کاکوری کے ایک سفر میں حضرت لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ کو خلافت واجازت بھی عطا فرمائی، حضرت لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ عمر بھر سلسلہ نقشبندیہ مجددیہ کے بزرگوں کے مقرر کردہ وظائف واَوْراد کے پابند رہے اور اپنے متوسلین کو بھی اس کی پابندی کی تلقین فرمایا کرتے تھے۔

باب چہارم

ماہنامہ علم الفقہ اور رسالہ النجم کا اجراء

حضرت مولانا لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ کو بچپن ہی سے تصنیف وتالیف سے مناسبت تھی، چنانچہ زمانہ طالب علمی ہی سے آپ نے لکھنو کے مشہور شیعہ مجتہد کی کتاب کے بعض حصوں کے جواب فارسی زبان میں تحریر کیے تھے۔ اپنے استاذ مولانا عین القضاۃ کے کئی مناظروں کی روداد ترتیب دی۔ بالآخر اپنے اسی فطری ذوق کو پانی دیتے ہوئے ۱۸۹۹ء میں تعلیم سے فراغت کے بعد فوراً تدریسی مشاغل کے ساتھ ساتھ ایک ماہوار علمی رسالہ "علم الفقہ" کے نام سے لکھنو سے جاری کیا۔ جو پورے چھ سال تک پابندی سے نکلتا رہا۔ روزمرہ کے مسائل فقہیہ کو ایک خاص نظام اور ترتیب کے ساتھ اردو میں مرتب کرنے کی یہ پہلی کوشش تھی۔ اس سے پہلے اردو زبان میں کوئی کتاب نہ تھی۔ حتی کہ بہشتی زیور جیسی مشہور کتاب کے بعض حصے بھی اس کے بعد لکھے گئے ہیں۔ حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے بہشتی گوہر کے دیباچہ میں جہاں اپنے مآخذ کا تذکرہ کیا ہے وہیں انہوں نے علم الفقہ کو بھی شامل کیا ہے۔

جب ایک عنوان پر مسائل مکمل ہو جاتے تو اس کو ایک جلد بنا دیا جاتا۔ چنانچہ جلد اول طہارت کے بیان میں ہے، جلد دوم نماز، جلد سوم روزہ، جلد چہارم زکوۃ، جلد پنجم حج وزیارات اور ششم نکاح کے مسائل سے متعلق ہے۔ اس کے بعد آپ کا ارادہ طلاق کے مسائل پر ایک جلد تیار کرنے کا تھا، بلکہ بعض روایات سے پتہ چلتا ہے کہ آپ نے یہ جلد مکمل بھی کر دی تھی، کسی وجہ سے وہ زیور طبع سے آراستہ نہ ہوسکی۔ اور کچھ عرصہ بعد وہ مسودہ بھی نایاب ہوگیا۔

رسالہ النجم کا اجراء:

جب لکھنو میں فرقہ وارانہ منافرت پھیلانے کے لیے مختلف واعظین پیدا ہوئے اور

انتشار وافتراق کا بازار گرم ہونے لگا، جو بالآخر مسلمانوں کے مسلّمہ عقائد اور مسلّمہ شخصیات کی ہتک آمیزی اور تبرا بازی سے ہاتھ صاف کرنے لگے۔ان احوال کا تقاضا یہ تھا کہ اسلامیان ہند کی طرف سے کوئی ایسا اخبار نکلے، جو معاندین کے پیہم تحریری حملوں کا دفاع کرسکے، چنانچہ ۷ رمضان المبارک ۱۳۲۲ھ مطابق ۲۶ اکتوبر ۱۹۰۴ء کو النجم کے نام سے ایک ہفت روزہ اخبار لکھنو سے جاری کیا جو ہر قمری مہینے کی ۷۔ ۱۴۔ ۲۱۔ ۲۸ تاریخوں کو شائع ہوتا تھا۔

النجم کے مقاصد اور اغراض:

النجم کا اصلی مقصد حیاتِ اسلام اور نصیحت مسلمین تھا۔مسلمانوں کے عقائد وخیالات، عادات وخصائل اور عبادات ومعاملات کی اصلاح اور ہر امر میں اتباعِ شریعتِ حقہ محمدیہ کی ترغیب اور خلافِ شریعت اُمور سے حتی الامکان ان کو بچانا ہے،اسی مبارک مقصد کو حاصل کرنے کے لیے اس کے حسبِ ذیل مستقل عنوانات قائم کیے گئے تھے۔ ۱۔اہلِ علم کی مراسلت جو خاص مذہبی اور ضروری مسائل سے متعلق ہو۔ ۲۔غیر مذاہب کے حملوں سے اسلام کی حفاظت اور اسلام کی حقّانیت کا تمام مذاہب پر اظہار۔ ۳۔ بزرگانِ سلف اور ائمہ دین کے حالات۔ ۴۔کچھ حصہ خبروں کا بھی ہر شمارہ میں رہے گا اور اس کے لیے خاص طور پر یہ اہتمام کیا گیا تھا، کہ اسلامی خبریں عربی اخبارات سے منتخب ہوں۔

النجم کی تہلکہ خیز افادیت:

جب النجم کا پرچہ شائع ہونا شروع ہوا، تو یہ ایسا زمانہ تھا کہ ملک کے مختلف حصوں میں شیعوں کے تقریباً پچیس اخبارات ورسائل نکل رہے تھے۔جن میں سوائے مسلمانوں کے عقائد حقہ کی تردید کے اور کچھ نہیں ہوتا تھا۔کچھ وہ بھی تھے، جو صرف النجم کے جواب میں ہی نکالے گئے تھے، اور ان میں جواب تو کیا ہوتا سوائے دشنام طرازیوں اور گالیوں کے کچھ نہ تھا۔یہ رسائل دس پندرہ سال سے اہل سنت کے خلاف نکل رہے تھے، جن کا

بنیادی مقصد مسمانوں کے طبقہ میں شکوک وشبہات پیدا کرنا، دوم شیعہ عوام میں خود اعتمادی پیدا کرنا۔ سوم مسلم عوام کی سادگی، جہالت، غربت اور مذہبی شعور کے فقدان سے فائدہ اٹھا کر شیعیت کی تبلیغ کرنا وغیرہ۔ النجم کا مقصد کسی فرقہ کی دل آزاری کرنا ہر گز نہ تھا اور نہ ہی کسی گروہ کے مذہبی معتقدات پر کسی قسم کا حملہ کرنا تھا۔ اس کا مقصد صرف اہل سنت کی طرف سے دفاع کا فریضہ سرانجام دینا تھا اور بس۔

النجم اپنے قارئین کے جذبات کا گہرا ترجمان:

وہ امام اہل سنت جو اپنی طبعی سنجیدگی، نسبی شرافت اور اخلاقی بلندی کی وجہ سے درس وتدریس میں مصروف تھے، جونہی مسلمانوں کی یہ زبوں حالی دیکھی۔ تو علم وعرفان کے بحرِ بے کراں کی موجوں میں طغیانی شروع ہوگئی۔ اور پھر یہ سنجیدہ قلم سیل رواں کی طرح بہتا چلا گیا۔ عقائد حقہ کا دفاع فتنوں کا تعاقب، دفاعِ صحابہ، سیرت نبویہ اور مسلمانوں کو روز مرہ پیش آمدہ مسائل کا انوکھا حل النجم کے صفحات کی زینت بننا شروع ہوگیا۔

النجم کے اہم ترین عنوانات:

۱۔ العقائد: مسلمانوں کے عقائد حقہ کی تشریح وتوضیح ہوتی تھی، اور اسی کے ضمن میں کبھی کبھی اکابرین کے مکتوبات کو بھی شائع کیا جاتا تھا۔

۲۔ التقریظ والانتقاد تھا جس میں مختلف ہم عصر رسائل پر تبصرہ درج ہوتا تھا، اسی ضمن میں صحابہ کرام رضی اللہ عنھم کے حالات اور ان کے خصوصی فضائل ومناقب کا بھی تذکرہ کیا جاتا تھا۔

۳۔ المراسلات: اس عنوان کے تحت ایسے فتاوی کے جوابات درج کیے جاتے تھے جو دفتر النجم میں موصول ہوا کرتے تھے۔

۴۔ الحوادث المحلیہ کے تحت مقامی خبریں درج کی جاتی تھیں۔

۵۔زھد ورقاق: اس عنوان کے تحت بعض مخصوص مشائخ کے حالات، فرمودات اوران کے منتخب مکاتیب شائع کیے جاتے تھے۔اس طرح تصوف کے اہم مسائل بھی زیر بحث آتے، اوران پر اظہارِ خیال ہوتا تھا۔

النجم کی حیات کے مختلف دور:

النجم کم وبیش ۳۳ سال تک شائع ہوتا رہا۔مگر اس مدت میں اس کے سائز، صفحات اور وقفہ اشاعت میں تغیر وتبدل ہوتا رہا، یہ ابتداءً ہفت روزہ بھی نکلا، اسی طرح ماہنامہ، پندرہ روزہ بہر حال مختلف تبدیلیاں آتی رہیں۔اوراس کی اہم خصوصیت یہ تھی کہ اس کے تحت مختلف خصوصی نمبر شائع ہوئے؛ جن میں چند ایک کے عنوانات درج ذیل ہیں:

۱۔خلافت نمبر۔ ۲۔رسالت نمبر ۳۔عاشورا نمبر ۴۔خاتون نمبر ۵۔صحابہ نمبر ۶۔ذبیح اللہ نمبر ۷۔شہداء نمبر ۸۔ہجرت نمبر ۹۔مدح صحابہ نمبر ۱۰۔ناموس اسلام نمبر وغیرہ

ایک وقت تھا کہ جب النجم محض دفاعی مضامین، افہام وتفہیم اور معاندین کے اعتراضات وجوابات تحریر کرنے پر کاربند تھا۔اور پھر ایک ہمہ گیر تحریک کی شکل اختیار کر گیا۔خاص طور پر یہ رسالہ ملک کے طول وعرض میں نہیں بلکہ پاک وہند میں مدحِ صحابہ کا منفرد ترجمان بن چکا تھا۔

النجم امام اہل سنت کی شخصیت کا آئینہ دار:

اسی ماہنامہ النجم نے امام اہل سنت کی شخصیت کو اپنے مقدس صفحات کے آئینہ میں امت کو دکھایا۔مولانا لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ کی تمام تر تصنیفات، تراجم اسی رسالہ کے ذریعے ہی اول مرتبہ منصہ شہود پر آئیں۔اور یہ رسالہ تمام تر حالات کے باوجود چلتا ہی رہا۔معاندین ومخالفین کی تمام تر دشنام طرازیوں کے باوجود اس کے تسلسل میں فرق نہ آیا جو درحقیت اس کے رویہ کے اعتدال اور نرمی کا نتیجہ تھا۔

النجم معاصرین کی نظر میں:

بے شمار اہل قلم، ادیب اور صحافیوں نے اس رسالہ کی خدمات کو سراہا، اس کی افادیت پر مضامین شائع ہوئے، تبصرے لکھے گئے۔ جن میں ناظم ندوۃ العلماء لکھنو مولانا سید علی مونگیریؒ اور ماہنامہ القاسم دیوبند کے تاثرات، اخبار سچ لکھنو کی حوصلہ افزائی۔ اردو کے مشہور ادیب اور انشاء پرداز مولانا عبد الحلیم شرر لکھنوی وغیرہ قابل ذکر ہیں؛

خلاصۃ البحث:

قارئین کرام! لیجیے...... آج آپ کے ہاتھوں میں جو مسودہ موجود ہے ”سیرت کے نقوش“ کا، یہ بھی النجم ہی کا مرہونِ منت ہے۔ جو ملک کے طول وعرض میں منتشر مختلف لائبریریوں سے النجم کے پرچہ جات کو حاصل کرکے ایک نئی اور انوکھی ترتیب سے پیش کیا جارہا ہے، دعا ہے کہ اللہ جل شانہ اس کے مرتبین اور معاونین کو دارین میں اپنی رضا اور خوشنودی نصیب فرمائیں۔

باب پنجم

دار المبلغین کا قیام

۱۷۶۲ء میں جو فکر شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کو لاحق تھی، جس کے نتیجے میں انہوں نے علماء وقت کو مخاطب کرکے لکھا تھا:

”میں ان طلباء علم سے کہتا ہوں جو اپنے آپ کو علماء کے زمرے میں شمار کرتے ہیں کہ اے ناسمجھو! تم یونانیوں کے علوم اور صرف ونحو ومعانی کے حصول میں لگ گئے ہو اور یہ خیال کر بیٹھے ہو، کہ علم انہیں چیزوں کا نام ہے، حالانکہ علم نام ہے کتاب اللہ کی آیت محکمہ کا، تم اس کو اس طرح سیکھو کہ پہلے اس کے غریب لغات کی تفسیر معلوم کرو پھر سبب

نزول معلوم کر کے اس کے مشکل مقامات کا حل تلاش کرو اور حضور ﷺ کی احادیث میں غور کرو، کہ آپ کس طرح نماز پڑھتے تھے؟ کیسے وضو فرماتے تھے؟ اور کس طرح ضرورت کے لیے کہیں تشریف لے جاتے تھے؟''

گویا یہ سب کچھ ایک تعلیمی نظریہ کی ترجمان تھی اور اگر غور کیا جائے تو یہ دارالمبلغین کے سنگ بنیاد کا پیش خیمہ تھی۔ اسی فکر کے نتیجے میں ندوۃ العلماء لکھنو کا قیام عمل میں لایا گیا۔ اور دیگر تمام اس طرح کے شعبہ جات جاری کیے گئے۔

دارالمبلغین کا افتتاح:

۲ ذیقعدہ ۱۳۵۱ھ یعنی ۱۹۳۲ کی وہ صبح مبارک اور سعید تھی، جب لکھنو میں معززین شہر کا ایک مختصر اجتماع ہوا اور اس میں ایک ادارہ کا افتتاح عمل میں لایا گیا جس کا نام خود بانی ادارہ نے دارالمبلغین تجویز کیا۔ اس ادارے کے اہم مقاصد درج ذیل تھے:

۱۔ اہل سنت کے اندر صحیح مذہبی واقفیت پیدا کر کے ان کو پابند مذہب بنانے کی سعی کرنا۔

۲۔ غیر شرعی اعمال کی وجہ سے جو دینی اخلاقی اور سماجی خرابیاں پیدا ہوگئی ہیں، اہل سنت کو ان سے محفوظ رکھنے کی جدو جہد کرنا۔

۳۔ تحریر و تقریر کے ذریعہ اسلام کے محاسن و مکارم کی تبلیغ و اشاعت کرنا۔

چنانچہ انہی مقاصد کو مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی زبانی سنیے!

دارالمبلغین نے اپنا مقصدِ وحید یہ قرار دیا کہ مدارسِ عربیہ کے فارغ التحصیل ذی استعداد لوگ لیے جائیں اور ان کو سبقاً سبقاً قرآن مجید کی من اولہ الی آخرہ تعلیم دی جائے ۔ اس سلسلہ میں طرز تعلیم وہ رکھا جائے جو حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے وصیت نامہ میں ذکر فرمایا ہے اور اس کی تاکید کی ہے۔ اور احقر خود بھی اس کام میں صاحب تجربہ ہے، دو سال تک اپنے استاذ مولانا عین القضاۃ کی زیرِ نگرانی پڑھا چکا ہوں۔

چنانچہ اس کے تحت ایک نصاب تجویز دیا گیا اور بے شمار علماء اور فضلاء نے مختلف

شعبہ ہائے زندگی میں کام کرنے کا تجربہ سیکھا۔بے شمار شاگرد تیار ہوئے۔اور اس ادارے کے تحت مختلف رسائل نکالے گئے۔یہ ایک تجدیدی کام تھا جس نے ہندوستان کے علماء اور فضلاء میں نئی روح پھونک دی۔

دارالمبلغین سے فارغ التحصیل علماء وقت:

ہندوستان کے بے شمار علماء کے علاوہ پاکستان کے مولانا سید نورالحسن شاہ بخاریؒ، مولانا اللہ یار خانؒ، مولانا عبدالستار تونسویؒ مولانا صوفی عبدالحمید سواتیؒ، مولانا محمد سرفراز خان صفدرؒ اور دیگر بے شمار گمنام شاگرد جن کا ریکارڈ بھی محفوظ نہ رہ سکا۔یہ سب اس ادارے کی پیداوار تھے۔فجزاہ اللہ عنہ وعنھم۔

باب ششم

تحریک مدحِ صحابہ رضی اللہ عنہم

لکھنو کے مخصوص ماحول میں بعض شرانگیزوں کی آمد نے مزید گرمائش پیدا کردی تھی، مجالس عزا میں اعلانیہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر تبرا کیا جاتا تھا (العیاذ باللہ) ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن پر طرح طرح کی بے بنیاد تہمتیں تراشی جاتی تھیں،غرض حالات ناگفتہ بہ حالت تک پہنچ گئے۔

لکھنو آمد اور اِمام اہلِ سنت کا خطاب:

جب لکھنو میں حالات بہت زیادہ کشیدہ ہونے لگے اور اہلسنت کو آئے دن تنگ کیا جانے لگا،تو اس وقت علماء کے سرخیل مولانا عین القضاۃ صاحب، جوعلامہ ابوالحسنات عبد الحیَ لکھنوی صاحب کے جانشین تھے،نے اہلِ سنت کی طرف سے مدافعت کا بیڑا اٹھا یا۔اور علمائے وقت کو اس نازک مسئلہ کی طرف متوجہ کیا اور ہر طرح سے اہلِ سنت کے

معتقدات و مفادات کی حفاظت پر کمر بستہ ہو گئے ۔ جب آپ نے دیکھا کہ یہ معاملات مزید پیچیدہ ہوتے جارہے ہیں اور فریقِ مخالف کی طرف سے برابر مناظروں کا چیلنج دیا جانے لگا ہے تو آپ نے یہ فیصلہ کرلیا کہ حضرت مولانا عبد الشکور صاحب لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ کو دہلی سے لکھنو بلایا جائے اور ان کو سنیوں کی طرف سے مناظروں کی جواب دہی کے لیے آمادہ کیا جائے، اس وقت لکھنوی صاحب دہلی میں مرزا حیرت کے مطبع میں بحیثیت مؤلف و مصنف کام کر رہے تھے۔

جس وقت مولانا عین القضاۃ صاحب نے حضرت لکھنوی کو لکھنو آنے کی دعوت دی، اس وقت بعض معاصرین نے استادِ محترم سے کہا کہ ہم خدام تو ہر حکم کی تعمیل کے لیے حاضر ہیں، لہٰذا دہلی سے مولانا عبد الشکور صاحب کو بلانے کی کیا ضرورت ہے؟ مولانا اس پر سخت چیں بہ جبیں ہوئے اور فرمایا:

"ہاں! میں نے اسی کام کے لیے انہیں بلایا ہے، وہ اس معاملے میں ہم اہلِ سنت کے امام ہیں" ۔ مولانا کا یہی جملہ مستقبل میں ایک تاریخی حیثیت بن گیا اور برِصغیر کے تمام علماء، عوام و خواص نے آپ کو امام اہلِ سنت کا لقب دے دیا، آپ کو اسی لقب کے ساتھ لکھا اور پڑھا جاتا ہے"۔

بعض کج رو لوگوں کی دل آزار حرکتیں:

بعض کج رو مسلسل اشتعال انگیزیاں پھیلانے لگے، ان کی دل آزار و مذموم حرکتیں تو زیادہ ہیں، بطورِ مثال درج ذیل حرکتیں باعثِ عبرت ہیں، جو تقریباً کسی نہ کسی شکل میں آج بھی جاری ہیں:

1 ... "صحبتِ قدیمانہ" کے عنوان سے شہر بھر میں تبرائی مجالس منعقد کرتے تھے، جس میں سوائے خلفائے ثلاثہ اور ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہم اجمعین پر العیاذ باللہ، تبرا کے سوا کچھ نہیں ہوتا تھا۔

2..."بزمِ فیروزی" کے نام سے سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے قاتل ملعون مجوسی کی مدح وتعریف اوراس واقعۂ شہادت کی یاد تازہ کرنے کے لیے محفلیں منعقد کی جاتی تھیں۔

3...سنیوں کو مزید اشتعال دلانے کے لیے اذان میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کا نام اور" خلیفۃ النبی بلافصل" کے بے اصل جملوں کا اضافہ کیا، مزید برآں "عید غدیر" کو جوش وخروش کے ساتھ علی الاعلان منایا جانے لگا۔

تحریکِ مدحِ صحابہ رضی اللہ عنہم کی تائید:

ہندوستان بھر کے اہلِ سنت علماء کی کانفرنس بلائی گئی، جس میں حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ، مولانا احمد سعید رحمۃ اللہ علیہ، ناظمِ جمیعت علمائے ہند، امام اہلِ سنت مولانا عبد الشکور لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ، سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ مولوی سید علی حسن رحمۃ اللہ علیہ، مولانا عبد الرحیم فاروقی رحمۃ اللہ علیہ، ظفر الملک علوی رحمۃ اللہ علیہ حضرات نے شرکت فرمائی اور حضرت مولانا قاری طیب رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے تحریری بیان کے ذریعے سے تحریک مدح صحابہ کی تائید فرمائی۔اس تحریک کے دوران آپ رحمۃ اللہ علیہ اور آپ کے رفقاء کار کوکئی دفعہ پابند سلاسل اور پس دیوارِ زندان بھی جانا پڑا، مگر انہوں نے اسلام اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی خاطر یہ سب کچھ بخوشی قبول کرلیا۔اس تحریک کے نتیجے میں مسلمانوں میں دینی بیداری پیدا ہوئی، انہیں اپنے عقائد معلوم ہوئے اور مخالفین اسلام وصحابہ کرام کی سازشوں سے واقفیت ہوئی، اوران کے سدِ باب کی کوششوں میں کامیابی حاصل ہوئی۔

باب ھفتم

مناظرے ومباحثے:

اسلام ایک دعوتی مذہب ہے، دعوت کے دوران داعی کو کبھی مزاحمت کا سامنا بھی کرنا پڑتا ہے، مخالفین کو سمجھانے یا ان کے شکوک وشبہات اور دین برحق پر ان کے اعتراضات کے دفعیہ کے لیے داعی کو مناظرہ ومباحثہ اور علمی مدافعت سے بھی کام لینا پڑتا ہے، انیسویں صدی میں ہندوستان میں عیسائیوں سے تو مناظروں ومباحثوں کا بازار گرم تھا ہی، اس کے ساتھ ساتھ اہلِ تشیع و اہلِ بدعت سے بھی مناظروں کی نوبت آ گئی تھی۔ چنانچہ لکھنو میں 1892ء میں شیعوں کے ساتھ پہلا مناظرہ ہوا اس وقت مولانا عبد الشکور لکھنوی طالب علم تھے، مولانا عین القضاۃ رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ آپ معاون خصوصی کے طور پر شریک ہوئے۔ دوسرا مناظرہ لکھنو ہی میں ۱۹۰۸ء میں ہوا اور تیسرا مناظرہ مولوی سجاد لکھنوی سے ۱۹۱۰ء میں لکھنو میں ہوا، جس میں امام اہلِ سنت نے مدِمقابل کو واضح اور یقینی شکست سے دو چار کیا، رد روافض کے سلسلے میں 1913ء ضلع سیوان (بہار) کا پہلا سفر اور اور 1914ء میں ضلع سیوان کا دوسرا سفر کیا اور 1914ء میں ہی مناظرہ بمبئی اور 1918ء میں مناظرہ چکوال ضلع جہلم پنجاب، 1920ء میں مناظرہ مکیریان ضلع ہوشیار پور، 1920ء میں مناظرہ امروہہ ضلع مراد آباد، 1922ء میں مناظرہ بشیر کوٹ ضلع چوبیس پرگنہ (مغربی بنگال)، 1923ء میں مناظرہ کولوتارڑ ضلع گوجرانوالہ، 1930ء میں مناظرہ منٹگمری ساہیوال کا مناظرہ ہوا جس میں امام اہلِ سنت نے مدِمقابل کو شرم ناک اور ذلت آمیز شکست سے دو چار کیا، اس کے علاوہ امام اہلِ سنت نے اہلِ بدعت، قادیانیوں اور آریہ سماج، غیر مقلدین، عیسائیوں اور دیگر کئی گم راہ فرقوں سے بھی مناظرے ومباحثے کیے اور اہلِ حق کی ترجمانی کے فرائض انجام دیے۔

باب ہشتم

تصنیفات وتالیفات وتراجم

مولانا نے اپنی عملی زندگی کا آغاز ایک مدرس کی حیثیت سے فرمایا،لیکن پھر اللہ جل شانہ کی توفیق سے آپ صحافت کے میدان میں آئے اور بے شمار کتب، اور بڑی بڑی کتب کے تراجم آپ کے عرق ریز قلم کی مرہون منت ٹھہریں ۔آپ نے ماہنامہ النجم میں بے شمار عنوان پر مستقل مضامین ترتیب دے کر شائع کیے ۔خاص طور پر سیرت پر بہت ہی سادہ اور عام فہم انداز میں نفحہ عنبریہ اور سیرت قرآنیہ تحریر فرمائیں ۔صحابہ کرام کے فضائل ومناقب تاریخ وسیر پر آپ کا قلم سیل رواں کی طرح بہتا چلا گیا۔ آپ کی وہ تصنیفات جو زیور طباعت سے آراستہ ہوئیں ان کا مختصر تعارف پیش کروایا جاتا ہے۔

حصہ قرآنیات:

۱۔ترجمۃ القرآن۔

یہ ترجمہ مکمل ہو چکا تھا جس کا اعلان ماہنامہ النجم کے شماروں میں ہوتا رہا، البتہ یہ ترجمہ شائع نہ ہوسکا۔اور آج وہ مسودہ بھی نایاب ہوگیا۔

سلک المرجان فی مصادر القرآن:

یہ رسالہ علامہ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب ''اتقان'' کے طرز پر اردو زبان میں آسان اور سلیس اسلوب میں مرتب کیا گیا تھا جو اگر آج مکمل صورت میں موجود ہوتا تو ادب اسلامی میں بیش قیمت اضافہ ہوتا۔

تفسیر آیات قرآنیہ:

۳۔مقدمہ تفسیر آیات خلافت وامامت ۴۔تفسیر آیت استخلاف۔

۵۔تفسیر آیت مودۃ القربیٰ۔
۶۔تفسیر آیت فیئے ملقب بہ وظیفہ مدح صحابہ۔
۷۔تفسیر آیات حفاظت قرآن۔
۸۔تفسیر آیت تطہیر۔
۹۔تفسیر آیت میراث۔
۱۰۔تفسیر آیت قتال مرتدین۔
۱۱۔تفسیر آیت ولایت۔
۱۲۔تفسیر آیت تمکین۔
۱۳۔تفسیر آیت دعوت اعراب۔
۱۴۔تفسیر آیت مباہلہ۔
۱۵۔تفسیر آیت اولی الامر۔
۱۶۔تفسیر آیت ملک طالوت۔
۱۷۔تفسیر آیات اظہار دین۔
۱۸۔تفسیر آیات مدحِ مہاجرین۔
۱۹۔تفسیر آیت تبلیغ۔
۲۰۔تفسیر آیاتِ امامت۔
۲۱۔تفسیر آیات مذمت منافقین۔
۲۲۔تفسیر آیات متفرقہ۔
۲۳۔تفسیر آیت معیت۔
۲۴۔تفسیر آیت رضوان۔
۲۵۔تحفۃ الانصاف لصاحب الاختلاف فی تفسیر آیۃ الاستخلاف۔
۲۶۔رسالہ ہدایت بجواب ''غوایت''۔

سیرت النبویہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام

۱۔مختصر سیرت قدسیہ۔
۲۔سیرت الحبیب الشفیع من الکتاب العزیز۔
۳۔نفحہ عنبریہ بذکر میلاد خیر البریہ۔
۴۔اردو ترجمہ شمائل النبوی۔
۵۔اردو ترجمہ چہل حدیث۔

فقہ وعقائد:

علم الفقہ (۶ جلدوں میں) اردو ترجمہ فقہ اکبر، وصّاف اردو ترجمہ" الانصاف"۔

فضائل ومناقب اور سیر وسوانح:

سیرت خلفائے راشدین، اول المؤمنین، اردو ترجمہ اسد الغابہ فی معرفۃ الصحابہ، تنویر الایمان اردو ترجمہ تطہیر الجنان، کراماتِ موسویہ، الخطب الشوقیۃ فی حضرۃ المجددیہ، اردو ترجمہ تاریخ طبری، شجرہ طیبہ، راحۃ القلوب بذکر المحبوب۔

تائیدِ حق وردِّ باطل:

ابو الائمہ کی تعلیمات، اردو ترجمہ ازالۃ الخفاء بنام کشف الغطاء عن السنۃ البیضاء، افاضۃ العینین علی شہادۃ الحسین ملقب بہ تحقیقی شہادت نامہ، احیاء المیت فی تحقیق الآل واہلِ البیت، باقیات صالحات فارسی ترجمہ آیات بینات، مدح صحابہ کی مخالفت میں آیت قرآنی سے غلط استدلال اور اس کا جواب شیعوں کی معتبر کتابوں سے، ارشاد الامم بجواب" مصباح الظلم" قاطع اللسان بجواب" دافع البہتان، نصرۃ الشریعہ شرح "نصیحۃ الشیعہ" ترجمہ وتحشیہ" تحفہ اثنا عشریہ "عقلِ سلیم اور صراط مستقیم، ائمہ اثنا عشریہ اور ان کا مذہب، القول الصواب۔

تر دید شیعیت :

حرمتِ متعہ کا ثبوت آیتِ قرآنیہ سے، کشف الاستار (استبصار کا ترجمہ اور تنقید) کشف اللفافہ لاظہار مافی النبوۃ والخلافہ، معجزۃ القرآن، نصرۃ القرآن، قاتلانِ حسین کی خانہ تلاشی، قصہ قرطاس کا مختتم فیصلہ، تنبیہ الحائرین بحمایۃ الکتاب المبین، تفضیح الجائرین (تکملہ تنبیہ الحائرین) انتصار الاسلام برد استقصاء الافحام، مولوی اعجاز حسین بدایونی کا جواب، مناظرہ اور اظہارِ حق (9 جلدوں میں)۔

مخالفین اہلِ سنت کے دو سو مسائل :

(الاول من المائتین) اقامۃ البرھان علیٰ ان الشیعۃ اعداء القرآن (حصہ اول)، قطع الوتین من الذی یستبدل الشک بالیقین (حصہ دوم)، نہایۃ الخسران لمن ترک القرآن (حصہ سوم) اجوبۃ المتحرفین فی ترک الکتاب المبین (حصہ چہارم)

(الثانی من المأتین) تحذیر المسلمین عن خداع الکاذبین (حصہ اول) الحجۃ القویۃ بذکر مواقع التقیۃ (حصہ دوم)، التحفۃ البہیۃ فی نتائج التقیۃ (حصہ سوم)

(الثالث من المأتین) مسئلہ بدا کی تحقیق، الرابع من المأتین شرح حدیث ثقلین، الخامس من المأتین شرح مسئلہ امامت، تین حصوں پر مشتمل ہے، مقدمہ جائس، النصرۃ الغیبیۃ علی الفرقۃ الشیعیۃ۔

ردِ قادیانیت و بدعت :

اردو ترجمہ ازاحۃ العیب عن مبحث علم الغیب، رفع النزاع عما یتعلق بالسماع، صداقت کا نشان بجواب نبی کی پہچان، ہدایت اہلِ امریکہ، القول الاحکم، نبوت کی ضرورت، تحفہ محمدیہ، کتاب الصلوۃ، تحفۃ الاسلام لجمیع الاقوام، ان کے علاوہ بیس کے قریب مناظرے ومباحثے بھی ہیں جو مختلف عنوانات سے مطبوع ہو چکے ہیں۔

بابِ نہم

فقہی جامعیت، افکار ونظریات

حضرت مولانا عبد الشکور لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ استاذ الاساتذہ حضرت مولانا عبد الحئی فرنگی محلی رحمۃ اللہ علیہ اور فقیہ النفس حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے بیک واسطہ شاگرد تھے، اور استاذ الوقت مولانا سید عین القضاۃ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے براہ راست شاگرد تھے، اس لیے ان کا وہی فقہی مسلک تھا جو ان علماء کا تھا، اسی طرح حضرت لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ مولانا محمد علی مونگیری رحمۃ اللہ علیہ اور مولانا خلیل احمد سہارن پوری رحمۃ اللہ علیہ کے بھی معتمدین میں سے تھے، مزید برآں آپ قدیم ہندی علماء میں حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے فقہی خیالات سے بھی متاثر تھے، چنانچہ وہ حنفی المسلک اور مقلد تھے "تقلید" کے جواز میں انہوں نے ایک رسالہ "دُرِّ فرید" کے نام سے لکھا تھا، جو اب ناپید ہو چکا ہے، النجم میں ایک موقع پر حضرت لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا: "ہندوستان میں بالخصوص امامنا الاعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی تقلید اہم واجبات میں سے ہے"، البتہ بعض مسائل میں آپ کی رائے دیگر علماء سے ہٹ کر ہے۔

مجدِّدانہ طرزِ تردید:

لکھنو کے مخصوص حالات اور بعض واعظین کی شر انگیزیوں سے مجبور ہو کر علمائے اہلِ سنت نے مولانا عبد الشکور لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ کو لکھنو میں قیام اور ردِ رافضیت پر کام کی دعوت دی تھی، لکھنو آکر حضرت لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کام کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنایا تھا، جہاں کہیں سن لیتے کہ وہاں اہلِ سنت کو تنگ کیا جا رہا ہے، یا جہاں کہیں بھی مناظرے کے چیلنج دیے جاتے، تو مولانا فوراً وہاں پہنچ جاتے تھے۔ مولانا لکھنوی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے تقریباً اہلِ سنت اور روافض کے درمیان تمام نزاعی موضوعات پر قلم اٹھایا ہے اور جس موضوع پر آپ رحمۃ اللہ علیہ قلم اٹھاتے، تو اس موضوع کا حق ادا کر دیتے تھے، چنانچہ یہ بات جب ان کی تصانیف

میں دیکھی جائے تو روزِ روشن کی طرح واضح ہو جاتی ہے اور مولانا کی ایک خصوصیت یہ تھی کہ فریق مخالف کو عام طور سے انہی کے مذہب کی کتابوں سے غلط ثابت کرتے تھے۔

ردِ شیعیت میں آپ کا تحقیقی کام اس سلسلے کے اور دوسرے موضوعات کے علاوہ خاص طور سے ان کے" عقیدہ تحریف قرآن" اور عقیدہ امامت" پر ہے، ان دونوں بنیادی عقائد پر جس شرح و بسط کے ساتھ آپ نے تحریری وتقریری بحث کی ہے وہ آپ کا خاصہ ہے۔

باب دھم

وفات اور تجہیز و تکفین

تمام عمر درس وتدریس، وعظ ونصیحت اور اصلاح باطن اور دین کی اشاعت میں سرگرداں رہنے والے مسافر کی منزل بالآخر آہی گئی۔ اور تعلق ومحبت رکھنے والوں کو جس بات کا دھڑکا لگا رہتا تھا وہ وقت قریب آپہنچا۔ عمر نواسی سال ہو چکی تھی، ہاتھ پیر بھی پیرانہ سالی کی وجہ سے کانپنے لگے تھے، اور ضعف ونقاہت بھی زور پکڑتا جارہا تھا۔ رجب المرجب ۱۳۸۱ھ مطابق 1961ء میں ایک روز دارالمبلغین کے بالائی حصہ سے اتر رہے تھے کہ اچانک پاؤں پھسلا اور گر گئے، یہی پیر کا پھسلنا علالت کا آغاز بنا اور آگے چل کر مرض الموت میں تبدیل ہوگیا۔ جسم گوناگوں بیماریوں کا شکار ہوتا چلا گیا۔

اہل اللہ اور خاصانِ خداوندی کا یہ حال ہے کہ جب دنیا سے رخصت ہونے کا وقت قریب آتا ہے تو پھر لقاء باری تعالیٰ کا شوق جنون کی شکل اختیار کر جاتا ہے، اطباء خود درِ دولت پر حاضر ہو کر مختلف بیماریوں کی تشخیص اور علاج تجویز فرماتے رہے لیکن مرض بڑھتا ہی گیا جوں جوں دوا کی۔

متعلقین پر غم واندوہ کے بادل سایہ فگن تھے لیکن یہ عاشق باخدا ہر وقت اپنے محبوب حقیقی سے ملنے کا مشتاق تھا۔

وفات سے دو ہفتہ قبل ایک دن اچانک قوت گویائی ختم ہوگئی اور رفتہ رفتہ حس وحرکت اور ہوش وحواس بھی معطل ہو گئے، اس اثناء میں تیمارداروں کی تعداد سینکڑوں تک جا پہنچی، جن میں علماء ادباء، حفاظ، قراء اور اساتذہ کرام سبھی شامل تھے، اس بے ہوشی میں کچھ غذا یا دوا بھی نہیں دی جاسکتی تھی، چہرہ پر انتہائی بشاشت اور سکون ووقار تھا اور بیماری کی ادنی سی بھی کوئی تکلیف محسوس نہ ہوتی تھی سارا جسم خاموش تھا مگر دل جاگ رہا تھا۔ آخر کار قضاء وقدر کا حکم آپہنچا اور ۷ ذیقعدہ ۱۳۸۱ھ مطابق ۲۳ اپریل ۱۹۶۲ء بروز دوشنبہ (سوموار) بعد نماز عصر ۶ بج کر بیس منٹ پر روح قفس عنصری سے پرواز کرگئی۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔

غسل وتکفین:

غسل دینے کے لیے مولانا محمد منظور احمد نعمانی مدیر ماہنامہ الفرقان تشریف لا چکے تھے، غسل میں مدد دینے والوں میں آپ کے فرزند مولانا عبدالسلامؒ، مولانا عبدالمومنؒ، مولانا عبدالمہیمنؒ تھے، ان کے علاوہ مولانا بشیر حسن صاحب اور دوسرے حضرات بھی شامل تھے۔ غسل وکفن دینے کے بعد جنازہ دارالمبلغین کے نیچے والے صحن میں لاکر رکھ دیا گیا۔ تمام مجمع کو قطار بنا کر زیارت کرنے کی اجازت دے دی گئی۔

نماز جنازہ اور تدفین:

لکھنو کے مرکزی اور وسیع علاقہ امین آباد پارک میں نماز جنازہ کی ادائیگی کا اہتمام کیا گیا، جہاں صفوں کی درستگی کے بعد حضرت کے بڑے صاحبزادے مولانا عبدالسلام رحمۃ اللہ علیہ نے نماز جنازہ پڑھائی، مجمع اس قدر زیادہ تھا کہ پارک کے بھر جانے کے بعد سڑکیں بھی بھر گئیں۔ جنازہ کے بعد اس پارک سے مولوی گنج کی طرف سے جنازہ چکمنڈی لایا گیا اور مزار چپ شاہ میاں کے احاطہ میں دیوار توڑ کر پہنچایا گیا۔ اس احاطہ

میں جہاں آپ اپنے ہاتھوں سے اپنے ایک بھائی، ایک صاجزادہ اور ایک پوتے کو دفن کر چکے تھے، آج وہیں اس آفتاب علم ومعرفت کو بھی سپرد خاک کیا جارہا تھا۔

ورثہ:

وفات کے وقت آپ کے چار بیٹے، ان کی بیویاں، دو بیوہ بہوئیں، بارہ پوتے، پندرہ پوتیاں اور پوتے پوتیوں کی دس اولادیں موجود تھیں۔ ایک اکیلی چہیتی بیٹی، چار بیٹے اور ایک کمسن پوتے میاں عبدالہادی صاحب کا آپ کی زندگی میں انتقال ہو چکا تھا۔ ان چار بیٹوں میں دو بیٹے عبدالرؤف اور عبدالرب نے صغرسنی میں وفات پائی تھی۔ باقی دو بیٹے مولانا عبدالغفور صاحب اور مولانا عبدالعزیز صاحب اولاد ہو کر دنیا سے تشریف لے گئے۔

باب یازدھم

امام اہلِ سنت اپنے معاصر علماء کی نظر میں

مولانا حکیم سید عبد الحیٔ حسنی (صاحب نزھۃ الخواطر) سابق ناظم ندوۃ العلماء لکھنؤ (المتوفی 1923ء) لکھتے ہیں:

"شیخ (وقت) فقیہ وعالم مولانا عبدالشکور ابن ناظر علی بن فضل علی کاکوری مشہور علماء میں سے ہیں۔" آگے مزید لکھتے ہیں: "اس طرح انہوں نے شیعوں کے عقائد، ان کے خیالات اور ان تمام چیزوں سے، جن کو ان لوگوں نے اپنی مذہبی کتابوں میں درج کر رکھا تھا، پردہ ہٹایا، جن سے اخص الخواص حضرات کے سوا عوام اور عام علماء ناواقف تھے، اس لیے وہ ہند اور بیرون ہند میں اس خاص علم میں یکتائے روزگار اور امام وقت تسلیم کر لیے گئے، اس موضوع خاص میں ان کے معاصرین علماء میں کوئی بھی ان کا مدِمقابل اور ہم پلہ نہیں ہو سکا سوائے اس کے کہ جس کا علم اللہ ہی کو ہے۔" مزید لکھا ہے:

"ان سب باتوں کے باوجود انہیں تقویٰ و پرہیز گاری، تواضع وانکساری، اصلاح نفس، ترک

لکلف گوشہ نشینی مد مت گریہ　ہد توکل　کر مر قبہ کی بھی　لت حاصل تھی"
مفتی عظم ہند حضر　مولانا کفایت للہ رحمۃ اللہ علیہ　لمتوفی 1953　سابق صد جمیعۃ علما ہند لکھتے ہیں

"جامع لمعقو　لمنقو　حا　لاصو　لفر　حضر　مولانا عبد لشکو صاحب لکھنو　مدیر لنجم علما　حنا　ہلِ سنت　جماعت میں یک متبحر　مقد　س عالم ہیں مذ ہب باطلہ خصوصاً شیعو　کے مقابلہ میں مولانا موصو　کی خدما　قابل قد　تحسین ہیں حضر　مولانا　کے مستحق ہیں کہ مذ ہبِ باطلہ کے مقابلے میں ہلِ سلا　کو پنا نمائند منتخب کریں" مولانا عبد لشکو صاحب مدظلہ　کے شا عبد لعزیز ہیں"

محد　جلیل بو لماثر حضر　مولانا حبیب لرحمٰن عظمی رحمۃ اللہ علیہ　لمتوفی 1992　لکھتے ہیں

"میں نے ما　ہلِ سنت کو سالہا　ـ　تک ہز　مجلسو　میں سینکڑ　جلوسو　میں سفر میں حضر میں　پنے گھر میں بھی　یتے ہو　ـ بھی　عظ فرماتے ہو　ـ بھی　نما　پڑھتے ہو　ـ بھی　سوتے ہو　ـ بھی　جاگتے ہوئے بھی　یل میں بھی　پانی کے جہا　میں بھی　ہند ستا　میں بھی　مکہ مدینہ　عرفات میں بھی　مولانا سبا　کو سبق پڑھاتے ہو　ـ بھی　عبد لغنی کو کھلاتے ہو　ـ بھی　مولانا عبد لرحیم صاحب کو　نٹتے ہو　ـ بھی　عز　ہر نگ　ہر حا　میں بہت ہی نز　یک سے　یکھا ہے ہز　صحابہ تابعین　ئمہ　ین علما　مشائخ صوفیا　فقہا　محدثین کے تذکر　حالا　خو　پڑ　کر　سیع مطالعہ کر کے ما　ہلِ سنت کی کتا　ندگی کا مطالعہ میں نے پنی　ـ نکھو　سے پو　بصیر　کے ساتھ کیا ہے　کے بعد میں جس نتیجہ پر پہنچا ہو　یہ کہ ما　ہلِ سنت مر　باصفا حق گا　ہم　نگ کاملین　ہل للہ عالم باعمل کے صحیح مصد　علو　ـ لیہ عالیہ میں فر　طا　صاحب بصیر　فقیہ　نکمہ　مفسر تحفظ نامو　صحابہ کے پر جو　حامی　شیعہ　ِ حقا　حق میں　عہد کے بن تیمیہ　شا عبد لعزیز معا　صوفیہ حقہ سے کامل بہر　مکتوبا　ما　بانی کے حافظ نما　کے عاشق سنت کے شید　ئی　نیا سے بے　غبت　حطا　نیا سے متنفر　مختصر یہ کہ

کے عالم بانی تھے" مزیدؔ گے لکھتے ہیں "حضر مولانا حمۃ للہ علیہ پنے علمی عملی
کمالا کے لحا سے میں بے نظیر کی شخصیت بالکل منفر شخصیت تھی"

حضر مولانا محمد منظو نعمانی رحمۃ اللہ علیہ مدیر لفرقا لمتوفی 1997 لکھتے ہیں

"ہما ینی علمی حلقو میں حضر مولانا کی شہر مسلک ہلِ سنت کے یک
لائق کا یا مناظر متکلم کی حیثیت سے ہی ہے کا کے لیے یہ قعہ ہے
کہ ہما مانے میں کسی خا جہ کے سو علمی کی ضر نہیں ہی ہے
لیے جن لوگو کو مولانا کے قریب ہنے کا یا تفا نہیں ہو کو غالباً بالکل
ند نہیں ہوگا کہ ممد صر مناظر مصنف ہی نہیں بلکہ علما ۔ سخین میں سے
تھے نا صحا کی سی ٹھو علمی ستعد پنے علمی ئر میں مطالعہ
بہت سیع تھا کے ساتھ قد نے حافظہ بھی بے نظیر یا تھا قم لسطو نے پنی
عمر میں بہت کم یسے قو لحافظہ کھے ہیں"

حضر مولانا مفتی عزیز لرحمن رحمۃ اللہ علیہ مفتیٔ عظم لعلو یوبند
لمتوفی 1928 لکھتے ہیں

"حضر مولانا عبد لشکو صاحب لکھنو کی مساعی جمیلہ خدما سلامیہ جو نہو نے
یا باطلہ کی تر ید فر ضالہ کے بطا ہا میں فرمائی ہیں ہر طر
پسندید مستحسن ہیں حقیقت حضر مولانا نے تما ہل سنت جماعت کی طر سے
فر کفایہ کو فرما کر سب کو مرہو منت سبک فرمایا ہے" مزیدؔ گے لکھتے
ہیں "ہم کو ہمیشہ کے لیے فر ضالہ کے مقابلہ میں پنا نمائند منتخب کرتے ہیں
کا ساختہ پر ختہ کی ہا جیت کو پنی ہا جیت تصو کرتے ہیں"

حضر مولانا سعد للہ رحمۃ اللہ علیہ سابق ناظم مد سہ مظاہر لعلو سہا پو
لمتوفی 1979 لکھتے ہیں

"حضر مولانا علو ؔلیہ عالیہ نو میں یکسا ست گا کھنے لے متبحر عالم تھے

قدیم بزرگانہ وضع اور سادگی کا پیکر تھے، وہ مجددی تھے اور ان کے کارناموں میں اس چیز کا ایک مخصوص رنگ نمایاں تھا، وہ فاروق وفارق بین الحق والباطل بھی تھے اور فاروقی بھی، ان کی ذاتِ گرامی مجموعہ کمالات تھی۔"

حضرت مولانا سید ابو الحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ (سابق ناظم دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنو) (المتوفی 1999ء) لکھتے ہیں:

"مولانا اس وقت دنیائے اسلام کے ممتاز ترین علماء ومصلحین اور ان چند برگزیدہ شخصیتوں میں سے تھے، جن سے اللہ تعالیٰ نے تاریخ اسلام کے مختلف زمانوں میں خاص اصلاحی اور تجدیدی کام لیا ہے، وہ علاوہ اس کے کہ ایک متبحر عالم اور عمیق النظر فقیہ تھے، ایک کامیاب مصنف اور متکلم صاحب سلوک اور صاحب سلسلہ شیخ اور خوش بیان مقرر بھی تھے۔"

حضرت مولانا سید محمد میاں رحمۃ اللہ علیہ (سابق ناظم جمیعۃ علمائے ہند) (المتوفی 1975ء) لکھتے ہیں:

"انتہائی رنج وغم کا مقام ہے کہ علم وفضل کا ایک اور آفتاب غروب ہوا، دنیائے اسلام کے مقبول ترین اور مشہور فاضل اجل امام اہلِ وسنت وجماعت حضرت مولانا عبد الشکور لکھنوی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے دینی اصلاحی اور کلامی خدمات سے مسلمانان ہند نصف صدی تک فائدہ اٹھاتے رہے ہیں، مرحوم صاحب تصنیف اور اہلِ قلم تھے، مجلہ النجم کے ادارتی فرائض بھی انجام دیتے رہے، بہت سی عربی اور فارسی کتابوں کو اردو کا جامہ پہنایا، فقہ پر چھ سات جلدوں میں ایک مبسوط کتاب لکھی"۔

حضرت مولانا قاضی مظہر حسین رحمۃ اللہ علیہ خلیفہ شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ و بانی تحریک خدام اہل سنت، چکوال لکھتے ہیں:

"آپ حقیقی معنوں میں امام اہلِ سنت وجماعت ہیں اور مذہب اہلِ سنت وجماعت کے تحفظ اور خلفائے راشدین اور حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے جمیع صحابہ واہل بیت کے دفاع کا فریضہ ادا کرنے میں وہ اپنے دور کے عظیم محسن ہیں، آپ کو اللہ تعالیٰ

نے سنی شیعہ نزاعی مسائل میں ایک اجتہادی شان عطا فرمائی تھی، آپ نے فاروقی اور مجددی نسبتوں کو مال و جاہ کے حصول کا ذریعہ نہیں بنایا، بلکہ توفیق ربانی سے حضرت فاروق اعظم اور امام ربانی مجدد الف ثانی کی عظیم نسبتوں کا پرچم بلند کیا"۔

سید علی مطہر نقوی رحمۃ اللہ علیہ امروہی، متوطن کراچی لکھتے ہیں:

"مولانا موصوف کے علمی و دینی مقام کے تعین کے اصل مجاز تو علماء اور اربابِ فہم بصیرت ہی ہیں، مگر مجھ ناچیز کا تاثر یہ ہے کہ پوری تاریخ اسلامی میں امامِ موصوف کو مذہب مذکورہ بالا کی تحقیق اور اس کے متوازن تجزیہ میں اللہ تعالیٰ نے مجدد اور حجۃ اللہ فی الارض بنا کر بھیجا تھا"۔

ہندوستان میں تبلیغی سلسلہ کے بانی حضرت مولانا محمد الیاس کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی 1944ء) ایک بار تبلیغی اجتماع کے موقع پر 1943ء میں ایک بڑی جماعت کے ساتھ دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنو تشریف لائے تھے، اس موقع پر آپ نے دار العلوم کے کچھ اساتذہ کی موجودگی میں مولانا معین اللہ صاحب ندوی کو مخاطب کر کے فرمایا: "میاں مولوی معین اللہ! حضرت مولانا عبد الشکور صاحب کو جانتے ہو؟ انہوں نے عرض کیا! ہاں! حضرت جانتا ہوں اور زیارت بھی کی ہے۔ فرمایا: نہیں! تم نہیں جانتے۔ پھر فرمایا: "وہ امامِ وقت ہیں، ان مشرقی دیار میں حضرت مولانا عبد الشکور صاحب کا وہی مقام ہے جو ہمارے مغربی دیار میں حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا تھا"۔

شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی،1949) نے ایک موقع پر فرمایا: "شیعوں کے متعلق مولانا عبد الشکور رحمۃ اللہ علیہ کی تحقیق یہ ہے کہ شیعہ تحریفِ قرآن کے قائل ہیں اور ہم مولانا عبد الشکور رحمۃ اللہ علیہ پر اعتماد کرتے ہیں"۔

حضرت مولانا محمد یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی،1977) نے اپنے ایک تبصرہ میں لکھا:

"حضرت مولانا عبد الشکور قدس سرہ کی شخصیت محتاج تعارف نہیں، حق تعالیٰ شانہ نے

ان کی زبان وقلم سے حفاظت سنت اور رد روافض و بدعت کی عظیم خدمت لی، جس کی بنا پر انہیں "امام اہل سنت" کا خطاب عطا کیا گیا، جب تک "النجم" لکھنو حضرت کی ادارت میں جاری رہا ہندوستان اور ایران کے تمام روافض مل کر بھی اس کا مقابلہ کرنے سے عاجز رہے"۔

آپ کی وفات پر بہت سارے شعراء نے منظوم خراج عقیدت پیش کیا، عبدالرشید خان قمر افغانی لکھنوی کا کلام پیش خدمت ہے:

اپنی مثال عالمِ اسلام میں تھا
یکتائے عالمان زمانہ کہیں جسے
سب ہیں امام اہلِ تسنن نہیں کوئی
غماض سنت شہ بطحا کہیں جسے
عبد الشکور بانی دار المبلغین
اسلام کا مبلغ اعلیٰ کہیں جسے
روشن کیا ہے محفل دنیا میں وہ چراغ
حل کردہ مسائل عقبا کہیں جسے
رخصت ہوا ہے آج وہ کچھ اس طرح قمر
بے ساختہ مشیت مولیٰ کہیں جسے

[ماخوذ از امام اہل سنت حضرت علامہ عبدالشکور فاروقی لکھنویؒ حیات وخدمات، مولفہ: پروفیسر محمد عبدالحی فاروقی لکھنوی]

تعارف

عقائد کا معاملہ بڑی اہمیت کا حامل ہے،عقیدہ دین اسلام کی اصل ہے،اور عمل اس کی فرع ہے، اگر عقیدہ درست نہیں تو دوزخ کا دائمی عذاب ہوگا،عمل میں کوتاہی ہو،تو نجات کی امید ہے،خواہ نجات ابتداء ہی میں ہو جائے یا سزا بھگتنے کے بعد،معلوم ہوا اصلاحِ عقائد نجات کے لیے اتنا ہی ضروری ہے،جتنا ہر عمل میں اتباعِ سنت،جس طرح سنت سے ہٹ کر کیا ہوا ہر عمل مردود ہو جائیگا،اسی طرح بدعقیدہ آدمی کی سب نیکیاں اکارت ہو جائیں گی،اس اہمیت کے پیشِ نظر سیرت کے اس مجموعہ میں امامِ اہل سنت مولانا عبدالشکور لکھنوی قدس اللہ سرہ نے سیرت کے مضامین شروع کرنے سے قبل انتہائی اختصار اور جامعیت کے ساتھ تمام ضروری عقائد کا احاطہ کیا ہے ۔مثلاً عقیدۂ توحید،عقیدہ رسالت،عقیدۂ قیامت وغیرہ ۔اور پھر متفرقات کے عنوان سے بہت اہم اور ضروری عقائد کو بھی بیان کر دیا ہے ۔اللہ جل شانہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کو کروٹ کروٹ اپنی رحمتیں نصیب فرمائیں،اور ہمیں ان باتوں کو پڑھنے،سمجھنے اور پھر دل وجان سے ماننے کی توفیق عطا فرمائے ۔(آمین)

مقدمہ

برائے عقائدِ ضروریہ اسلامیہ

مقدمہ میں عقائد ضروریہ اسلامیہ وفرائض دینیہ کا بیان ہے۔

مصنفہ

امام اہل سنت حضرت مولانا عبدالشکور فاروقی لکھنوی قدس اللہ سرہ

جمع وترتیب

مولانا محبوب احمد

مدرس جامعہ مفتاح العلوم سرگودھا

تحقیق وتخریج

مفتی محمد اظہر

مدرس جامعہ معہد الفقیر الاسلامی جھنگ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم

حَامِدًا وَّمُصَلِّیًا

خدا کا شکر یہ کہ معمول قدیم کے مطابق اس مرتبہ بھی ربیع الاول کے پرچہ میں سیرت قدسیہ حضرت خیر البشر علیہ الصلوٰۃ والسلام کا مضمون ہے۔

اس سال ارادہ ایک نئے مضمون کا تھا، مگر اس میں کچھ طول ہوگیا اور بعض اجزا اس کے مکمل نہ ہو سکے، لہٰذا اُسی مختصر سیرت کو جو پہلے شائع ہوئی تھی اور مسلمانوں کے لیے بے حد مفید ثابت ہوئی، بچوں کی تعلیم کے لیے بہت پسند کی گئی، بعض مدارسِ اسلامیہ نے اس کو نصاب تعلیم میں داخل کیا۔ اب دوبارہ نظر ثانی کر کے بعض ضروری مضامین بڑھائے گئے، بعض مقامات میں کچھ تغیر تبدل کیا گیا اور سب سے زیادہ مفید کام یہ ہوا کہ اس کے شروع میں مختصر اور سہل بیان عقائد ضروریہ اسلامیہ کا بڑھایا گیا، اب بحمد اللہ وہ ہر حیثیت سے مکمل ہوگئی، اور بچوں کو اس کی تعلیم دی جائے۔ محافل میں پڑھی جائے تو انشاء اللہ نافع ہوگی۔

اگر حیات مستعار باقی ہے اور توفیق الٰہی نے دستگیری فرمائی، تو انشاء اللہ تعالیٰ سال آئندہ میں اس نئے مضمون کی اشاعت ہوگی۔ حق تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے اپنے حبیب کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذکرِ مبارک کو ہم سے قبول فرمائے، اور اس ذکرِ مبارک میں ہم کو مشغول رکھے، اللہ تعالیٰ ایسا کرے کہ سرور انبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت کا طوق ہماری گردن سے کبھی جدا نہ ہو۔ آمین ثم آمین۔

راقم سراپا عجز و قصور محمد عبد الشکور عافاہ ربہ

ربیع الاول ۱۳۴۵ ہجری

مقدمہ

عقائد ضروریہ اسلامیہ کا بیان

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡم

حَامِدًا وَّمُصَلِّیًا

اوّلاً جاننا چاہیے کہ کوئی نیک کام بغیر درستی عقائد کے مفید نہیں ہوسکتا، بلکہ درحقیقت اس کو نیک کام کہنا محض ظاہری صورت کے اعتبار سے ہے اور بس۔

عقائد اگر درست ہوں، تو تھوڑی نیکی بھی بہت ہے۔ اور خطا وقصور ہو جائے تو اس کی مغفرت کی بھی امید ہے، لیکن عقائد ٹھیک نہ ہوں، تو اچھے سے اچھا کام بھی رائیگاں ہے۔ نیکی بر باد گناہ لازم۔

قرآن شریف کی اس آیت کریمہ سے یہ مضمون اچھی طرح ظاہر ہوتا ہے:

﴿اَلَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا وَصَدُّوۡا عَنۡ سَبِیۡلِ اللّٰہِ اَضَلَّ اَعۡمَالَہُمۡ ۝۱ وَالَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَاٰمَنُوۡا بِمَا نُزِّلَ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّہُوَ الۡحَقُّ مِنۡ رَّبِّہِمۡ ۙ کَفَّرَ عَنۡہُمۡ سَیِّاٰتِہِمۡ وَاَصۡلَحَ بَالَہُمۡ ۝۲ ذٰلِکَ بِاَنَّ الَّذِیۡنَ کَفَرُوا اتَّبَعُوا الۡبَاطِلَ وَاَنَّ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوا اتَّبَعُوا الۡحَقَّ مِنۡ رَّبِّہِمۡ ؕ کَذٰلِکَ یَضۡرِبُ اللّٰہُ لِلنَّاسِ اَمۡثَالَہُمۡ ۝۳﴾ [محمد:۱،۳]

’’جن لوگوں نے کفر کیا، اور اللہ کی راہ سے (لوگوں کو) روکا، اللہ ان کی نیکیوں کو رائیگاں کر دے گا۔ اور جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے اچھے کام کیے اور اس (شریعت) پر ایمان لائے جو اتاری گئی محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر، اور وہ حق ہے ان کے

پروردگار کی طرف سے، مٹادے گا اللہ ان سے ان کے گناہوں کو، اور سنوار دے گا ان کی حالت کو۔ یہ اس سبب سے کہ جنہوں نے کفر کیا انہوں نے باطل کی پیروی کی، اور جو ایمان لائے انہوں نے حق کی پیروی کی، جو ان کے پروردگار کی طرف سے ہے۔ اسی طرح بیان کرتا ہے اللہ لوگوں کے لیے ان کی مثالیں۔"[ع۔ر]

جو قانون الٰہی اس آیت میں بیان ہوا ہے، وہ ایسا صاف ہے کہ عقل انسانی بھی وہی حکم لگاتی ہے۔ عقائد مثل جڑ کے ہیں، اور اعمال مثل شاخوں کے۔ جس طرح شاخیں جڑ سے پیدا ہوتی ہیں، اُسی طرح اعمال کا منشا و منبع عقائد ہیں۔

پہلا فرض:

لہٰذا انسان کی سب سے بڑی سعادت اور سب سے پہلا فرض یہ ہے کہ اپنے عقائد کو درست کرے۔ صحیح اعتقادات اپنے دل میں قائم کرے، اور غلط اعتقادات سے اپنے باطن کو صاف رکھے۔ اس کے بعد اعمالِ خیر سے اپنے کو آراستہ کر کے اپنے مالک کی رضامندی کو حاصل کرے، جو اصل مقصود اس دنیا میں آنے کا ہے۔

دوسرا فرض:

ثانیاً اس بات کا معلوم کرنا بھی ضروری ہے، کہ تمام دینوں میں دین اسلام خدا کا پسند کیا ہوا دین ہے۔ اور دین اسلام کا نام لینے والوں میں اہل السنت و الجماعت ہی حقیقی وارث دین اسلام کے ہیں۔ یہ دونوں باتیں عقلی و نقلی دونوں قسم کے دلائل سے اس درجہ پایہ ثبوت کو پہنچ گئی ہیں، کہ ہر باخبر مخالف شخص کا ضمیر بخوبی اعتراف کرتا ہے۔

خداوند کریم کا ہزار شکر ہے، کہ اس نے اپنے فضل و کرم سے یہ دونوں نعمتیں ہم کو دیں۔ اسلام بھی ہم کو دیا، اور اسلام میں طریقہ اہل السنت والجماعت سے سرفراز فرمایا۔ فالحمد للہ ثم الحمد للہ۔

تیسرا فرض:

ثالثاً یہ بھی اچھی طرح سمجھ لینا چاہیے، کہ اہل السنت والجماعت کے عقائد کیا ہیں؟ یہ وہی عقائد ہیں، جو جناب محمد رسول اللہ ﷺ نے اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو تعلیم فرمائے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ساری جماعت بلا اختلاف اُن عقائد پر رہی۔ زمانہ مابعد میں لوگ نئی نئی باتیں نکال کر الگ الگ فرقے بن گئے، کوئی معتزلی ہوگیا، کوئی مُرجی، کوئی جہمی، کوئی قدری، کوئی جبری، کوئی رافضی، کوئی خارجی وغیرہ وغیرہ۔ لیکن اہل السنت والجماعت لکیر کے فقیر بنے ہوئے انہیں عقائد پر مضبوطی سے قائم رہے، جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے انہوں نے پائے۔ یہ وہی عقائد ہیں، جو آج اللہ کی مقدس کتاب قرآن مجید میں موجود ہیں۔ جو عقائد اصل الاصول ہیں، وہ تو صراحتہً قرآن شریف میں بیان ہوئے ہیں، اور جو اس سے کم درجہ کے ہیں، وہ بالاجمال قرآن مجید میں ہیں۔ اور بالتفصیل متواتر حدیثوں میں، بعضے فروعی اعتقادات ایسے بھی ہیں، جن کی تفصیل غیر متواتر حدیثوں میں وارد ہوئی ہے، مگر ان پر شریعت مقدسہ کو کچھ زیادہ اہتمام نہیں ہے۔

☆☆☆

واضح ہو کہ اسلام کے اصل الاصول عقیدے تین ہیں: ۱۔ توحید ۲۔ نبوت ۳۔ قیامت۔ علمائے کرام ان تینوں عقیدوں کو ''اُمّ العقائد'' کہتے ہیں۔ ان

تینوں عقیدوں میں توحید و نبوت پر زیادہ زور دیا گیا ہے، عقیدۂ قیامت بھی عقیدۂ نبوت کے نتائج میں سے ہے۔ اس لیے وہ کلمہ طیبہ جو ایک کافر کو مسلمان بنا دینے کے لیے کافی ہے، اس میں انہیں دو عقیدوں کا ذکر ہے۔

((لَآ اِلٰہَ اِلاَّ اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ))

ترجمہ: نہیں کوئی معبود سوا اللہ کے، محمد اللہ کے رسول ہیں۔

صلی اللہ تعالیٰ علیہ و علی آلہ وَ صحبہ و بَارک وَ سلّم

اس مقام پر انہیں تین عقیدوں کا بیان مقصود اصلی ہے۔ بعد میں بالاختصار ان ضروری عقائد کا بیان ہوگا، جو ان تین کے تابع ہیں۔ و اللہ الموفق و المعین

پہلا عقیدہ؛ عقیدۂ توحید:

ہمارا ایمان ہے کہ سارے جہاں کو پیدا کرنے والی ایک پاک ہستی ہے، جس کا مبارک نام ''اللہ'' ہے، اس کے متعلق ہمارے عقائد یہ ہیں [1]

صفات میں یکتا:

۱...... وہ ایک ہے نہ ذات میں کوئی اس کا مثل و مانند ہے نہ صفات میں [2]۔ پوجنے کے لائق وہی ایک اکیلا ہے۔ اس کے سوا کسی اور کو پوجنا بڑی بغاوت ہے جس کو شریعتِ مقدسہ ''شرک'' کہتی ہے۔

فائدہ:

''پوجنا'' عربی لفظ عبادت کا ترجمہ ہے اور عبادت کے معنیٰ لغت عرب میں کسی

---

[1] [الانعام:۱۰۲] [2] [الاخلاص:۴] [البقرۃ:۱۶۳]

کے سامنے اپنی عاجزی اور ذلت کا اظہار کرنا۔ (کشاف مع حاشیہ میر سید شریف ؒ)

پس مطلب یہ ہوا کہ عاجزی و ذلت کا اظہار فقط ایک اللہ کے سامنے کرنا چاہیے کسی اور کے سامنے کرنا جائز نہیں۔

۲......وہ اللہ "حَیّ" ہے، یعنی صفتِ حیات اس کو حاصل ہے۔ (۳)

"قدیر" ہے، یعنی جو کچھ وہ چاہے اس پر اس کو قدرت حاصل ہے۔ (۴)

"مرید" ہے، یعنی ارادہ کی صفت اس کو حاصل ہے۔ (۵)

"علیم" ہے، یعنی صفت علم اس کے لیے ثابت ہے، کوئی چھوٹی سی چھوٹی اور بڑی سے بڑی چیز کوئی ظاہر سے ظاہر اور کوئی پوشیدہ سے پوشیدہ چیز اس کے علم سے باہر نہیں، وہ سب کچھ جانتا ہے۔ (۶)

"سمیع" ہے، یعنی سننے کا وصف اس کو حاصل ہے۔ ہر آواز، ہر پکار کو سنتا ہے، مچھر سے بھی چھوٹے جانور کے پر کی آواز سنتا ہے۔

"بصیر" ہے، یعنی دیکھنے کی صفت اس کے لیے ثابت ہے، ہر چیز کو ہر حالت اور ہر وقت میں دیکھتا ہے، کوئی چیز اس کے دیکھنے سے چھپ نہیں سکتی (۷)

"متکلم" ہے، یعنی کلام کرنے کا وصف اس کو حاصل ہے، جس سے چاہتا ہے بات کرتا ہے۔ جس کام کا چاہتا ہے حکم دیتا ہے۔ جس کام سے چاہتا ہے، منع کرتا ہے۔ (۸)

---

(۳) [البقرۃ:۲۵۵] (۴) [البقرۃ:۲۰] (۵) [البروج:۱۶] (۶) [الملک:۱۴] (۷) [المجادلۃ:۱]

(۸) [الاعراف:۱۴۴]، ایضاً (الکلام ھو صفۃ ازلیۃ عبر عنھا بالنظم المسمی بالقرآن المرکب من الحروف، یرید ان الکلام المعدود من الصفات الالھیۃ ھو المعنی القدیم القائم بذاتہ تعالی۔ واما ھذا القرآن المرکب من الحروف الھجاء فحادث ولیس صفۃ قدیمۃ قائمۃ بذاتہ تعالیٰ، بل ھو دال علیھا ویسمی الاول بالکلام النفسی والثانی بالکلام اللفظی۔ [النبراس:۱۳۹]

''خالق'' ہے، یعنی چیزوں کو نیست سے ہست کرنے کی صفت اس کے لیے ثابت ہے۔ (۹)

ان صفات کے علاوہ اور تمام صفات کمال بھی اس کو حاصل ہیں، جن کی گنتی نہیں ہوسکتی۔

۳......اللہ تعالیٰ کی صفتیں اس کی ذات کی طرح قدیم ہیں،اس کی ذات ازلی وابدی ہے، اوراس کی ذات کے لیے صفات کمال بھی ہمیشہ سے حاصل ہیں اور ہمیشہ رہیں گی۔ (۱۰)

فائدہ:

قرآن مجید چوں کہ اللہ کا کلام ہے،اور''کلام''اللہ کی صفت ہے،اس لیے اہل حق ''اہل السنت والجماعت'' کا مذہب ہے کہ وہ''قدیم'' ہے۔''مخلوق'' نہیں ہے۔ ہم قرآن مجید کے نقوش کو جو لکھنے والے لکھتے ہیں، نیز ان الفاظ کو جو ہماری زبان سے ادا ہوتے ہیں۔''قدیم'' نہیں کہتے۔بلکہ وہ جو خدا کا کلام ہے، جس پر ہمارے الفاظ دلالت کرتے ہیں اس کو ہم''قدیم'' کہتے ہیں۔ (۱۱)

کائنات کی ہر چیز پر باری تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ ہے:

۴......اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات کے علاوہ جو کچھ ہے، سب اللہ تعالیٰ کا مملوک ومخلوق

---

(۹)[الرعد:۱۶] (۱۰)وله صفات ازلية قائمة بذاته۔[شرح عقائد؛۳۷]''وصفاته فی الازل غیر محدثة ولا مخلوقة۔[شرح فقہ اکبر:۲۵] (۱۱)''فحاصل معتقد هذه الطوائف الكلابية الأشاعرة والماتريدية- أنّ القرآن قديم كلام الله - عز وجل - قديم.يعني تَكَلَّمَ الله - عز وجل - به في الأزل ثم لما أراد إنزاله على محمد صلى الله عليه وسلم قام ما تكلم به في الأزل به معنى فألقاه في رُوعِ جبريل فنزل به جبريل وعبّر عنه، وإلاّ فكلام الله عندهم ليس بالعربية وليس بالسريانية وليس إلى آخره لتنزهه عندهم اللغات۔[شرح العقیدۃ الطحاویۃ؛المسئلۃ الرابعۃ]

ہے۔اچھی اور بُری ہر قسم کی چیزیں
اس کی پیدا کی ہوئی ہیں، زہر اور تریاق، شر اور خیر، سب کا خالق وہی ہے۔ ہمارے اعمال نیک و بد، سب اسی کے پیدا کیے ہوئے ہیں۔ ان اعمال کے کسب کرنے والے البتہ ہم ہیں۔ (۱۲)

۵......اس کے مُلک میں جو سارے جہانوں کو شامل ہے، اس کی مشیت کے بغیر کچھ نہیں ہوتا اور نہ ہوسکتا ہے۔ ایک پتی بھی اس کی مشیت کے بغیر نہیں ہل سکتی۔ (۱۳)

نظامِ عالم کی عمدہ ترین مثال:

نظامِ عالم جو دیکھ رہے ہو اس کی یہ مثال نہیں، کہ جیسے کسی گھڑی میں کوک بھر دی گئی۔ کہ جب تک وہ کوک بھری ہے، گھڑی کی سوئیاں چل رہی ہیں۔ کوک بھرنے والے کے ارادہ کو اب کچھ دخل نہیں۔ بلکہ نظامِ عالم کی مثال یہ ہے کہ کوئی شخص گھڑی کی سوئیوں کو اپنی انگلی سے چلائے جب تک انگلی سوئی کو حرکت دے رہی ہے سوئی چل رہی ہے، انگلی ہٹ جائے تو سوئی کی حرکت موقوف۔ اللہ کی مشیت نظامِ عالم کو اسی طرح چلا رہی ہے۔ (۱۴)

بندوں کے افعال کی حقیقت:

اہل سنت والجماعت کا مذہب ہے کہ بندے اپنے افعال میں نہ پورے طور

---

(۱۲)[القمر:۴۹]((القدر) ای وبالقضاء والقدر (خیرہ وشرہ) ای نفعہ و ضرہ وحلوہ ومرہ حال کونہ من اللہ تعالیٰ فلا تغییر للتقدیر ۔فیجب الرضابالقضاء والقدر۔وھو تعیین کل مخلوق بمرتبتہ التی توجد من حسن وقبح ونفع وضر وما یحیط بہ من مکان وزمان وما یترتب علیہ من ثواب او عقاب۔ [شرح فقہ اکبر:۱۳]

(۱۳)[آل عمران:۲۶][القصص:۶۸] (۱۴)[التکویر:۲۹]

پر باختیار ہیں، کہ خدا کی مشیت کی تنقیص ہو۔ اور نہ مجبور محض ہیں کہ جزا وسزا کا کارخانہ درہم برہم ہو جائے۔ بلکہ اختیار و جبر کے درمیان کی کوئی حالت ہے جس کی حقیقت سمجھ میں نہیں آسکتی۔ ⑮

۶...... اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق پر بڑا مہربان ہے، ان کو رزق دیتا ہے، اولاد دیتا ہے، ان کی دعائیں قبول کرتا ہے، ان کی مدد کرتا ہے، اپنے فرمان بردار بندوں سے محبت کرتا ہے، ان کو اپنی نزدیکی بخشتا ہے۔ ⑯

۷...... اللہ تعالیٰ کسی امر میں کسی کا محتاج نہیں۔ جسم اور جسمانی چیزوں سے پاک اور بری ہے۔ اس کے لیے کوئی مکان نہیں۔ کھانے پینے، صحت و مرض، خوشی اور غم، بڑھاپے اور جوانی سے بری ہے۔ نہ کسی چیز سے اس کو اتصال ہے، نہ وہ کسی میں حلول کرتا ہے، نہ اس میں کوئی چیز حلول کرتی ہے۔ نہ اس کی اولاد ہے، نہ بی بی نہ وہ کسی کی اولاد سے ہے۔ کوئی چیز اس پر واجب نہیں، جو چاہے کرے اور جو چاہے حکم دے۔ غرض کہ ہر قسم کے عیب اور نقص سے اس کی ذات پاک ہے اور سب کمالات اس کو حاصل ہیں۔ ⑰

۸...... اللہ تعالیٰ نے اپنے خدائی اختیارات کسی کو نہیں دیے۔ جیسے دنیا کے بادشاہ

---

⑮وملخص الکلام ما اشار الیه الامام حجة الاسلام الغزالی وهو انه لما بطل الجبر المحض بالضرورة و کون العبد خالقا لافعاله بالدلیل ،وجب الاقتصاد فی الاعتقاد وهو انها مقدورة بقدرة الله تعالیٰ اختراعاً ،وبقدرة العبد علی وجیه آخر من التعلق ،یعبر عنه عندنا بالاکتساب ۔[شرح المقاصد: جلد۳، ۱۶۶ تا ۱۶۷] ان العبد مختار مستطیع علی الطاعة والمعصیة ولیس بمجبور والتوفیق من الله تعالیٰ کما یدل علیه قوله سبحانه "امنوا بالله ورسوله"[شرح فقه اکبر:۴۸]⑯[الحشر:۲۲][الذاریات:۵۸][الشوریٰ:۴۹][المومن:۶۰][الاعراف ۱۹۶][محمد:11] ⑰[الفاطر:۱۵][الاخلاص]

اپنے بڑے بڑے عہدیداران کو اختیارات دے کر کاموں پر مقرر کر دیتے ہیں۔ اور وہ عہدیدار اپنے ان عطائی اختیارات سے اپنا کام کرتے ہیں، بادشاہ کے ارادے اور مشیت کو ان کاموں میں کچھ دخل نہیں ہوتا۔ اللہ تعالیٰ اس سے بری ہے اس نے اپنے بندوں کو کاموں پر مقرر کیا۔ مثلاً: مَلَکُ الموت کو قبض روح پر، مگر وہ بغیر حکم اور مشیت کے قبض روح نہیں کر سکتے۔ اور نہ روح قبض ہو سکتی ہے۔ ابنیاء علیہم السلام کو ہدایت کے کام پر مقرر کیا، مگر یہ بھی فرمایا کہ:

﴿اِنَّكَ لَا تَهْدِىْ مَنْ اَحْبَبْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِىْ مَنْ يَّشَآءُ ﴾ (القصص:۵۶)

"یعنی اے نبی آپ جس کو چاہیں اس کا ہدایت پانا ضروری نہیں البتہ ہم جس کو چاہیں اس کو ہدایت ملنا ضروری ہے"۔ [ع۔ر]

خلاصہ یہ کہ ہر کام اللہ کے اختیار میں ہے، وہی فائدہ پہنچانے والا، اور وہی نقصان دینے والا ہے۔ (۱۸)

فائدہ:

علمائے ربانی فرماتے ہیں کہ توحید کا بڑا شعبہ یہ ہے، کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو فاعل باختیار نہ سمجھے، اور کسی سے نفع پہنچنے کی امید نہ رکھے، اور کسی سے نقصان پہنچنے کا خوف نہ کرے۔ حضرت سعدی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

موحد | برپای | ریزی | زرش

---

(۱۸) [الفرقان ۳] ((كَانَ رَسُولُ اللَّهِ -صلى الله عليه وسلم- يَقُولُ « لاَ إِلَهَ إِلاَّ اللَّهُ وَحْدَهُ لاَ شَرِيكَ لَهُ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَىْءٍ قَدِيرٌ اللَّهُمَّ لاَ مَانِعَ لِمَا أَعْطَيْتَ وَلاَ مُعْطِىَ لِمَا مَنَعْتَ وَلاَ يَنْفَعُ ذَا الْجَدِّ مِنْكَ الْجَدُّ))[سنن ابی داوٗد، باب مایقول الرجل اذا سلم، 1507]

چہ فولاد ہندی نہی برسرش
امید و ہراسش نباشد زکس
ہمیں ست بنیاد توحید وبس

۹......اللہ تعالیٰ کی ذات اور صفات کی حقیقت کسی کی سمجھ میں نہیں آسکتی۔

نہ ادراک در کنہ ذاتش رسد
نہ فکرت بغور صفاتش رسد

اور ہونا بھی یہی چاہیے، کیوں کہ اگر خدا کی ذات و صفات کی حقیقت کا ادراک ہو جائے تو عقل نے اس کو گھیر لیا۔ اور خدا کو کوئی چیز نہیں گھیر سکتی۔ ہاں آخرت میں نیک بندوں کو خدا کا دیدار ہوگا۔ کیوں کر ہوگا......کس طرح ہوگا......؟ اس کے سمجھنے اور بیان کرنے سے بھی عقل انسانی عاجز ہے۔

۱۰......اللہ تعالیٰ کے نام توقیفی ہیں، یعنی جو نام شارع نے بتلا دیے ہیں، انہیں ناموں سے اللہ تعالیٰ کو پکارنا چاہیے، ان کے علاوہ کسی اور نام سے (جیسے نارائن یا پرمیشر وغیرہ) اس کو پکارنا درست نہیں۔ نیز اردو زبان میں یا کسی زبان میں اس کے ان ناموں کا ترجمہ کرنا جن کا پورا مفہوم اس زبان میں نہیں ادا ہوسکتا بلکہ کوئی پہلو نقص کا نکلتا ہے درست نہیں۔ جیسے: ''قدیم'' کا ترجمہ اردو میں ''پرانا'' یا فارسی میں ''کہنا''۔ ہاں جن ناموں کا ترجمہ دوسری زبان میں بلا نقص ہوسکتا ہے اس میں مضائقہ نہیں مثلاً مالک کا ترجمہ فارسی میں خدایا، خداوند۔ [19]

((اٰمَنْتُ بِاللّٰہِ کَمَا ھُوَ بِاَسْمَائِہٖ وَ صِفَاتِہٖ))

''ایمان لایا میں اللہ پر جیسا کہ وہ ہے اپنے ناموں اور صفتوں کے ساتھ''

---

[19] ((''المبحث السادس : هل أسماء الله تعالى توقيفية أو لنا أن نسمي الله عز وجل بما لم يسمّ به نفسه ؟قال السفاريني رحمه الله تعالى :٣٥ لكنها في الحق توقيفية))[شرح العقیدۃ السفارینیہ]

دوسرا عقیدہ؛ عقیدۂ نبوت

حقیقت میں اگر غور سے دیکھا جائے، تو یہ عقیدہ عقیدۂ توحید سے بھی زیادہ مہتم بالشان ہے۔ انبیاء علیہم السلام کی تعلیم ہی سے عقیدہ توحید پورے طور پر معلوم ہوتا ہے۔

ہمارا ایمان ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے کچھ خاص بندوں کو ہدایتِ خلق کے لیے مقرر فرمایا، خدا کا کلام ان پر اترتا تھا، اور خدا ان کے ذریعہ سے اپنے احکام بندوں کو بھیجتا تھا، ان مخصوص ومقرب بندوں کو خدا کا نبی ورسول کہتے ہیں۔ (۲۰)

اوّل ان سب کے حضرت آدم علیہ السلام ہیں، اور آخر ان کے ہمارے سردار اور کل کائنات کے سردار حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔

نبیوں کی تعداد شریعت نے نہیں بتلائی۔ لہٰذا کوئی عدد خاص معین کرنا نہ چاہیے۔ نبیوں کے متعلق ہمارے عقیدے یہ ہیں: (۲۱)

---

(۲۰) وفی ارسال الرسل حکمة۔ جمع رسول علی فعول من الرسالة وهی سفارة العبد بین اللہ وبین ذوی الالباب من خلیقته، لیزیح بها عللهم فیما قصرت عنهم عقولهم من مصالح الدنیا والآخرة۔ [شرح العقائد ۳۲۲] والرسول ان الرسول ارسل اللہ الی الخلق بارسال جبرئیل علیه السلام الیه عیانا ومحاورته شفاها ۔ والنبی الذی یکون نبوته الهاما اومناما، وکل رسول نبی وکل نبی لیس برسول))۔ [رمضان آفندی۔ حاشیہ شرح العقائد۔ ۲۳] (۲۱) والاولی ان لا یقتصر علی عدد فی التسمیة، فقد قال اللہ تعالی۔ ﴿مِنۡهُمۡ مَّنۡ قَصَصۡنَا عَلَيۡكَ وَمِنۡهُمۡ مَّنۡ لَّمۡ نَقۡصُصۡ عَلَيۡكَ ﴾ البتہ بعض احادیث میں انبیاء کی تعداد بیان بھی کی گئی ہے:

عن ابی امامة قال: قال ابو ذر رضی اللہ عنه قال قلت یارسول اللہ کم وفاء عدة الانبیاء قال: مائة الف واربعة وعشرون الفا ، الرسل من ذلک ثلاثمائة وخمسة عشر جما غفیرا رواه احمد وفی روایة ما ئتا الف والف ورابعة وعشرون الفا۔ [نبراس؛۲۸۱]

انبیاء علیہم السلام کے متعلق عقائد:

۱......وہ سب راست باز اور نیکو کار اور صغیرہ و کبیرہ ہر قسم کے گناہوں سے پاک تھے۔ سب اللہ کی رضامندی اور پسند کے کامل نمونے تھے۔ (۲۲)

۲......احکامِ الٰہی کے پہنچانے میں کوتاہی نہ کرتے تھے۔ دنیا کی کوئی طاقت ان کو ان کے فرضِ منصبی سے روک نہ سکتی تھی۔ (۲۳)

۳......انہوں نے معجزات دکھلائے، یعنی وہ کام ان سے ظاہر ہوئے جو انسانی طاقت سے بالاتر ہیں۔ جیسے: لاٹھی کا اژدہا بن جانا، مردے کا جی اُٹھنا، پتھروں اور درختوں کا

---

(۲۲) ((والمختار عندی انهم معصومون عن وساوس الشيطان وعن الكذب والكبائر والصغائر عمدا او سهوا قبل البعثة وبعدها.)) [مرام الکلام: ۳۲]

(۲۳) ((ان الانبياء معصومون عن الكذب فی التبليغ وغيره خصوصا فيما يتعلق بامر الشرائع وتبليغ الاحكام وارشاد الامة۔ وهم انهم معصومون من الكفر قبل الوحی وبعده بالاجماع.)) [نبراس: ۲۸۳]

(۲۴) [طٰہٰ: ۲۰][طٰہٰ: ۲۲] وعن معجزات موسى أنها تسع آيات، منها: اليد، والعصا، وفلق البحر، والطوفان، والقمل، والضفادع، والدم، وما أشبهها من الآيات المعجزة لأهل زمانه. وعن معجزات عيسى: أنه يبرئ الأكمه والأبرص ويحيي الموتى بإذن الله، ويخبرهم بما يأكلون وما يدخرون في بيوتهم. وكذلك معجزات نبينا ودلائل نبوته صلى الله عليه وسلم، ومنها هذا القرآن الذي تحدى به فصحاء العرب في زمانه فعجزوا عن معارضته، ومنها ما أجرى الله على يديه من الآيات التي منها إخباره بالأمور المغيبة، ومنها نصره وتأييده على أعدائه، ونحو ذلك من المعجزات.. ومن معجزاته صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم انشقاق القمر عندما سأل أهل مكة النبي صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم آية فانشق القمر شقين فرآه أهل مكة ورآه غيرهم. قال تعالى: {اقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ}{وَإِنْ يَرَوْا آيَةً يُعْرِضُوا وَيَقُولُوا سِحْرٌ مُسْتَمِرٌّ} (القمر: ۲، ۱) [شرح العقیدۃ الطحاویۃ، بحث فی المعجزات]

انسانی زبان میں کلام کرنا، چاند کا دو ٹکرے ہو جانا وغیرہ وغیرہ۔ [۲۴]

۴......اللہ تعالیٰ نبیوں کو بقدرِ ضرورت و مصلحت غیب کی باتوں پر بھی اطلاع دیتا ہے۔ مگر تمام غیب کی باتوں کا جاننا اور ہر جگہ حاظر و ناظر ہونا خاصۂ خداوندی ہے۔ [۲۵]

معجزات کا بیان:

''معجزہ'' دراصل خدا کا فعل ہے، نبی کے ہاتھ سے ظاہر ہوتا ہے۔ [۲۶]

۵......جو نبی جس زمانہ میں ہے، اس زمانہ میں اُن کی قوم کے لیے خدا کی رضامندی ان کی پیروی و فرمانبرداری میں منحصر ہوتی تھی۔

۶......کوئی نبی اپنی نبوت سے کبھی معزول نہیں ہوئے۔

۷......کوئی غیر نبی کسی نبی کے برابر نہیں ہوسکتا۔

۸......سب نبیوں سے افضل ہمارے نبی رءوف و رحیم محمد بن عبداللہ بن عبدالمطلب بن ہاشم ہیں۔ [۲۷]

۹...... آپ اللہ کے حبیب ہیں، آپ خاتم النبیین ہیں، یعنی آپ پر نبوت ختم ہوگئی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد کسی کو نبوت نہیں ملی، نہ ملے گی۔ [۲۸]

۱۰......آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بکثرت معجزات دکھلائے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت تمام جہان کے

---

[۲۵] [الانعام:۵۰] [۲۶] المعجزة : مأخوذة من العجز وهو عدم القدرة .جاء في القاموس : ومعجزة النبي صلى الله عليه وسلم ما أعجز به الخصم عند التحدي والهاء للمبالغة. والمعجزة في الاصطلاح: أمر خارق للعادة يجري على أيديَ الأنبياء للدلالة على صدقهم مع سلامة المعارضة.)) [اصول الایمان فی ضوء الکتاب والسنۃ۔البحث العاشر فی المعجزات] [۲۷] ((عن أبي هريرة أن رسول الله (صلى الله عليه وسلم) قال (فضلت على الأنبياء بست أعطيت جوامع الكلم ونصرت بالرعب وأحلت لي الغنائم وجعلت لي الأرض مسجدا وطهورا وأرسلت إلي الناس كافة وختم بي النبيون) [صحیح المسلم: کتاب الصلوۃ، ۱۱۵۳]

[۲۸] ﴿مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ ؕ﴾ [الاحزاب:۴۰] (أنا خاتم الأنبياء لا نبي بعدي) [مستدرک علی الصحیحین، کتاب الفتن والملاحم:۸۳۹۰]

لیے ہے، آپ کو اللہ تعالیٰ نے دینِ کامل عطا فرمایا۔ (۲۹)

۱۱......آپ کو حق تعالیٰ نے معراج دی، یعنی ایک رات جاگنے کی حالت میں ''براق'' پر سوار ہو کر مکہ سے بیت المقدس اور بیت المقدس سے آسمانوں پر تشریف لے گئے۔ پھر آگے جہاں تک اللہ نے چاہا آپ کو سیر کرائی گئی، جنت دکھلائی گئی، دوزخ دکھلائی گئی۔ (۳۰)

۱۲......آپ شفیع المذنبین ہیں۔ یعنی قیامت کے دن سب سے پہلے آپ ﷺ باذنِ الٰہی اپنی امت کی شفاعت کریں گے، اور آپ ﷺ کی شفاعت مقبول ہو گی۔ (۳۱)

۱۳......آپ ﷺ کو خدا نے حوضِ کوثر عنایت فرمایا۔ آپ ﷺ کی امت بھی تمام امتوں سے اور آپ کے اصحاب سب نبیوں کے اصحاب سے افضل ہیں۔ (۳۲)

۱۴......آپ ﷺ کے تشریف لانے کے بعد اب کسی دوسری شریعت پر عمل کرنے والا نجات نہیں پا سکتا۔ (۳۳)

۱۵......اللہ تعالیٰ نے اپنے بعضے نبیوں پر اپنی کتابیں بھی اُتاری ہیں، جیسے: حضرت موسیٰ علیہ السلام پر توریت اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر انجیل اور ہمارے نبی کریم ﷺ پر قرآن مجید۔ (۳۴)

قرآن مجید پر مکمل ایمان لانا:

---

(۲۹) [المائدۃ:۳] (۳۰) [الاسراء بتفصیله المذکور فی تفسیر جلالین][وفی شرح العقائد، المعراج لرسول اللہ ﷺ فی الیقظة بشخصه الی السماء، ثم الی ماشاء اللہ تعالیٰ من العلیٰ حق۔[الکلام فی مسألة المعراج]

(۳۱) ((حَدَّثَنِی أَبُو هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صلی الله علیه وسلم: أَنَا سَيِّدُ وَلَدِ آدَمَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَأَوَّلُ مَنْ يَنْشَقُّ عَنْهُ الْقَبْرُ وَأَوَّلُ شَافِعٍ وَأَوَّلُ مُشَفَّعٍ۔)[صحیح المسلم،6079]

(۳۲) [آل عمران:۱۱۰] (۳۳) [آل عمران:۸۵] (۳۴) [المائدۃ:۴۵، ۴۷، النساء:۱۶۳، الواقعۃ:۷۷]

۱......قرآن مجید اللہ کی کتابوں میں سب سے افضل ہے۔ ہمارے نبی کریم ﷺ کا سب سے بڑا معجزہ ہے۔ ۳۵

۲......قرآن مجید کی حفاظت کا خدا نے وعدہ فرمایا ہے، اور اس وعدۂ اِلٰہی کے مطابق وہ بڑی حفاظت کے ساتھ موجود ہے، اور قیامت تک رہے گا۔ رسول اللہ ﷺ کے بعد اس میں ایک حرف کی کمی بیشی تغیر وتبدل نہیں ہوا، اس کی ترتیب لوحِ محفوظ کے مطابق ہے۔ ۳۶

۳......کوئی عاقل بالغ اس رتبہ کو نہیں پہنچ سکتا کہ پابندی شریعت اور پیروی پیغمبر اس سے معاف ہو جائے۔ ۳۷

فرشتوں کا بیان

اللہ تعالیٰ کی ایک خاص قسم کی مخلوق ہے اس کو ''فرشتہ'' کہتے ہیں۔

۱......فرشتے نہ مرد ہیں، نہ عورت، نہ کھاتے ہیں، نہ پیتے ہیں، کھانے پینے سے جو چیزیں پیدا ہوتی ہیں جیسے: بول براز وغیرہ ان سے بھی پاک ہیں۔ ۳۸

۲......فرشتے گناہوں سے معصوم ہیں، فرشتوں کی تعداد بہت ہے، سوا اللہ کے کسی کو معلوم نہیں۔ ۳۹

۳۵(کان الافضل ھو القرآن ،ثم التوراۃ والانجیل والزبور۔)[شرح العقائد الکلام فی الایمان بالکتب السماویۃ]۳۶[الحجر:۹، یونس: ۶۴،حم السجدۃ: ۴۲]

۳۷(ولا یصل العبد مادام عاقلاً بالغاً الیٰ حیث یسقط عنہ الامر والنھی لعموم الخطابات الواردۃ بالتکالیف واجماع المجتھدین علی ذلک)[شرح العقائد، بیان العقائد المتفرقۃ]

۳۸ وأما الملائكة فهم أجسام لطيفة لكنهم لا يأكلون ولا يشربون لإجماع أهل الصلاة على ذلك وللأخبار المروية في ذلك.)[تفسیر روح البیان،سورۃ الاحقاف]۳۹[التحریم:۶،الانبیاء:۱۹، ۲۰، ۲۷]

۳......فرشتوں کو اللہ تعالیٰ نے کاموں پر مقرر کیا ہے بعض کو اللہ تعالیٰ نے ہوا پر مقرر کیا ہے، بعض کو پانی پر، بعض کو جان نکالنے پر، بعض کو انسانوں کے اعمال لکھنے پر۔

۴......فرشتوں میں ان چار کا رتبہ بہت بڑا ہے۔

۱۔جبرئیل علیہ السلام

۲۔میکائیل علیہ السلام

۳۔اسرافیل علیہ السلام

۴۔عزرائیل علیہ السلام۔

حضرت جبرئیل علیہ السلام پیغمبروں کے پاس وحی لانے پر مقرر ہیں، اور حضرت میکائیل علیہ السلام روزی رسانی پر، حضرت اسرافیل علیہ السلام قیامت کے دن صور پھونکنے پر، اور حضرت عزرائیل علیہ السلام جان نکالنے پر۔ [۴۰]

تیسرا عقیدہ؛ عقیدۂ قیامت

ہمارا ایمان ہے کہ ایک وقت ایسا آنے والا ہے کہ تمام عالم فنا ہو جائے گا۔ جن و انس اور فرشتے، آسمان زمین، عرش و کرسی، جنت و دوزخ، سب فنا ہو جائیں گی۔ صرف ایک ذات پاک اللہ تعالیٰ کی موصوف بہ صفات کاملہ باقی رہے گی۔ اس کے بعد پھر سب زندہ کیے جائیں گے۔ حساب و کتاب ہوگا، جزا و سزا ہوگی، اسی کو ''قیامت'' اور ''روزِ جزا'' کہتے ہیں۔ عقیدۂ تناسخ جس کو ''آواگون'' کہتے ہیں، بالکل باطل خیال ہے۔ ایک روح جو ایک جسم سے نکل گئی پھر دوبارہ دوسرے جسم میں نہیں بھیجی جاتی۔ [۴۱]

---

[۴۰] [ونومن بان للملائکة اعمالا کلفوا بھا: فمنھم جبریل الموکل بالوحی ... الخ] [شرح عقیدة اھل السنة والجماعة للشیخ محمد بن صالح، فصل فی الایمان بالملائکة] [۴۱] [التناسخ، ھو انتقال الروح من جسم الی جسم آخر، وقد اتفق الفلاسفة واھل السنة علی بطلانه] [النبراس علی شرح العقائد، الکلام فی ثبوت البعث]

قیامت کے متعلق عقائد

قیامت کے متعلق بارہ (۱۲) عقیدے جونہایت ضروری ہیں، حسبِ ذیل ہیں:

۱......عالم آخرت برحق ہے، یعنی اس دنیا کے علاوہ ایک عالم اور ہے، جولوگ مرتے ہیں وہ اِس عالم سے اُس عالم میں جاتے ہیں۔ [۳۲]

۲......مرنے کے بعد قبر میں یا جس حالت میں انسان ہو، خدا کے دو فرشتے "منکَر و نکیر" آتے ہیں، اور مردہ سے سوال کرتے ہیں۔

۳......دین پوچھتے ہیں اور اللہ اور اللہ کے رسول کے متعلق دریافت کرتے ہیں۔ [۳۳]

۴......ایمان والوں، نیکو کاروں کے لیے قبر بہشت کا ایک باغ بن جاتی ہے، اور کافروں، گنہگاروں کے لیے دوزخ کا گڑھا ہو جاتی ہے۔ [۳۴]

۵......"ضغطہ" (یعنی قبر کی تنگی اور گھبراہٹ) کبھی نیک بندوں کو بھی ہوتا ہے۔ [۳۵]

۶......قیامت کے آنے کا وقت کسی پیغمبر نے نہیں بتایا، البتہ اس کی نشانیاں بتائی ہیں۔

---

[۳۲] البرزخ: معناه (الفاصل بين الحياة الدنيا والحياة الآخرة) هذا البرزخ، البرزخ ما هو اسم مكان البرزخ معناه (الشيء الفاصل) [شرح العقیدۃ السفارینیۃ، الکلام فی احوال البرزخ]

[۳۳] (عن أبي هريرة قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم إذا قبر الميت أو قال أحدكم أتاه ملكان أسودان أزرقان يقال لأحدهما المنكر والآخر النكير فيقولان ما كنت تقول في هذا الرجل فيقول ما كان يقول هو عبد الله ورسوله أشهد أن لا إله إلا الله وأن محمدا عبده ورسوله...[الجامع للترمذی، حدیث نمبر، ۱۰۷۱]

[۳۴] قال رسول الله صلى الله عليه وسلم إنما القبر روضة من رياض الجنة أو حفرة من حفر النار) [الجامع للترمذی، حدیث نمبر، ۲۵۷۸]

[۳۵] (إن للقبر ضغطة) أي ضيقا لا ينجو منه صالح ولا طالح لكن الكافر يدوم ضغطه والمؤمن لا) [فیض القدیر للمناوی، حدیث نمبر 2387]

اور سب سے زیادہ تفصیل وتوضیح کے ساتھ ہمارے نبی کریم ﷺ نے بیان فرمائیں وہ سب علامات برحق ہیں ۔ [36]

علاماتِ کبریٰ:

ان علامات میں سے بڑی علامات دجال کا نکلنا، امام مہدی کا ظاہر ہونا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا آسمان سے اترنا ہے ۔ اور یاجوج ماجوج کا نکلنا اور آفتاب کا مغرب سے نمودار ہونا، دابۃ الارض کا نکلنا وغیرہ وغیرہ ۔ [37]

فائدہ:

اہل السنت والجماعت کا مذہب ہے کہ امام مہدی ابھی پیدا نہیں ہوئے، جو لوگ کہتے ہیں کہ پیدا ہو چکے ہیں اور کسی غار میں پوشیدہ ہیں، یہ بالکل غلط ہے ۔ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق ہمارا یہ مذہب ہے کہ وہ زندہ آسمان پر اٹھا لیے گئے ہیں، اور قریب قیامت پھر اتریں گے، اور شریعت محمدیہ کے مطابق حکومت کریں گے ۔ [38]

---

[36] (قَالَ مَتَى السَّاعَةُ قَالَ مَا الْمَسْئُولُ عَنْهَا بِأَعْلَمَ مِنَ السَّائِلِ وَسَأُخْبِرُكَ عَنْ أَشْرَاطِهَا . . .)
[صحیح البخاری، باب سوال جبرئیل النبی ﷺ، حدیث نمبر، ۵۰]

[37] (قال البيهقي رحمه الله أما انتهاء الحياة الأولى فإن لها مقدمات تسمى أشراط الساعة و هي أعلامها : منها خروج الدجال و نزول عيسى ابن مريم عليه السلام و قتله الدجال و منها خروج يأجوج و مأجوج و منها خروج دابة الأرض و منها طلوع الشمس من مغربها فهذه هي الآيات العظام) [شعب الایمان للبیہقی، فصل فی کیفیۃ انتہاء حیاۃ الاولی] [38] [النساء: ۱۵۷، ۱۵۸] (وفی حدیث . . . ومن قال: أنت ربي فقد افتتن يلبث فيكم ما شاء الله ثم ينزل عيسى بن مريم مصدقا بمحمد صلى الله عليه و سلم على ملته إماما مهديا وحكما عدلا فيقتل الدجال . . .) [مجمع الزوائد، باب ماجاء فی الدجال، حدیث نمبر 12501]

حضرت عیسیٰ علیہ السلام اُس وقت بھی مرتبہ نبوت پر ہوں گے۔ ان کا نبی ہونا آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خاتم النبیین ہونے کے خلاف نہیں، کیوں کہ ان کو نبوت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پہلے کی ملی ہوئی ہے، نہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد۔

''یاجوج ماجوج'' انسانوں کی ایک قوم کا نام ہے، یہ قوم دو پہاڑوں کے درمیان میں بند ہے قیامت کے قریب ظاہر ہو کر قتل و غارت سے دنیا کو تباہ و برباد کر دے گی، کوئی ان کا مقابلہ نہ کر سکے گا بالآخر آسمانی بَلا سے وہ ہلاک ہو جائے گی۔ (۴۹)

''دابۃ الارض'' ایک عجیب الخلقت جانور ہے جو آفتاب کے مغرب سے طلوع ہونے کے دوسرے دن مکہ کے پہاڑ صفا سے برآمد ہو گا، اور لوگوں سے انسانی زبانوں میں کلام کرے گا۔ (۵۰)

---

(۴۹) [کہف: ۹۴ تا ۹۷] (وأما يأجوج ومأجوج فهما غير مهموزين عند جمهور القراء وأهل اللغة، وقرأ عاصم بالهمز فيهما وأصله من أجيج النار وهو صوتها وشررها، شبهوا به لكثرتهم وشدتهم واضطرابهم بعضهم في بعض. قال وهب بن منبه ومقاتل بن سليمان: هم من ولد يافث بن نوح، وقال الضحاك: هم جيل من الترك، وقال كعب: هم بادرة من ولد آدم من غير حواء، قال: وذلك أن آدم صلى الله عليه وسلم احتلم فامتزجت نطفته بالتراب فخلق الله تعالى يأجوج ومأجوج والله أعلم.) [المنہاج شرح صحیح مسلم، کتاب الایمان]

(۵۰) [النمل: ۸۲] (عن أبى هريرة ، أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال "تخرج الدابة ومعها خاتم سليمان بن داود ، وعصا موسى بن عمران ، عليهما السلام .فتجلو وجه المؤمن. . .) [سنن ابن ماجہ: باب دابۃ الارض 4066]

وقوعِ قیامت کے وقت کے مناظر:

ا......علاماتِ قیامت کے پائے جانے کے بعد حضرت اسرافیل علیہ السلام صور پھونکیں گے،صور کی پہلی آواز میں تمام عالم فنا ہو جائے گا اور دوسری آواز میں تمام اگلے پچھلے سب زندہ ہو کر زمین کے اوپر آجائیں گے اور ہر چیز موجود ہو جائے گی۔ پھر سب لوگ میدانِ محشر میں جمع کیے جائیں گے۔ (۵۱)

۲...... نیکی و بدی کا حساب ہو گا۔ہر انسان نے اپنی تمام عمر میں جتنے کام کیے سب کراماً کاتبین فرشتوں نے لکھ لیے۔وہ اعمال نامہ محفوظ ہیں اس دن نیکوں کے اعمال ان کے داہنے ہاتھ اور بدکاروں کے اعمال ان کے بائیں ہاتھ میں دیے جائیں گے۔ (۵۲)

۳...... اعمال کے تولنے کے لیے ایک ترازو قائم کی جائے گی اس میں نیکی بدی کا وزن کیا جائے گا،یہ ترازو حقیقتاً ہو گی۔مگر دنیا کی ترازوں کے مانند نہیں جن لوگوں کی نیکی کا پلہ بھاری ہو گا،وہ بہشت میں بھیجے جائیں گیے۔اور جن کی بدیوں کا پلہ بھاری ہو گا وہ دوزخ میں ڈالے جائیں گے۔ (۵۳)

۴...... پل صراط برحق ہے،یعنی دوزخ کے اوپر ایک پل بنایا جائے گا جو بال سے زیادہ باریک اور تلوار سے زیادہ تیز ہو گا۔حساب کتاب کے بعد سب لوگوں کو اس پل سے گزرنا ہو گا،نیک لوگ اپنے اپنے اعمال کے موافق اس پل سے تیزی کے ساتھ نکل جائیں گے اور برُے لوگ اپنے گناہوں کے موافق کوئی زخمی ہو جائے گا،کوئی کٹ کر دوزخ میں گر جائے گا۔ (۵۴)

---

(۵۱)[الزمر:٦٨] (۵۲)[الحاقۃ،۱۹ تا ۲۹،الانشقاق؛۷ تا ۱۲] (۵۳)[الانبیاء:۴۷] (۵۴)[مریم:۷۱](قال عليه السلام ...ويضرب جسر جهنم قال رسول الله صلى الله عليه و سلم فأكون أول من يجيز ودعاء الرسل يومئذ اللهم سلم سلم. وبه كلاليب مثل شوك السعدان أما رأيتم شوك السعدان). قالوا بلى يا رسول الله قال (فإنها مثل شوك السعدان غير أنها لا يعلم قدر عظمها إلا الله فتخطف الناس بأعمالهم...)[صحیح البخاری: باب الصراط جسر جھنم،6204]

۵......بہشت اور دوزخ برحق ہے وہ اب بھی موجود ہے۔ بہشت میں اعلیٰ درجہ کے مکانات، عمدہ عمدہ باغ، دودھ اور شہد اور نفیس پاکیزہ شراب اور نفیس پانی کی نہریں اور ہر قسم کی اعلیٰ سے اعلیٰ نعمتیں ہیں۔ دوزخ میں آگ کا عذاب اور طرح طرح کی تکلیفیں ہیں، کافروں کو ہمیشہ ہمیشہ دوزخ میں رہنا ہوگا، کبھی ان کو نجات نہ ملے گی۔ [۲] ﴿۵۵﴾

۶......اور کوئی گنہگار مومن اگر دوزخ میں ڈالا جائے گا تو چند روز کے لیے اپنی سزا بھگتنے کے بعد، اور بعض لوگ اس سے قبل شفاعت سے یا محض خدا کی رحمت سے نجات پائیں گے۔ علیٰ ہذا جنت میں جانے کے بعد جنتی کبھی وہاں سے نکالے نہ جائیں گے ہمیشہ ہمیشہ جنت میں رہیں گے۔ ﴿۵۶﴾

۷......بہشت اور دوزخ کے درمیان میں ایک "مقامِ اَعراف" ہے، وہاں کے لوگ جنتیوں اور دوزخیوں دونوں کو دیکھیں گے، اور ان سے کلام کریں گے۔ ﴿۵۷﴾

۸......ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو قیامت کے دن ایک حوض عنایت ہوگا، جس کا نام "حوضِ کوثر" ہے، ایمان والوں کو اس حوض کا پانی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خود پلائیں گے۔ ﴿۵۸﴾

۹...... ہمارے نبی کریم جناب محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قیامت کے دن گنہگاروں کی شفاعت کریں گے، اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شفاعت قبول کی جائے گی، اس وقت آپ کا رتبہ عالی سب اگلوں پچھلوں پر ظاہر ہوگا، حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک جتنے

---

[۲] ﴿۵۵﴾ [آل عمران: ۱۳۳، ق: ۳۱، الانبیاء: ۱۰۲، محمد: ۱۵] [ھود: ۱۰۶، الشعراء: ۹۰، آل عمران: ۱۳۱]

﴿۵۶﴾ [ھود: ۱۰۸] (عن أنس أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال يخرج من النار وقال شعبة اخرجوا من النار من قال لا إله إلا الله وكان في قلبه من الخير ما يزن شعيرة أخرجوا من النار من قال لا إله إلا الله وكان في قلبه من الخير ما يزن برة أخرجوا من النار من قال لا إله إلا الله وكان في قلبه من الخير ما يزن ذرة وقال شعبة ما يزن ذرة مخففة) [الجامع للترمذی، باب ماجاء أن للنار نفسين، 2593]

﴿۵۷﴾ [الاعراف: ۴۵ تا ۴۹] ﴿۵۸﴾ (حَدَّثَنِي أَبُو حَازِمٍ عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنِّي فَرَطُكُمْ عَلَى الْحَوْضِ مَنْ مَرَّ عَلَيَّ شَرِبَ وَمَنْ شَرِبَ لَمْ يَظْمَأْ أَبَدًا لَيَرِدَنَّ عَلَيَّ أَقْوَامٌ أَعْرِفُهُمْ وَيَعْرِفُونِي ثُمَّ يُحَالُ بَيْنِي وَبَيْنَهُمْ...) [صحیح البخاری، باب من انتظر حتی تدفن، 6583]

خدا کے پیغمبر ہوئے، ان میں سے کوئی بھی شفاعت کی ہمت نہ کرے گا۔ مگر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شفاعت کے بعد پھر اور انبیا بھی شفاعت فرمائیں گے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امت کے علماء و شہدا بھی شفاعت کریں گے۔ (۵۹)

---

(۵۹) (وفی روایة قال علیه السلام. . . اَلاَ تَنْظُرُونَ مَنْ يَشْفَعُ لَكُمْ إِلَى رَبِّكُمْ فَيَقُولُ بَعْضُ النَّاسِ لِبَعْضٍ ائْتُوا آدَمَ. فَيَأْتُونَ آدَمَ فَيَقُولُونَ يَا آدَمُ أَنْتَ أَبُو الْبَشَرِ خَلَقَكَ اللهُ بِيَدِهِ وَنَفَخَ فِيكَ مِنْ رُوحِهِ وَأَمَرَ الْمَلاَئِكَةَ فَسَجَدُوا لَكَ اشْفَعْ لَنَا إِلَى رَبِّكَ أَلاَ تَرَى إِلَى مَا نَحْنُ فِيهِ أَلاَ تَرَى إِلَى مَا قَدْ بَلَغَنَا فَيَقُولُ آدَمُ إِنَّ رَبِّي غَضِبَ الْيَوْمَ غَضَبًا لَمْ يَغْضَبْ قَبْلَهُ مِثْلَهُ وَلَنْ يَغْضَبَ بَعْدَهُ مِثْلَهُ وَإِنَّهُ نَهَانِي عَنِ الشَّجَرَةِ فَعَصَيْتُهُ نَفْسِي نَفْسِي اذْهَبُوا إِلَى غَيْرِي اذْهَبُوا إِلَى نُوحٍ. فَيَأْتُونَ نُوحًا فَيَقُولُونَ يَا نُوحُ أَنْتَ أَوَّلُ الرُّسُلِ إِلَى الأَرْضِ وَسَمَّاكَ اللهُ عَبْدًا شَكُورًا اشْفَعْ لَنَا إِلَى رَبِّكَ أَلاَ تَرَى مَا نَحْنُ فِيهِ أَلاَ تَرَى مَا قَدْ بَلَغَنَا فَيَقُولُ لَهُمْ إِنَّ رَبِّي قَدْ غَضِبَ الْيَوْمَ غَضَبًا لَمْ يَغْضَبْ قَبْلَهُ مِثْلَهُ وَلَنْ يَغْضَبَ بَعْدَهُ مِثْلَهُ وَإِنَّهُ قَدْ كَانَتْ لِي دَعْوَةٌ دَعَوْتُ بِهَا عَلَى قَوْمِي نَفْسِي نَفْسِي اذْهَبُوا إِلَى إِبْرَاهِيمَ -صلى الله عليه وسلم فَيَأْتُونَ إِبْرَاهِيمَ فَيَقُولُونَ أَنْتَ نَبِيُّ اللهِ وَخَلِيلُهُ مِنْ أَهْلِ الأَرْضِ اشْفَعْ لَنَا إِلَى رَبِّكَ أَلاَ تَرَى إِلَى مَا نَحْنُ فِيهِ أَلاَ تَرَى إِلَى مَا قَدْ بَلَغَنَا فَيَقُولُ لَهُمْ إِبْرَاهِيمُ إِنَّ رَبِّي قَدْ غَضِبَ الْيَوْمَ غَضَبًا لَمْ يَغْضَبْ قَبْلَهُ مِثْلَهُ وَلاَ يَغْضَبُ بَعْدَهُ مِثْلَهُ. وَذَكَرَ كَذَبَاتِهِ نَفْسِي نَفْسِي اذْهَبُوا إِلَى غَيْرِي اذْهَبُوا إِلَى مُوسَى. فَيَأْتُونَ مُوسَى -صلى الله عليه وسلم- فَيَقُولُونَ يَا مُوسَى أَنْتَ رَسُولُ اللهِ فَضَّلَكَ اللهُ بِرِسَالاَتِهِ وَبِتَكْلِيمِهِ عَلَى النَّاسِ اشْفَعْ لَنَا إِلَى رَبِّكَ أَلاَ تَرَى إِلَى مَا نَحْنُ فِيهِ أَلاَ تَرَى مَا قَدْ بَلَغَنَا فَيَقُولُ لَهُمْ مُوسَى -صلى الله عليه وسلم- إِنَّ رَبِّي قَدْ غَضِبَ الْيَوْمَ غَضَبًا لَمْ يَغْضَبْ قَبْلَهُ مِثْلَهُ وَلَنْ يَغْضَبَ بَعْدَهُ مِثْلَهُ وَإِنِّي قَتَلْتُ نَفْسًا لَمْ أُومَرْ بِقَتْلِهَا نَفْسِي نَفْسِي اذْهَبُوا إِلَى عِيسَى -صلى الله عليه وسلم-. فَيَأْتُونَ عِيسَى فَيَقُولُونَ يَا عِيسَى أَنْتَ رَسُولُ اللهِ وَكَلَّمْتَ النَّاسَ فِي الْمَهْدِ وَكَلِمَةٌ مِنْهُ أَلْقَاهَا إِلَى مَرْيَمَ وَرُوحٌ مِنْهُ فَاشْفَعْ لَنَا إِلَى رَبِّكَ أَلاَ تَرَى مَا نَحْنُ فِيهِ أَلاَ تَرَى مَا قَدْ بَلَغَنَا فَيَقُولُ لَهُمْ عِيسَى -صلى الله عليه وسلم- إِنَّ رَبِّي قَدْ غَضِبَ الْيَوْمَ غَضَبًا لَمْ يَغْضَبْ قَبْلَهُ مِثْلَهُ وَلَنْ يَغْضَبَ بَعْدَهُ مِثْلَهُ - وَلَمْ يَذْكُرْ لَهُ ذَنْبًا - نَفْسِي نَفْسِي اذْهَبُوا إِلَى غَيْرِي اذْهَبُوا إِلَى مُحَمَّدٍ -صلى الله عليه وسلم- فَيَأْتُونِّي فَيَقُولُونَ يَا مُحَمَّدُ أَنْتَ رَسُولُ اللهِ وَخَاتَمُ الأَنْبِيَاءِ وَغَفَرَ اللهُ لَكَ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ اشْفَعْ لَنَا إِلَى رَبِّكَ أَلاَ تَرَى مَا نَحْنُ فِيهِ أَلاَ تَرَى مَا قَدْ بَلَغَنَا فَأَنْطَلِقُ فَآتِي تَحْتَ الْعَرْشِ فَأَقَعُ سَاجِدًا لِرَبِّي ثُمَّ يَفْتَحُ اللهُ عَلَيَّ وَيُلْهِمُنِي مِنْ مَحَامِدِهِ وَحُسْنِ الثَّنَاءِ عَلَيْهِ شَيْئًا لَمْ يَفْتَحْهُ لأَحَدٍ قَبْلِي ثُمَّ يُقَالُ يَا مُحَمَّدُ ارْفَعْ رَأْسَكَ سَلْ تُعْطَهْ اشْفَعْ تُشَفَّعْ. فَأَرْفَعُ رَأْسِي فَأَقُولُ يَا رَبِّ أُمَّتِي أُمَّتِي. فَيُقَالُ يَا مُحَمَّدُ أَدْخِلِ الْجَنَّةَ مِنْ أُمَّتِكَ مَنْ لاَ حِسَابَ عَلَيْهِ مِنَ الْبَابِ الأَيْمَنِ مِنْ أَبْوَابِ الْجَنَّةِ وَهُمْ شُرَكَاءُ النَّاسِ فِيمَا سِوَى ذَلِكَ مِنَ الأَبْوَابِ وَالَّذِي نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهِ إِنَّ مَا بَيْنَ الْمِصْرَاعَيْنِ مِنْ مَصَارِيعِ الْجَنَّةِ لَكَمَا بَيْنَ مَكَّةَ وَهَجَرٍ أَوْ كَمَا بَيْنَ مَكَّةَ وَبُصْرَى) [صحیح مسلم، باب ادنی اهل الجنة منزلة فیها 501]

فائدہ:

روز قیامت سے پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بعض لوگوں کو قبر میں شفاعت کر کے عذاب الٰہی سے بچالینا بھی ثابت ہے، اور قیامت کے دن آپ کی شفاعت تین قسم کی ہوگی۔

۱......بعض لوگوں کو دوزخ میں جانے سے بچانے کے لیے۔

۲......بعض دوزخیوں کو دوزخ سے رہائی دلانے کے لیے۔

۳......بعض کے مراتب بڑھانے کے لیے۔

۴......بہشت میں سب سے بڑی نعمت خدا کا دیدار ہوگا۔ جنتی لوگ اللہ تعالیٰ کو بے حجاب و بے نقاب دیکھیں گے، جس طرح دنیا میں چودھویں رات کے چاند کو دیکھتے ہیں جبکہ آسمان گرد و غبار اور ابر و باد سے بالکل صاف ہو۔ [۶۰]

---

[۶۰] القسم الثاني: الشفاعة المثبتة (أ) أنواعها

1۔الشفاعة العظمى وهي الخاصة بنبينا - صلى الله عليه وسلم - من بين سائر إخوانه من الأنبياء والمرسلين صلوات الله عليهم أجمعين۔

2۔شفاعته - صلى الله عليه وسلم - في أقوام قد تساوت حسناتهم وسيئاتهم في دخول الجنة.

3۔شفاعته - صلى الله عليه وسلم - في أقوام قد أمر بهم إلي النار أن يدخلوها.

4۔شفاعته - صلى الله عليه وسلم - في رفع درجات المؤمنين في الجنة.

5۔شفاعته - صلى الله عليه وسلم - في أقوام يدخلوا الجنة بغير حساب

6۔شفاعته - صلى الله عليه وسلم - في تخفيف العذاب عن من يستحق، وهذه لأبي طالب خاصة

7۔شفاعته - صلى الله عليه وسلم - أن يؤذن لجميع المؤمنين إلي الجنة

8۔شفاعته - صلى الله عليه وسلم - في أهل الكبائر من أمته من دخل النار منهم فيخرجون منها وهذه الشفاعة يشاركه فيها الملائكة والأنبياء والمؤمنون.

9۔شفاعته - صلى الله عليه وسلم - في من مات في المدينة من أمته.

10۔شفاعة المؤمنين يوم القيامة لإخوانهم الذين دخلوا النار.

11۔شفاعة القرآن لصاحبه يوم القيامة

12۔شفاعة الأطفال لوالديهم. [شرح العقيدة الطحاوية، اقسام الشفاعة]

التجائے خاص:

یا اللہ اپنے فضل و کرم سے مرنے کے وقت ہماری مدد فرمانا، دنیا سے ایمان کے ساتھ اٹھانا اور قبر میں ہماری مدد فرمانا، اس تنہائی و بے کسی میں سوا تیرے کوئی کام آنے والا نہیں، اور قیامت کے دن ہماری مدد فرمانا اور اپنے نبی کریم ﷺ کی شفاعت سے بہشت میں داخل کر کے اپنے دیدار سے مشرف فرمانا۔ آمین بالنبی الامین۔

متفرقات

کراماتِ اولیاء:

۱......اولیاء اللہ کی کرامتیں حق ہیں۔ [۶۱]

۲......خوارق عادات اگر نبی سے ظاہر ہوں تو "معجزہ" کہلاتی ہیں، اور نبی کے پیرو سے ظاہر ہوں تو "کرامت" کہی جاتی ہیں۔ [۶۲]

ولایت الٰہی کی دو قسمیں ہیں: ایک "ولایت عامہ" جو تمام اہل ایمان کو حاصل ہے۔ دوسری "ولایت خاصہ" جو صرف ان حضرات کو حاصل ہے، جو اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات کی معرفت سے ممتاز اور اتباعِ شریعت کی دولت سے سرفراز ہوں۔

۳......رسول خدا کے اصحابِ کرام تمام اولیاء اللہ سے افضل ہیں۔ [۶۳]

---

[۶۱] (والکرامات للاولیاء حق) ای ثابت بالکتاب والسنة۔ [شرح فقہ اکبر، ۷۹]

[۶۲] (والکرامة خارق للعادة، الا انها غیر مقرونة بالتحدی، وهی کرامة للولی، وعلامة لصدق النبی فان کرامة التابع کرامة المتبوع) [شرح فقہ اکبر، ۷۹] [۶۳] (قد صح ان الصحابة افضل من التابعین، ومن الامم السابقة لقوله تعالیٰ: کنتم خیر امة اخرجت للناس) [النبراس: ۳۰۰]

۴......زندہ ایمان والوں کی دعا سے اور ایصال ثواب سے مردہ مومن کو نفع پہنچتا ہے۔ (۶۴)

۵......مالی عبادت کا ثواب پہنچنے میں تو تمام اہل حق کا اتفاق ہے، کوئی شخص صدقہ دے کر یا اللہ کی رضا مندی کے لیے کسی طریقہ سے اپنا مال خرچ کر کے خدا سے دعا کرے، کہ یا اللہ! اس کا ثواب فلانے کو پہنچا دے، تو بالاتفاق سب کے نزدیک اس کا ثواب پہنچ جاتا ہے۔ لیکن بدنی عبادت کا ثواب پہنچنے میں البتہ اختلاف ہے۔ ہمارے امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اس امر کے قائل ہیں، کہ مالی عبادات کی طرح بدنی عبادات کا ثواب بھی پہنچتا ہے۔ (۶۵)

۶...... ہر مسلمان کے پیچھے خواہ وہ فاسق ہو یا متقی نماز پڑھنا درست ہے۔ ہاں جن لوگوں کا فسق یا بدعت حدِ کفر تک پہنچ جائے، جیسے: روافض بوجہ عقیدہ تحریف قرآن کے یا مرزائی بوجہ انکار ختم نبوت کے اس حد کو پہنچ گئے ہیں ان کے پیچھے البتہ نماز درست نہیں۔

۷......ہم ''اہل قبلہ'' کو کافر نہیں کہتے۔ (۶۶)[۴]

۸......''اہل قبلہ'' سے مراد وہ لوگ ہیں، جو ہمارے قبلہ کی ملت یعنی دین اسلام کی تمام ضروریات کو مانتے ہوں، جو لوگ دین کی ضروریات میں سے کسی بات کا انکار کریں اور یہ انکار کسی تاویل کی بنا پر نہ ہو، وہ لوگ ''اہل قبلہ'' نہیں کہے جائیں گے۔

---

(۶۴) (وفی دعاء الاحیاء للاموات وصدقتهم عنهم نفع لهم) [شرح العقائد، الکلام فی بیان العقائد المتفرقۃ]

(۶۵) [تفسیر الآلوسی، تحت آیۃ، وان لیس للانسان الا ماسعی]

[۴](۶۶) (والمراد بعدم تکفیر احد من اهل القبلة عند اهل السنة انه لایکفر مالم یوجد شیء من امارات الکفر وعلاماته ولم یصدر عنه شیء من موجباته) [شرح فقہ اکبر، ۱۵۴]

۹......کبیرہ گناہ کے کرنے سے کوئی مسلمان کافر نہیں ہوتا، بشرطیکہ اس کو گناہ جانتا ہو۔ (۶۷)

۱۰......موزوں پر مسح کرنا درست ہے۔ (۶۸)

۱۱......نبیذ حلال ہے۔ متعہ حرام ہے۔ (۶۹)

یہ چیزیں اگر چہ از قسم اعتقادات اصلیہ نہیں ہیں، مگر چوں کہ اہل سنت و اہل بدعت کا شغف ان مسائل میں بہت ہوا، اس لیے علماء نے عقائد میں ان کا ذکر فرمایا ہے۔

فائدہ نمبر ۱:

"نبیذ" اس پانی کو کہتے ہیں، جس میں چھوہارے یا انگور ڈال دیے جائیں کہ ان کی شیرینی پانی میں آجائے اور کچھ تیزی پیدا ہو جائے لیکن نشہ نہ پیدا ہو۔ نشہ پیدا ہو جائے تو بالاتفاق اس کا ایک قطرہ بھی حرام ہے۔

۱......رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جن لوگوں کے لیے جنت کی خوش خبری سنائی، ان کو ہم قطعی جنتی جانتے ہیں۔ ان کے سوا کسی خاص شخص کی بابت قطعی جنتی ہونے کی شہادت نہیں دے سکتے۔

---

(۶۷) (والکبیرة لاتخرج العبد المومن من الایمان، ولاتدخله فی الکفر۔) [متن العقائد فی شرح العقائد]

(۶۸) (ونری المسح علی الخفین فی السفر والحضر۔۔۔وسئل عن علی ابن ابی طالب عن المسح علی الخفین، فقال: جعل رسول الله صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ثلاثة ایام ولیالیها للمسافر ویوما ولیلة للمقیم)[شرح العقائد، الکلام فی المسح علی الخفین][ولانحرم نبیذ الجر۔۔۔ شرح العقائد، باب العقائد المتفرقہ]

(۶۹) [يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنِّي قَدْ كُنْتُ أَذِنْتُ لَكُمْ فِي الِاسْتِمْتَاعِ مِنَ النِّسَاءِ وَإِنَّ اللهَ قَدْ حَرَّمَ ذَلِكَ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ فَمَنْ كَانَ عِنْدَهُ مِنْهُنَّ شَيْءٌ فَلْيُخَلِّ سَبِيلَهُ وَلَا تَأْخُذُوا مِمَّا آتَيْتُمُوهُنَّ شَيْئًا" [صحیح مسلم، باب نکاح المتعۃ، حدیث نمبر، 3488][صحیح البخاری، حدیث نمبر ۴۲۱۶][البحر الرائق، ص، ۱۵۵]

۲......کسی گنہگار پر بالتخصیص لعنت کرنا جائز نہیں۔ ⑦⓪

۳......رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اصحاب کا ذکر برائی کے ساتھ جائز نہیں بلکہ ضروری ہے کہ جب ان کا ذکر کیا جائے تو تعریف کے ساتھ کیا جائے۔ ⑦①

فائدہ نمبر ۲:

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں مہاجرین وانصار کی بڑی تعریف قرآن شریف میں ہے، خدا نے ان سے اپنی رضا مندی ظاہر فرمائی ہے۔ اور ان کے بڑے بڑے مدارج ارشاد فرمائے ہیں۔ مہاجرین وانصار میں بھی اہل حدیبیہ کا، اور ان میں اہل بدر کا، ان میں بھی عشرہ مبشرہ کا، اور ان میں بھی خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کا رتبہ دوسروں سے زیادہ ہے۔ ⑦②

---

⑦⓪(وعندنا فيه بحث :لانه ان اراد لعن الشخص المعين ،فدعوى الاتفاق غير مسموعة ،الا فيمن رضى ومات عليه بلاتوبة ،لان الرضاء بالمعصية من حيث هى معصية كفر بالاتفاق ،ولكن اثبات الموت عليه اصعب من خرط القتاد ،وان اريد اللعن بالوصف العام فالاتفاق مسلم ،لكن لا يلزم منه اللعن على الشخص المعين الذى يوجد هذا الوصف فيه۔) [النبراس ۱۱ س]

⑦①(ونكف عن ذكر الصحابة الا بخير لما ورد من الاحاديث الصحيحة فى مناقبهم ،ووجوب الكف عن الطعن فيهم، كقوله عليه السلام "لاتسبوا اصحابى") [شرح العقائد، الكلام فى الكف عن ذكر الصحابة الا بخير]

⑦②(اجمع اهل السنة والجماعة على ان افضل الصحابة ابوبكر ،فعمر فعثمان فعلى ،فبقية العشرة المبشرة بالجنة فاهل بدر ،فباقى اهل احد،فباقى اهل بيعة الرضوان بالحديبية ...وبالجملة فالسابقون الاولون من المهاجرين والانصار افضل من غيرهم ،لقوله تعالىٰ "لايستوى منكم من انفق من قبل الفتح وقاتل اولئک اعظم درجة من الذين انفقوا من بعد وقاتلوا وكلا وعدالله الحسنى) [شرح فقہ اکبر۔ ۱۲۰]

فائدہ نمبر ۳:

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ حسنِ ظن نہ رکھنے سے تمام دین درہم برہم ہو جاتا ہے۔آج روافض اسی مصیبت میں مبتلا ہیں، کہ اپنا ایمان قرآن شریف اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت پر ثابت نہیں کر سکتے ، اس کا اصلی سبب یہی ہے کہ انہوں نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے بجائے حسنِ ظن کے سخت بدگمانیاں پیدا کرلیں۔

......رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد کسی ایسے شخص کو جو دین کے قائم رکھنے اوراحکام شرعیہ کے جاری کرنے کی صلاحیت رکھتا ہو، اپنا امام منتخب کرنا جس کو" خلیفہ" بھی کہتے ہیں۔ مسلمانوں پر ضروی ہے۔خلیفہ کا ''معصوم'' ہونا یا خدا اور رسول کی طرف سے نامزد ہونا ضروری نہیں۔

فائدہ نمبر ۴:

اس مسئلہ میں روافض نے اہل السنت والجماعت کی بڑی مخالفت کی ہے۔وہ لوگ کہتے ہیں کہ خلیفہ کا تقرر منجانب اللہ ہونا چاہیے۔وہ لوگ بظاہر تو حضرت علی رضی اللہ عنہ اور ائمہ مابعد کا رتبہ بڑھاتے ہیں، کہ ان کو مثل رسول معصوم کہتے ہیں، لیکن درحقیقت حضرت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سخت توہین کرتے ہیں۔روافض کا ''مسئلہ امامت'' فی الواقع آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ختمِ نبوت کا انکار ہے۔نعوذ باللہ منه

......رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد خلافتِ راشدہ تیس (۳۰) برس رہی۔اس مدت میں جو حضرات خلیفہ ہوئے وہ خلفائے راشدین ہیں ان کو ہم تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے افضل

جانتے ہیں، اور ان میں باہم ایک دوسرے پر بہ ترتیبِ خلافت فضیلت ہے۔ (۶۲)

فائدہ نمبر ۵:

اگر چہ یہ مسئلہ بھی فروعی مسئلہ ہے، مگر روافض نے اس مسئلہ میں اہل السنت سے اختلاف کر کے ایسے خراب نتائج پیدا کر دیے ہیں، کہ یہ مسئلہ بہت زیادہ اہم ہو گیا اور علمائے اسلام کو صاف کہنا پڑا کہ جب تک خلفاء راشدین کی خلافت کو حق نہ مانا جائے گا، دین کا کوئی مسئلہ قائم نہیں رہ سکتا۔

---

(۶۱) (والخلافة ثلاثون سنة، ثم بعدها ملك وامارة لقوله عليه السلام "الخلافة بعدى ثلاثون سنة، ثم يصير بعدها ملكا عضوضا") [شرح العقائد، الکلام فی بیان مدۃ الخلافۃ]

حصہ دوم

نفحہ عنبریہ بذکر میلاد خیر البریہ

جس میں ابتدائی نسب مبارک اور ولادت شریف سے آخر عمر اقدس تک کے تمام ضروری ضروری مختصر حالات بیان کیے گئے ہیں، اور اس کے ساتھ ہی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مخصوص صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم، ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن، ذریت طیبہ رضی اللہ عنہن کا ذکر مبارک اور خاص طور پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ملبوسات، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سواریاں، آپ کی تلواریں و دیگر استعمال کی اشیاء کا حسنِ ترتیب کے ساتھ تذکرہ موجود ہے۔

مصنفہ

امام اہل سنت حضرت مولانا عبدالشکور فاروقی لکھنوی قدس اللہ سرہ

جمع و ترتیب

مولانا محبوب احمد

مدرس جامعہ مفتاح العلوم سرگودھا

تحقیق و تخریج

مفتی محمد اظہر

مدرس جامعہ معہد الفقیر الاسلامی جھنگ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡم
حَامِدًا وَّ مُصَلِّیًا

باب اول

نسب مبارک اور ولادت و رضاعت

ہمارے پیغمبر شفیعِ روزِ محشر حضرت خیر البشر کا نام نامی محمد[1] اور احمد ہے۔ صلی اللہ تعالیٰ علیہ و علی آلہ و صحبہ و بارک و سلم اور کنیت[2] آپ کی ابو القاسم، والد ماجد کا اسم گرامی عبد اللہ، والدہ کا نام مبارک آمنہ ہے۔

نسب مبارک:

نسب پدری اس طرح ہے: محمد صلی اللہ علیہ وسلم بن عبد اللہ بن عبد المطلب بن ہاشم بن عبد مناف بن قصی بن کلاب بن مرہ بن کعب بن لوی بن غالب بن فہر بن مالک بن نضر بن کنانہ بن خزیمہ بن مدرکۃ بن الیاس بن مضر بن نزار بن معد بن عدنان ہے[3]

[دلائل النبوۃ: باب ذکر شرف اصل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ونسبہ، جلد ۱، ص: ۱۷۹، مطبع دار الکتب العلمیہ، صحیح البخاری، باب مبعث النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ۱/۵۴۳]

---

[1] یہ دونوں نام آپ کے اسم ذات ہیں جن میں سے دوسرا نام اگلی آسمانی کتابوں میں آیا ہے، ان دونوں ناموں کے علاوہ اسمائے صفات آپ کے بہت ہیں جیسے: بشیر، نذیر، رؤوف، رحیم، طٰہٰ، یٰسین وغیرہ۔ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وصحبہ و بارک وسلم

[2] کنیت اس نام کو کہتے ہیں جس کے شروع میں لفظ یا ام یا ابن ہو۔

[3] اس قدر نسب آپ کا متفق علیہ ہے، مگر اس کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام تک ناموں میں اور ان کی تعداد میں اختلاف ہے۔

اورنسب مادری اس طرح ہے: آمنہ بنت وھب بن عبد مناف بن زھرۃ بن کلاب بن مرۃ الخ۔[طبقات لابن سعد: جلد ۱، ص: ۵۹]

آپ کے آبائے کرام اپنے اپنے وقت میں اوصافِ فاضلہ اور اخلاقِ حسنہ میں یکتا ہوتے رہے، اور نورِ نبوت اُن کے چہروں میں چمکتا رہا، خصوصاً آپ کے والدین شریفین کے حالات جو آج بھی تاریخ کی کتابوں میں ملتے ہیں، بہت بلند حالات ہیں۔

صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلی آلہ وصحبہ وبارک وسلم

ولادت مبارک

ولادت شریف:

جناب سید الانبیاء محمد مصطفےٰ ﷺ کا دنیا میں تشریف لانا ایک ایسا عظیم الشان واقعہ ہے کہ غیر مسلم لوگ بھی اس کی عظمت و اہمیت کا انکار نہیں کر سکتے، اور ہم مسلمان لوگ تو اس کو خدا کی قدرت کاملہ کا بہترین نمونہ اعتقاد کرتے ہیں، قرآن مجید میں بھی اس کو حق تعالیٰ نے بھی اپنی قدرت کے دلائل میں شمار فرمایا ہے۔

مقصودِ آفرینش:

آفرینش عالَم محض آپ کی ذات گرامی کے لیے ہوئی۔ احادیث میں تو یہ مضمون تصریح کے ساتھ ہے، مگر قرآن مجید سے اس کا ثبوت اس طرح ہوسکتا ہے کہ حق تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ۝٥٦﴾ [الذاریات:۵۶]

’’یعنی میں نے جنوں اور انسانوں کو اپنی عبادت ہی کے لیے پیدا کیا ہے‘‘۔[ع۔ر]

معلوم ہوا کہ مقصدِ آفرینش عبادت الٰہی ہے۔ یوں تو تمام انبیاء علیہم السلام عبادت الٰہی کے معلّم ہیں، مگر آنجناب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جیسی کامل ومکمل تعلیم عبادتِ الٰہی کی دی، ایسی کسی سے ظاہر نہیں ہوئی، اسی وجہ سے خدا نے آپ کے دین کو دینِ کامل فرمایا۔ پس آپ کی ذاتِ اقدس مقصودِ آفرینش یعنی عبادتِ الٰہی کی بنیاد ہوئی۔ لہٰذا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آفرینش کا مقصود اصلی ہونا اچھی طرح ظاہر ہوگیا۔

سابقہ کتب الہٰیہ میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ذکرِ مبارک:

تمام انبیاء علیہم السلام نے اپنے اپنے وقت میں آپ کی بشارت سنائی، آپ کے متعلق پیشین گوئیاں کیں، کتبِ الہٰیہ میں آپ کا ذکر نازل ہوا، آپ کے مناقب وفضائل آپ کے اخلاق وشمائل کو بیان فرمایا گیا، خاص کر توریت وانجیل میں ایسی صاف وصریح پیشین گوئی آپ کے متعلق کی گئی کہ قرآن مجید میں فرمایا:

﴿اَلَّذِیۡنَ اٰتَیۡنٰہُمُ الۡکِتٰبَ یَعۡرِفُوۡنَہٗ کَمَا یَعۡرِفُوۡنَ اَبۡنَآءَہُمۡ ؕ﴾

[البقرۃ:۱۴۶]

’’یعنی جن کو ہم نے کتاب دی ہے، وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ایسا پہچانتے ہیں، جیسے اپنے بیٹوں کو پہچانتے ہیں‘‘۔[ع۔ر]

مقامِ ولادت:

ولادت باسعادت آپ کی خاص شہر مکہ میں ہوئی، جو حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کے وقت سے آپ کے آبائے کرام کا مسکن اور وطن تھا۔

جس سال واقعۂ فیل پیش آیا، اس واقعہ کے پچاس دن بعد جب کہ نوشیروان

عادل بادشاہ فارس کی سلطنت کا چالیسواں سال تھا، ربیع الاول کے مہینہ میں دوشنبہ کے دن صبح صادق کے وقت آٹھویں[1] تاریخ اور بقولِ بعض بارہویں[2] کو حضور ﷺ نے اس خاک دان تیرہ کو اپنے جمالِ جہان آرا سے منور فرمایا۔ صحیح یہ ہے کہ آپ اپنے والدین شریفین کے اکلوتے فرزند تھے، آپ کا نہ کوئی بھائی تھا نہ کوئی بہن۔

[الخصائص الکبری: فائدۃ فی بیان وفاۃ والدہ ﷺ وسنہ یوم وفاتہ، جلد ۱، ص: ۷۳]

صلی اللہ علیہ وَ علی آلہ و صحبہ و بارک و سلم۔

[زرقانی ، شرح مواھب، باب وقد اختلف فی عام ولادتہ ﷺ، جلد ۱، ص: ۲۴۴، طبع دارالکتب العلمیہ، بحوالہ سیرت المصطفی ﷺ]

قبل از ولادت معجزات و برکات کا ظہور

جب آپ اپنی والدہ ماجدہ کے شکمِ اطہر میں رونق افروز ہوئے، اس وقت سے جو جو عجائب وغرائب از قسمِ معجزات و برکات ظاہر ہوئے بے شمار ہیں۔ جس قدر اسانید صحیحہ کے ساتھ ثبوت کو پہنچ گئے ہیں، ان میں سے چند اس مقام پر زیب رقم کیے جاتے ہیں:

---

[1] حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ ثابت بالسنہ میں لکھتے ہیں کہ شیخ قطب الدین قسطلانی فرماتے ہیں کہ محدثین نے اسی آٹھویں تاریخ کو اختیار کیا ہے اور حضرت ابن عباس ؓ سے بھی یہی منقول ہے اور قضاعی نے بیان کیا ہے کہ ارباب سیر کا اس پر اجماع ہے ۱۲

[2] ماثبت بالسنہ میں ہے کہ یہی قول یعنی بارہویں تاریخ مشہور ہے اور محدثین میں سے طیبی نے اسی کو متفق علیہ لکھا ہے مگر اس کا متفق علیہ ہونا محل گفتگو ہے ۱۲

۱۔قحط سالی کا خاتمہ:

چند سال پیشتر سے قریش بہت تنگی وقحط سالی میں مبتلا تھے۔فقر وفاقہ کی وجہ سے عجیب حالت تھی۔جناب آمنہ کے حاملہ ہوتے ہی وہ تکلیف ومصیبت راحت سے مبدل ہوگئی۔خوب پانی برسا،تمام زمین سرسبز وشادات ہوگئی۔ایسا انقلاب ہوا کہ لوگوں نے اس سال کا نام ’’سنۃ الفتح والابتہاج‘‘ (کشادگی اور خوشی کا سال) رکھا۔
[قسطلانی،المواھب اللدنیہ ۷۲/۱،فصل فی آیات حملہ ﷺ]

۲۔شرفِ سرداری کی بشارت کا سنا جانا:

جناب آمنہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ جب وہ اس عزت وشرف سے مشرف ہوئیں کہ جلوہ اشرف المخلوقات ان کے شکم اقدس میں چمکا،تو خواب وبیداری کی درمیانی حالت میں انہوں نے دیکھا کہ کوئی ان سے کہہ رہا ہے:

’’اے آمنہ!تمہارے حمل میں اس امت کا سردار ہے‘‘

اور اسی قسم کے خواب زمانہ حمل میں وہ پے در پے دیکھتی رہیں۔[حوالہ بالا]

۳۔حمل کی گرانی اور بے چینی کا کافور ہو جانا:

فرماتی ہیں کہ زمانہ حمل میں ثقل وگرانی طبیعت کی بے لطفی،متلی وغیرہ جس طرح عورتوں کو معلوم ہوتی ہے،مجھے ذرا نہیں معلوم ہوئی۔[حوالہ بالا]

۴۔بوقتِ ولادت ملک شام کے محلات کا آنکھوں سے دیکھا جانا:

ولادت باسعادت کے وقت حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا کی آنکھوں سے حجابات اٹھ گئے، ایک روشنی ان کو ایسی معلوم ہوئی،کہ ملکِ شام کے محل انہوں نے دیکھے،اور دیکھا

کہ تین جھنڈے گڑے ہوئے ہیں۔ ایک مشرق میں، دوسرا مغرب میں، تیسرا کعبہ کی چھت پر۔ یہ بھی دیکھا کہ کچھ سفید پرندے اُڑ رہے ہیں۔ جن کی چونچیں زمرد کی اور بازو یاقوت کے اور کچھ عورتیں اور مرد ہوا میں کھڑے ہوئے ہیں، ان کے ہاتھوں میں چاندی کی صراحیاں ہیں۔

[قسطلانی، المواہب اللدنیہ ۱/۷۷، دارالکتب العلمیہ]

۵۔ سلطنتِ فارس کے زوال کا آغاز ہو جانا:

اس شب میں جس کی صبح کو ولادت باسعادت ظہور میں آئی، کسریٰ شاہ فارس کا محل ہلنے لگا چودہ (۱۴) کنگرے اس کے گر پڑے۔ آتشِ فارس ہزار سال سے روشن تھی اور اس کی پرستش کی جاتی تھی، دفعتہً بجھ گئی اور چشمۂ ساوہ جس کی مدت سے پرستش ہو رہی تھی، خشک ہو گیا۔

[بیھقی، دلائل النبوۃ، باب ماجاء فی ارتجاس ایوان کسری وسقوط شرفہ۔ ۱/۱۲۶]

۶۔ بنی اسرائیل سے نبوت کا نکل جانا:

ایک یہودی بغرضِ تجارت شہرِ مکہ میں مقیم تھا، شبِ ولادت اس نے اور یہودیوں کو جمع کر کے کہا ''احمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا ستارہ نکل آیا۔ وہ اسی شب میں پیدا ہوں گے، پھر قریش سے پوچھنا شروع کیا کہ کسی کے یہاں ولادت تو نہیں ہوئی؟ معلوم ہوا کہ حضرت عبدالمطلب کے یہاں ہوئی ہے۔ سب یہودی حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا کے درِ دولت پر حاضر ہوئے۔ اور خواہش کی کہ ہم اس بچہ کو دیکھنا چاہتے ہیں۔ چنانچہ انہوں نے دکھا دیا۔ وہ یہودی دیکھتے ہی بے ہوش ہو گیا اور کہنے لگا:

''افسوس بنی اسرائیل سے نبوت نکل گئی۔''

[ابن حجر، فتح الباری، باب علامۃ النبوۃ، ۶/۵۸۳، دارالمعرفۃ بیروت]

۷۔مشرق تا مغرب چرچا عام ہو جانا:

حضرت آمنہ فرماتی ہیں کہ جس وقت آپ پیدا ہو چکے، میں نے دیکھا کہ ایک بادل کا ٹکڑا آیا اور آپ کو اُٹھا لے گیا۔ پھر میں نے سنا کہ منادی کہہ رہا تھا کہ ''ان کو تم دنیا میں پھراؤ مشرق و مغرب اور دریاؤں میں بھی لے جاؤ تا کہ سب لوگ ان کے نام اور شکل وصورت اور صفت وسیرت سے واقف ہو جائیں اور سمجھ لیں کہ یہی وہ شخص ہیں جن کے زمانہ میں شرک مٹ جائے گا۔'' پھر تھوڑی ہی دیر بعد وہ ابر ہٹ گیا اور حضرت میرے پاس آگئے۔

[قسطلانی، المواھب اللدنیہ، باب آیات ولادتہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، ۷۷/۱]

۸۔دنیوی سہاروں کا اٹھ جانا:

جناب سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی والدہ ماجدہ کے شکمِ اقدس[۱] ہی میں تھے کہ آپ کے والد ماجد حضرت عبداللہ کی وفات ہوگئی۔ حضرت عبدالمطلب نے ان کو چھوہارے خریدنے مدینہ منورہ بھیجا تھا، وہیں وفات پائی۔ اور جب آپ چار[۲] برس کے ہوئے تو آپ کی والدہ جناب آمنہ خاتون نے بھی اس عالمِ فانی سے رحلت فرمائی۔ آپ کی کفالت حضرت عبدالمطلب نے اپنے ذمہ لی۔ جب عمر شریف آٹھ برس دو مہینے دو روز کی ہوئی، تو حضرت عبدالمطلب بھی راہی ملک بقا ہوئے اور آپ کی کفالت کا شرف حضرت ابو طالب کو ملا۔

۱۔بعض روایتوں میں آیا ہے کہ حضرت رسول اللہؐ پیدا ہو چکے تھے ۱۲

۲اس تعداد میں اختلاف ہے حضرت کے والدین ماجدین کے کفر و ایمان کے متعلق بہتر یہی ہے کہ سکوت کیا جائے بعض روایات میں آیا ہے کہ وہ دونوں زندہ کیے گئے اور حضرت پر ایمان لائے ۱۲

[ابن ھشام، السیرۃ النبویۃ، موت عبد اللہ، ص:۱۵۸/۱/۱۔ دلائل النبوۃ ۱/۱۵۳]
[ابن ھشام، السیرۃ النبویۃ۔ وفاۃ آمنہ، ص:۱/۱۶۸]
[ابن ھشام، السیرۃ النبویۃ، وفاۃ عبد المطلب، ص:۱/۱۶۹]

۹۔ اُمّی کا معلّمِ کائنات بنایا جانا:

عرب میں یوں بھی پڑھنے لکھنے کا چنداں (زیادہ) رواج نہ تھا، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم یتیم تھے، اور بچپن کی یتیمی کے باعث آپ کی دل شکستگی کا خیال، اسی قسم کی وجوہات نے آپ کی کفالت کرنے والوں کو اس طرف متوجہ نہ ہونے دیا، اور آپ کو کسی استاد کے سامنے زانوئے ادب تہہ کرنے کی نوبت نہیں آئی، اور آپ اُمی رہے۔

امی	و	کتابخانہ	درِ	دل
خالی	و	باوجِ	عرشِ	منزل

رضاعت کا بیان

عرب کا دستور:

عرب میں دستور تھا کہ مائیں اپنے بچوں کو خود بہت کم دودھ پلاتی تھیں، بلکہ اطراف و جوانب میں کچھ قبیلے ایسے تھے، جن کی بسر اوقات اسی پیشہ رضاعت پر تھی۔ یہ کام انہیں سے لیا جاتا تھا۔ وہاں کی عورتیں ہر موسم میں آتیں اور شہر سے بچوں کو لے جاتی تھیں، ایامِ رضاعت کے تمام ہو جانے کے بعد بچوں کو ان کے والدین کے پاس پہنچا دیتی تھیں۔

رضاعت کا شرف حاصل کرنے والی خواتین:

چنانچہ جب آنحضرت ﷺ پیدا ہوئے، تو سب سے پہلے آپ کی والدہ ماجدہ حضرت آمنہ نے تین دن یا سات دن آپ کو دودھ پلایا۔ پھر ثوبیہ کنیز ابولہب نے (جن کو ولادت کی بشارت کے صلہ میں ابولہب نے آزاد کر دیا تھا)

[زرقانی، شرح المواھب، باب ذکر رضاعہ ﷺ۔ ۱/۲۵۸]

پھر خولہ بنت منذر اور ام ایمن نے یہ شرف حاصل کیا۔ پھر قبیلہ سعد کی ایک عورت نے پھر اور تین عورتوں نے، ان میں سے ہر ایک کا نام عاتکہ تھا۔ مگر ان سب نے تھوڑے دن دودھ پلایا، زیادہ حضرت حلیمہ بنت ابی ذویب نے (جو قبیلہ بنی سعد سے ہیں) آپ کو دودھ پلایا۔ وہ سب کے بعد اس دولت سے مشرف ہوئیں۔

[علی الحلبی، السیرۃ النبویۃ، باب ذکر رضاعہ ﷺ و ما اتصل بہ۔ ۱/۱۲۹]

حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا کے بخت کی یاوری:

فرماتی ہیں۔ کہ میں اپنے قبیلہ کی چند عورتوں کے ساتھ دودھ پینے والے بچوں کی تلاش میں مکے آئی۔ اس زمانہ میں ہمارے یہاں سخت قحط سالی تھی۔ اس قدر دودھ بھی میرے نہ تھا، جو میرے بچہ کو کفایت کرتا، نہ میری اونٹنی اتنا دودھ دیتی تھی کہ وہ ضروریات کو کافی ہوتا۔ میرے ساتھ کی عورتیں رسول خدا ﷺ کا ذکر کیا کرتی تھیں، مگر جب ان کو یہ معلوم ہوا کہ آپ یتیم ہیں، اور آپ کی رضاعت میں کسی معقول نفع کی امید نہیں ہے، تو سب نے انکار کر دیا اور دوسرے بچے لے لیے، میں باقی رہ گئی، اور مجھے کوئی بچہ نہ ملا تھا۔ مجبور ہو کر میں نے آپ کو قبول کر لیا۔

بچپن ہی سے ظہورِ برکات:

جب میں آپ کو لے کر چلی تو بہت سے عجائبات مشاہدہ کیے، جس گدھی پر میں سوار تھی، اس نے کعبہ کی طرف سجدہ کیا، اور یا وہ بے حد سست تھی، یا تمام قافلہ سے آگے چلنے لگی۔ اس قسم کے حالات دیکھ کر میری ساتھ والیاں کہتی تھیں کہ حلیمہ کی شان ہی نرالی ہے۔ محض آپ کی برکت سے ہماری وہ سب تنگی وعسرت دفع ہوگئی۔ ہمارے مویشی خوب دودھ دینے لگے، جب مدتِ رضاعت ختم ہوگئی، تو میں آپ کو جناب آمنہ رضی اللہ عنہا کے پاس لے گئی، مگر آپ کی مفارقت گوارا نہ ہوئی، اور میں نے آپ کی والدہ ماجدہ سے باصرار چند روز کے لیے آپ کو اپنے پاس اور رکھنے کی اجازت لی۔ اور آپ کو واپس لے گئی۔ مگر دو تین مہینے گزرے تھے کہ واقعہ شق صدر پیش آیا، جس میں میں ڈر گئی، اور مناسب سمجھی کہ آپ کو بخیریت واپس کر کے امانت سے سبکدوش ہو جاؤں۔

[بیہقی، دلائل النبوۃ، باب ذکر رضاع النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ۱/۱۴۰]

صَلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وعلی آلہ وصحبہ وبارک وسلم

باب دوم

نبوت سے قبل حالات

قبل از نبوت آپ کے حالات کی حفاظت کی طرف لوگوں کو ایسی توجہ نہ تھی۔ اسی وجہ سے آپ کے بہت سے حالات مروی نہیں ہوئے۔ مگر تاہم آپ کے حالات چوں کہ معمولی نہ تھے، لہٰذا بعض حالات جن میں کچھ مافوق الفطرۃ باتیں تھیں، لوگوں کو یاد رہ گئے۔ چنانچہ بالاختصار کچھ واقعات لکھے جاتے ہیں:

۱۔ بچپن ہی سے عدل و انصاف کا درس:

حضرت حلیمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو میں نے سب سے پہلے اپنا داہنا پستان دیا۔ آپ نے دودھ پی لیا۔ پھر میں نے ہر چند چاہا کہ بائیں پستان سے بھی آپ پئیں، مگر آپ نے نہ پیا اور ہمیشہ یہی دستور رہا کہ داہنی طرف کا دودھ آپ پیتے اور بائیں پستان اپنے رضاعی بھائی کے لیے چھوڑ دیتے تھے۔ سبحان اللہ کیسا عدل و انصاف تھا؟

صَلَّى اللهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَعَلٰى آلِهٖ وَ صَحْبِهٖ وَ بَارِكْ وَسَلَّمْ۔

[قسطلانی، مواھب اللدنیہ، باب ذکر رضاعہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم، ۱/۹۱]

۲۔ میرا بیٹا اسی قابل ہے:

بچپن میں آپ مثل اور لڑکوں کے کبھی کھیل کود میں مشغول نہ ہوتے تھے۔ بلکہ جب آپ اور لڑکوں کو کھیلتے ہوئے دیکھتے تو ان سے علیحدہ ہو جاتے تھے، اور لڑکوں کی طرح آپ کے لیے تنبیہ و تادیب کی ضرورت نہیں ہوئی۔ بلکہ آپ کے بزرگ

خود ہی آپ کی تعظیم وتکریم کرتے تھے، جو شخص بچپن میں آپ کو دیکھتا وہ سمجھ لیتا کہ آئندہ آپ کی شان کچھ اور ہی ہونے والی ہے۔ آپ کے جد امجد حضرت عبدالمطلب کے لیے خانہ کعبہ میں فرش بچھا دیا تھا۔ اس پر بہ لحاظ ادب کوئی اور نہیں بیٹھتا تھا (اس لیے کہ حضرت عبدالمطلب سردار قریش تھے) مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب تشریف لے جاتے، اسی فرش پر بیٹھتے۔ ایک مرتبہ کسی نے منع کیا، تو حضرت عبدالمطلب نے فرمایا: ''منع نہ کرو میرا بیٹا اسی قابل ہے''۔

[ابن ھشام، السیرۃ النبویۃ، اکرام عبدالمطلب لہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وھو صغیر ص، ۱/۱۶۸]

۳۔ دو مرتبہ شق صدر کا پیش آنا:

قبل نبوت دو مرتبہ شق صدر واقع ہوا۔ ایک مرتبہ حضرت حلیمہ رضی اللہ عنہا کے یہاں ہوا۔ اس کو حضرت حلیمہ کے بیٹے نے دیکھا اور خوف زدہ ہو کر دوڑتے ہوئے اپنی والدہ کے پاس آ کر بیان کیا کہ ''اے ماں میرے قریشی بھائی کو دو سفید پوش مردوں نے آ کر لٹا دیا اور ان کا سینہ چاک کر ڈالا۔

[بیہقی، دلائل النبوۃ، باب ذکر رضاع النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، ۱/۱۴۰]

اور دوسری مرتبہ شق صدر دس برس کی عمر میں واقع ہوا، اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جنگل میں تھے۔''[1]

[قسطلانی، مواھب اللدنیہ، باب ذکر رضاعہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، ۱/۹۶]

۴۔ بادل کا سایہ فگن ہو جانا:

جب آپ دھوپ میں چلتے تھے، تو ایک ٹکڑا ابر کا آپ کے سرِ اقدس پر سایہ کر لیتا

---

[1] تیسری مرتبہ شق صدر بوقت بعثت ہوا اور چوتھی مرتبہ بوقت معراج۔ صورت یہ ہوئی تھی کہ فرشتے آپ کا سینہ مبارک چاک کرتے اور آپ کے قلب مبارک کو نکال کر ایک طشت میں جس میں آب زمزم بھرا ہوتا تھا دھوتے اور کدورت وغیرہ صاف کرتے تھے۔

تھا۔حضرت حلیمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں گوارا نہ کرتی تھی کہ آپ گھر سے کسی دور جگہ جائیں۔ایک مرتبہ میری غفلت میں آپ کی رضاعی بہن (شیماء) دوپہر کے وقت آپ کو بکریوں کے ساتھ جنگل لے گئیں۔میں (شیماء) پر خفا ہونے لگی کہ تم ایسی دھوپ میں انہیں باہر لے گئیں۔انہوں نے جواب دیا کہ اے ماں! میرے قریشی بھائی کو دھوپ سے کچھ تکلیف نہیں ہوتی۔بادل ان پر سایہ کر لیتا ہے۔"

[قسطلانی،مواھب اللدنیہ،باب ذکر رضاعہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم،ص۔۱/۹۶]

۵۔چاند کا اشارۂ نبوت پر کھیلنا:

حضرت عباس بن عبدالمطلب سے مروی ہے، وہ کہتے تھے کہ میں نے بچپن میں رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو دیکھا کہ آپ چاند سے باتیں کرتے اور انگشت مبارک سے اس کی طرف اشارہ فرماتے تھے جس طرف اشارہ فرماتے تھے وہ ہٹ جاتا تھا۔

[قسطلانی،مواھب اللدنیہ،۱/۲۰۱]

۶۔بوسیلۂ آنجناب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم بارش کا برسنا:

حضرت عبدالمطلب کے بعد ایک مرتبہ مکہ میں قحط پڑا،قریش نے ابوطالب سے کہا کہ دعا کیجیے! حضرت ابوطالب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو ساتھ لے کر کعبہ کے پاس آئے، اور حضرت کے وسیلہ سے دعا مانگی۔ابھی ختم نہ ہوئی تھی کہ زور شور سے پانی برسنے لگا اور خوب برسا۔اس مضمون کو حضرت ابوطالب نے اپنے شعر میں نظم کیا ہے۔

و ابیض یستسقے الغمام بوجهه
ثمال الیتامی عصمة للارامل

[قسطلانی،المواھب اللدنیہ،ذکر حضانتہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم،ص ۱/۱۱۲]

"یعنی وہ گورے رنگ والا جس کے منہ کے وسیلہ ابر سے پانی مانگا جاتا تھا (یہی ہے) یتیموں کا ماوا اور بیواؤں کا ملجا"۔

۷۔حیاءِ طبعی کا کامل نمونہ:

بت پرستی اور بے حیائی کے کاموں سے آپ ہمیشہ مجتنب رہے۔اگر چہ اس وقت تک آپ نہ جانتے تھے کہ یہ باتیں کیوں قبیح ہیں اور ان کے اجتناب میں فوائد کیا ہیں؟ مگر طبعی تنفران کاموں سے آپ کو باز رکھتا تھا۔زمانہ جاہلیت میں برہنہ طواف کرنا بڑی عبادت سمجھا جاتا تھا۔ایک مرتبہ لوگوں نے آپ سے بھی اصرار کیا۔یہاں تک کہ جبراً آپ کی ازار مبارک کھول ڈالی،اس وقت آپ بے ہوش ہو کر گر پڑے۔

[السیرۃ الحلبیہ ،باب ما حفظہ اللہ بہ فی صغرہ من امر الجاہلیۃ ص،۱۷۸/۱]

۸۔''امین''اور''صادق''لقب مل جانا:

آپ کی صداقت و امانت مکہ میں مشہور تھی اور اس قدر تجربہ میں آچکی تھی کہ آپ کا لقب ہی''امین''اور''صادق''ہو گیا تھا۔

[قسطلانی،المواھب اللدنیہ،باب ذکر اسمائہ الشریفۃ ص،۴۶۲/۱]

۹۔بحیرا راہب کا نبوت کی تصدیق کرنا:

آپ کو مکہ سے باہر جانے اور سفر کرنے کا قبل از نبوت صرف تین بار اتفاق ہوا۔ایک مرتبہ یمن کی طرف اپنے چچا حضرت زبیر اور حضرت عباس کے ہمراہ اور دو مرتبہ ملک شام کی طرف، پہلی بار اپنے چچا ابو طالب کے ساتھ،اس وقت آپ کی عمر شریف دس برس کی تھی۔جب قافلہ شہر بصری میں پہنچا تو مذہب عیسوی کے ایک عالم درویش بحیرا راہب کی نظر آپ پر پڑگئی،اور اس نے پہچان لیا۔ابو طالب سے کہنے لگا کہ''خدا کے رسول ہیں،اور یہی وہ نبی امی ہیں جن کی بشارت تورات و انجیل میں ہے''جب آپ لوگ یہاں اترے تو درختوں پتھروں نے ان کو سجدہ کیا، یہ بات نبی کے ساتھ مخصوص ہے۔آپ ان کو شام نہ لے جائیے! مکہ واپس لے

جائیے، ورنہ شام کے یہودیوں سے ان کو ضرر پہنچنے کا اندیشہ ہے، اور دوسری بار حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے غلام میسرہ کے ہمراہ بغرض تجارت حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی طرف سے سفر کیا۔ اب کی مرتبہ خاص ملک شام میں پہنچے۔ ایک گرجا کے قریب قیام کیا۔ اس گرجا کے راہب نے بھی آپ کو پہچان لیا۔ میسرہ کا بیان ہے کہ جب دھوپ کا وقت ہوتا تو دو فرشتے آپ پر سایہ کر لیتے تھے۔

[اصفہانی، دلائل النبوۃ، باب ذکر خروج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم الی الشام، ص ۱/۱۶۸]

۱۰۔ حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کے ساتھ نکاح مبارک کا ہونا:

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا قریش میں بڑی صاحبِ حسب اور صاحبِ عقل و تدبیر تھیں۔ عورتوں میں ایسی باتیں کم ہوتی ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اوصافِ جمیلہ سن سن کے اور یہ معلوم کر کے کہ علماء یہود و نصاریٰ کو آپ کی نسبت نبی موعود ہونے کا خیال ہے۔ اس بات کی محرک ہوئیں کہ آپ ان کو اپنی زوجیت میں قبول فرمائیں۔ حضرت نے منظور فرمایا۔ اس وقت آپ کی عمر شریف پچیس (۲۵) سال تھی اور حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی چالیس (۴۰) سال۔ ابو طالب نے آپ کا نکاح کر دیا، خطبہ نکاح میں یہ جملہ بھی کہا تھا:

ابن اخی محمد بن عبدالله لا یوزن برجل الا رجح به و ان کان فے المال قل فان المال ظل زائل و امرحائل

[قسطلانی، المواہب اللدنیہ، ذکر حضانتہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ۱/۱۱۷]

''یعنی یہ میرے بھتیجے محمد بن عبداللہ ایسے ہیں کہ دنیا میں کوئی شخص ان کا مثل نہیں ہے، گو مال ان کے پاس نہیں ہے مگر مال ایک عارضی چیز ہے''۔

۱۱۔تعمیرِ کعبہ میں حکم بننا:

جب عمر شریف پینتیس (۳۵) سال کی تھی، اس وقت قریش نے کعبہ مکرمہ کی از سرِ نو تعمیر کا ارادہ کیا۔عمارت سابقہ بہ چند وجوہ قابل ترمیم تھی۔ چنانچہ اس کو منہدم کر کے نئی عمارت کی بنیاد قائم کی۔عمارت کا ہر حصہ ہر قبیلے نے تقسیم کر لیا۔جب حجرِ اسود کے رکھنے کا وقت آیا، تو بڑی نزاع ہوئی۔ ہر ایک قبیلہ یہی چاہتا تھا کہ یہ شرف مجھی کو حاصل ہو، حجرِ اسود میں ہی رکھوں، آخر سب اس بات پر متفق ہوئے کہ دروازہ سے پہلا شخص جو آئے، اسی سے فیصلہ کرایا جائے۔خدا کا کرنا یہ کہ اس وقت مسجد کے دروازے سے سب سے پہلے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لائے۔آپ کے آتے ہی ہر طرف سے آوازیں آنے لگیں کہ ''وہ امین آ گئے'' ان کے فیصلہ پر ہم سب راضی ہیں۔حضرت نے حجرِ اسود اپنے دست حق پرست سے اٹھا کر ایک چادر میں رکھ دیا اور فرمایا کہ اس چادر کو تمام قبائل کے لوگ مل کر اٹھائیں۔ پھر مقامِ مقصود پر پہنچ کر آپ نے حجرِ اسود کو اپنے ہاتھ سے اٹھا کر رکھ دیا۔سب لوگ اس فیصلہ سے بہت خوش ہوئے اور وہ نزاع مٹ گئی اور بڑی کرامت آپ کے نام رہی۔

[السیرۃ الحلبیہ ،باب بنیان قریش الکعبۃ،ص۔ ۱/۲۰۴]

۱۲۔تجارتی امور میں مشغول ہونا:

نبوت سے پہلے کسبِ معاش میں بھی دو تین مرتبہ آپ کا وقتِ گرامی کچھ کچھ صرف ہوا، ایک مرتبہ بغرض تجارت یمن تشریف لے گئے، کچھ دنوں اہل مکہ کی بکریاں اجرت پر چرائیں، جو سنت قدیمہ انبیاء علیہم السلام کی ہے۔

[سہیلی ا،الروض الانف،باب شرح ما فی حدیث الرضاع،ص ۲/۱۱۶]

اور بالکل آخر آخر میں حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ مضاربت کا معاملہ کیا اور بغرض تجارت شام تشریف لے گئے۔[حلبی ،السیرۃ الحلبیۃ،سفرہ الی الشام ثانیا،۱/۱۹۳]

باب سوم

بعثت کا ذکر

ا۔ دعائے ابراہیمی کا ظہور:

جب عمر شریف چالیس برس کی ہوئی، تو دوشنبہ کے دن ۱۷ رمضان کو اور ایک قول کے مطابق ۲۴ رمضان اور ایک قول کے مطابق ۸ ربیع الاول کو جب کہ خسرو پرویز بادشاہ ایران کے جلوس کا بیسواں سال تھا، وہ لازوال دولت آپ کو عنایت ہوئی، جو روزِ اول سے آپ کے لیے نامزد ہو چکی تھی۔

[قسطلانی، المواھب اللدنیہ، باب بعثۃ النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، ص: ۱۱۸/۱]

جس کی دعا حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کی تھی، اور جس کی بشارت حضرت مسیح علیہ السلام نے دی تھی۔ یعنی حق تعالیٰ نے آپ کو اپنی تمام مخلوق کی طرف رسول بنایا اور نبوت کا انمول تاج آپ کے سر مبارک پر رکھ دیا۔

یوں تو یہ منصبِ عظیم آپ کے لیے روز اول سے مقرر ہو چکا تھا، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ایک بار پوچھا کہ یہ منصب آپ کو کب ملا؟ تو آپ نے فرمایا:

((كُنْتُ نَبِيًّا وَادَمُ بَيْنَ الْمَاءِ وَالطِّيْن)) [فیض القدیر للمناوی: 6424]

((كُنْتُ نَبِيًّا وَآدَمُ بَيْنَ الرُّوحِ وَالْجَسَدِ)) [مصنف ابن ابی شیبہ: 37708)]

یعنی میں اس وقت بھی نبی تھا جب آدم پانی اور مٹی کے درمیان میں تھے، یعنی ان کے جسم مبارک کے لیے خمیر تیار ہو رہا تھا۔ لیکن ظہور اس منصب کا چالیس برس کی عمر میں ہوا۔

صلی اللہ تعالیٰ علیہ و علی آلہ و صحبہ و بارک و سلم

۲۔رویائے صادقہ کاملنا:

ابتدا یوں ہوئی کہ پہلے سے سچے سچے خواب آپ کو دکھائے جانے لگے، جو خواب آپ دیکھتے بہت جلد اس کی ہُو بہو تعبیر ظہور میں آتی اور یہ ہوا کہ جب آپ کا گزر کسی طرف ہوتا تو آواز آتی:

((السلام علیک یا رسولَ اللہ))

حضرت ادھر ادھر دیکھتے کہ یہ کس نے سلام کیا مگر سوا درختوں اور پتھروں کے کوئی نظر نہ آتا تب بہت متعجب ہوتے۔

[ابن ھشام، السیرۃ النبویۃ باب تسلیم الحجارۃ والشجرۃ علیہ، ۱/۲۳۴]

پھر یہ ہوا کہ آپ کی طبیعت میں خلوت نشینی کا میلان پیدا کر دیا گیا۔اس قدر کہ مخلوق کی صحبت سے بہت وحشت ہوتی اور آپ کی طبع مبارک سخت گھبراتی۔پھر آپ کا یہ معمول ہو گیا کہ حضرت خدیجہ سے کئی کئی دن کا ناشتہ تیار کرا لیتے، اور حرا (ایک پہاڑ کا نام ہے) کی غار میں جا کر رہتے،کئی کئی روز باہر نہ آتے، ناشتہ ختم ہو جاتا تو واپس تشریف لاتے اور ناشتہ تیار کرا کے پھر چلے جاتے۔

۳۔منصبِ نبوت کا پہلا جلوہ:

ایک دن آپ غار میں ایک پتھر سے تکیہ لگائے بیٹھے تھے۔یہ معلوم ہوا کہ گویا پیچھے سے کسی نے دھکا دیا، آپ نے پلٹ کر دیکھا تو کوئی نظر نہ آیا۔اس کے بعد حضرت جبرئیل علیہ السلام سامنے آئے، اور آپ سے کہا پڑھیے۔آپ نے فرمایا میں پڑھا ہوا نہیں ہوں۔حضرت جبرئیل علیہ السلام نے آپ کو آغوش میں لے کر دبایا، پھر چھوڑ دیا اور کہا کہ پڑھیے۔آپ نے پھر وہی جواب دیا: حضرت جبرئیل علیہ السلام نے پھر اسی طرح دبایا اور کہا کہ پڑھیے۔آپ

نے پھر وہی جواب دیا۔ تیسری مرتبہ جبرئیل علیہ السلام نے آپ کو بہت زور سے دبایا (حضرت فرماتے ہیں کہ اب کی بار مجھے سخت تکلیف ہوئی) بعد اس کے کہا:

﴿اِقۡرَاۡ بِاسۡمِ رَبِّکَ الَّذِیۡ خَلَقَ ۚ﴿۱﴾ خَلَقَ الۡاِنۡسَانَ مِنۡ عَلَقٍ ۚ﴿۲﴾ اِقۡرَاۡ وَ رَبُّکَ الۡاَکۡرَمُ ۙ﴿۳﴾﴾ [العلق: ۱،۳]

''پڑھو اپنے پروردگار کا نام لے کر جس نے سب کچھ پیدا کیا۔ اس نے انسان کو جمے ہوئے خون سے پیدا کیا ہے۔ پڑھو، اور تمہارا پروردگار سب سے زیادہ کرم والا ہے''۔ [م۔ت]

پھر حضرت جبرئیل علیہ السلام غائب ہو گئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وہاں سے اٹھے، قلب مبارک آپ کا ہل رہا تھا اور وہ آیتیں بے ساختہ زبان مبارک پر جاری تھیں۔

[صحیح البخاری، باب کیف کان بدء الوحی الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، حدیث نمبر: ۳، ۱/۷]

۴۔ ورقہ بن نوفل کا بیان:

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے پاس تشریف لائے اور یہ عجیب وغریب واقعہ ان سے بیان کیا اور فرمایا کہ مجھے اپنے متعلق خوف ہے۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے تشفی کی اور کہا آپ گھبرائیں نہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ جیسے شخص کو ضائع نہ کرے گا۔ اس کے بعد وہ اپنے چچا زاد بھائی ورقہ بن نوفل کے پاس گئیں، اور ان سے یہ واقعہ بیان کیا۔ ورقہ اپنی تحقیق سے عیسائی ہو گئے تھے، اور اُس مذہب کے عالم تھے، انجیل کا ترجمہ عبرانی زبان سے عربی میں کیا کرتے تھے۔ انہوں نے کہا میں چاہتا ہوں کہ انہیں کی زبان سے اس واقعہ کو سنوں۔ چنانچہ خدیجہ رضی اللہ عنہا آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو لے گئیں، آپ کو جو کیفیت پیش آئی تھی، ان سے بیان کر دی۔ ورقہ نے کہا ''آپ خوش ہوں کہ آپ کو خدا نے نبی کیا یہ وہی فرشتہ تھا جو موسیٰ علیہ السلام اور عیسیٰ علیہ السلام کے پاس آتا

تھا۔آپ کو عنقریب تبلیغ کا حکم ملے گا اور آپ کی قوم کے لوگ آپ کے دشمن ہو جائیں گے، اور آپ کو مکہ سے نکال دیں گے۔کاش ...... !میں اس وقت تک زندہ رہتا تو آپ کی اچھی طرح مدد کرتا''۔مگر اس کے چند ہی روز بعد نبوت کے چوتھے سال میں ورقہ کی وفات ہوگئی۔[حوالہ بالا]

۵۔دوسری مرتبہ ہم کلامی کا شرف:

پھر چند روز تک کوئی واقعہ اس قسم کا پیش نہ آیا۔تو حضرت کے دل مبارک کو اضطراب ہوا۔بے اختیار طبیعت متقاضی تھی کہ اُس شخص کو پھر دیکھیں جسے غار حرا میں دیکھا تھا، اور پھر اس سے ہم کلامی کی لذت حاصل ہو۔چنانچہ ایک روز آپ نے دیکھا کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام آسمان و زمین کے درمیان معلق کھڑے ہیں اور اپنے دونوں بازو پھیلائے ہوئے ہیں۔ایک بازو مشرق میں ہے، دوسرا مغرب میں۔

[التفسیر لابن کثیر، والدر المنثور تحت آیۃ ولقد رآہ نزلۃ اخری]

۶۔آغازِ تبلیغ و رسالت:

اس کے بعد نزول وحی کا سلسلہ شروع ہوا۔آپ کو حکم ہوا کہ مخفی طور پر خاص خاص لوگوں کو ہدایت فرمائیے۔پھر تین برس کے بعد حکم ہوگیا کہ اب بالاعلان تبلیغ و رسالت کیجئے۔شرک و ظلم کی بُرائی برملا بیان فرمائیے۔سارے عالم کو نورِ توحید سے منور کر دیجیے۔مخلوقِ خدا کو قعرِ ظلمت سے عالم نور میں لائیے۔پس آپ نے کمر ہمت چست باندھ لی، اور تبلیغِ رسالت علانیہ شروع کر دی۔

۷۔اہلِ عرب کی حالت:

قسم ہے مالک عرش وکرسی کی۔آپ نے فرائضِ رسالت کو خوب ہی انجام دیا اورمخلوقِ خدا کی خیر خواہی میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ فرمایا۔ایک عالَم کو ایمان و یقین کی روشنی میں منور کردیا، خدا پرستی کی راہیں جو بے نشان ہو چکی تھیں، از سرِنو قائم کردیں۔اس وقت تمام دنیا میں جو تاریکی چھائی ہوئی تھی، اس کے بیان کے لیے ایک دفتر چاہیے، مختصر یہ ہے کہ تمام روئے زمین پر ابلیس کی حکومت تھی، کفر و شرک و مظالم کی گرم بازاری تھی، آدمیوں میں بہیمیت کے سوا کچھ باقی نہ رہا تھا عیسائی، یہودی، مجوسی، مشرک سب ایک حالت پر تھے۔عرب وعجم سب کی ایک کیفیت تھی، فواحش ومعاصی کو کوئی عیب نہ سمجھتا تھا، چوری وراہزنی کو لوگوں نے پیشہ بنالیا تھا۔لڑکیوں کا قتل کردینا ایک معمولی سی بات تھی۔اس ہادیٔ برحق نے دنیا کی یکا یک کایا پلٹ دی، اور بجائے کفر وشرک کے ایمان کی روشنی سے زمین کو جگمگا دیا۔تھوڑے ہی دنوں میں آپ کی تعلیم نے خدا پرستوں کی ایک بڑی جماعت تیار کردی، جن کی مثال پیش کرنے سے تاریخِ عالَم عاجز ہے۔

[ابن حجر،الاصابۃ،۱/۲۸]

صلی اللّٰہ علیہ وعلی آلہ وصحبہ وبارک وسلم

نبوت کے بعد تیرہ برس مکہ میں آپ کا قیام رہا۔پھر ہجرت کر کے مدینہ منورہ تشریف لے گئے، دس برس وہاں قیام ہوا۔کل تئیس سال میں آپ نے اپنا کام پورا کردیا۔

صَلَّی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وعلی آلہ وصحبہ وبارک وسلم

باب چہارم

واقعات قبل از ہجرت

ا۔السابقون الاولون:

جب تک آپ کو اعلان کا حکم نہ ملا تھا، آپ خاص خاص لوگوں کو خاص طور پر تفہیم وتلقین فرماتے تھے۔ چند ازلی سعادت مند دولتِ اسلام سے مشرف ہوئے۔ جنہیں قرآن شریف میں السابقون الاولون کے لقب سے یاد فرمایا گیا ہے۔ان میں سے جو حضرات سب سے پہلے آپ پر ایمان لائے ان کے اسمائے مبارکہ یہ ہیں۔حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ حضرت علی المرتضی رضی اللہ عنہ۔

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے مسلمان ہوتے ہی ادائے فرائضِ رسالت میں آپ کا ہاتھ بٹانا شروع کر دیا تھا، چنانچہ ان کی وعظ و تلقین سے اکابر صحابہ مثل حضرت عثمان وحضرت طلحہ وحضرت زبیر وحضرت سعد بن وقاص وحضرت عبدالرحمن بن عوف رضوان اللہ علیہم اجمعین ایمان لائے۔

[بیہقی، دلائل النبوۃ، باب من تقدم اسلامہ من الصحابۃ رضی اللہ عنہم ص،۱۶۰ تا ۱۶۵ جلد اول]

۲۔اسلام میں سب سے پہلے بہایا جانے والا خون:

جب تک اظہار و اعلان کا حکم نہ تھا مسلمان چھپ چھپ کر خدا کی عبادت کرتے تھے یہاں تک کہ جب کسی کو نماز پڑھنا ہوتی تو کسی جنگل یا پہاڑ کی طرف چلا جاتا اور وہیں پڑھ آتا ایک مرتبہ کچھ کافروں نے حضرت سعد کو مع اور چند مسلمانوں کے ایک پہاڑ کے

درے میں نماز پڑھتے دیکھ لیا اور مزاحمت کی۔ حضرت سعد نے ان میں سے ایک شخص کے سر میں ایک ضرب لگائی جس سے خون بہنے لگا۔ یہ پہلا خون ہے جو اسلام میں بہایا گیا۔ [صحیح المسلم، کتاب الزھد والرقاق، حدیث نمبر، ۲۹۶۶]

۳۔ مسلمانوں پر مظالم:

جب کفار نے دیکھا کہ آنحضرت ﷺ کی جماعت یوماً فیوماً ترقی کر رہی ہے، حتیٰ کہ علاوہ اشراف کے کافروں کے کئی غلام بھی اسلام قبول کر چکے ہیں اور ان کے دلوں میں آپ کی محبت و تعلیم ایسی سرایت کر گئی ہے، کہ ماسوا کی گنجائش نہیں رہی۔ تو تمام مکہ ظلم پر کمر بستہ ہو گیا اور آنحضرت ﷺ اور آپ کے اصحاب پر مظالم ہونے لگے۔ آنحضرت ﷺ نے خود فرمایا ''کہ جیسے مصائب مجھ پر گزر رہے ہیں کسی نبی پر نہیں گزرے''۔ [الجامع للترمذی، حدیث نمبر؛ ۲۴۷۲، ۴/۳۵۱]

۴۔ رسول اللہ ﷺ کے مصائب:

آنحضرت ﷺ کو پتھر مارے گئے۔ ایک مرتبہ ایک پتھر جبین مبارک پر ایسا لگا، کہ خون کا فوارہ چلنے لگا۔ چکر آ گیا حضرت پر نجاست پھینکی گئی۔ ایک مرتبہ آپ سجدے میں تھے۔ ایک اونٹنی کی اوجھڑی اور آلائش وغیرہ سرِ اقدس پر رکھ دی گئی۔ حضرت کی دو صاجزادیوں رقیہ اور ام کلثوم رضی اللہ عنہما کو جو عتبہ اور عتیبہ پسران ابولہب کے نکاح¹ میں تھیں، ستایا گیا۔ اوران بے زبان نبی زادیوں پر بڑے ظلم کئے گئے، آخر ان کو طلاق دی گئی۔ اس صادق و مصدوق ﷺ کو کاذب کہا گیا۔ ساحر و شاعر کا لقب دیا گیا۔ آپ مجنون کہہ کر پکارے گئے۔ غرض روحانی و جسمانی ہر قسم کے صدمے دیے گئے۔ [ابن اثیر، الکامل جلد دوم، ص ۲۶]

---

¹اس زمانہ میں مشرک اور مومن میں مناکحت جائز تھی ۱۲

۵۔صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے صبر آزما حالات:

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں جو لوگ کمزور تھے، ان پر ظلم کے پہاڑ توڑے جاتے تھے۔کسی کو گرم ریت پر لٹایا جاتا۔کسی کا جسم گرم پتھروں سے داغا جاتا تھا۔حضرت بلال رضی اللہ عنہ اور خباب رضی اللہ عنہ اور حضرت عمار رضی اللہ عنہ اور ان کے والد یاسر رضی اللہ عنہ اور والدہ سمیہ رضی اللہ عنہا کی شرمگاہ میں نیزہ مارا گیا، اور اس ناپاک ظلم سے وہ شہید ہوگئیں۔یہ اسلام کی پہلی شہیدہ ہیں، یہ واقعہ ۵ نبوت کا ہے۔حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ایسے چند غلاموں کو جن پر محض اسلام کی وجہ سے ظلم ہو رہا تھا، اپنے مال سے خرید کر آزاد کر دیا، جن میں سے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کا قصہ مشہور ہے۔

[ابن سعد، الطبقات الکبری، ج۳، ص۲۶،۲۷]

۶۔ ہجرتِ حبش:

جب مسلمانوں پر ظلم کی حد نہ رہی، تو ایک جماعت نے بہ اشارہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ملکِ حبش کی طرف ہجرت کی۔حبش میں ایک عیسائی بادشاہ کی حکومت تھی۔

مسلمانوں نے مکہ سے حبش کی طرف دو مرتبہ ہجرت کی۔پہلی ہجرت رجب ۵ نبوت میں ہوئی۔اُس ہجرت میں گیارہ مرد تھے، اور چار عورتیں تھیں۔حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بھی مع اپنی زوجہ محترمہ رقیہ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے، انہیں لوگوں میں تھے۔

یہ لوگ حبش پہنچ گئے، تو چند ماہ کے بعد اُن کو خبر ملی، کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اور مشرکین سے صلح ہوگئی، اور مکہ میں اب بالکل امن ہے، یہ خبر سن کر وہ لوگ شوال ۶ نبوت میں پھر مکہ واپس آئے، یہاں پہنچ کر معلوم ہوا کہ وہ خبر غلط تھی لہٰذا حبش کی طرف دوبارہ ہجرت ہوئی۔اس دوسری ہجرت میں قریب اَسّی آدمیوں کے تھے،

پہلی ہجرت کے کچھ لوگ اب کی مرتبہ نہیں گئے، جس میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ اس مرتبہ جو لوگ گئے تھے، وہ ملک حبش سے اس وقت واپس آئے، جب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم غزوہ خیبر میں مشغول تھے۔ یہ لوگ بعد فتح خیبر کے حضورِ نبوی میں پہنچے، حضرت نے غنیمتِ خیبر میں ان کو بھی حصہ دیا۔

[مجمع الزوائد، جلد ۶ ص، ۳۰، باب الہجرۃ الی الحبشۃ]

۷۔ حضرت نجاشی کا ایمان:

جب دوسری مرتبہ ہجرت کر کے مسلمان حبش گئے، تو سردارانِ مکہ نے باہم مشورہ کر کے کچھ تحفے بادشاہ حبش کے لیے بھیجے۔ مقصد یہ تھا کہ بادشاہ کو کسی طرح اس پر راضی کر لیں کہ جو مسلمان اس کی سلطنت میں آ کر پناہ گزین ہوئے ہیں، ان کو ہمارے حوالے کر دے مگر نجاشی (بادشاہ حبش) ایک سعید ازلی شخص تھے۔ جب کافروں نے ان سے یہ گفتگو کی، تو انہوں نے مسلمانوں کو بلا کر واقعہ کی تحقیق کی حضرت جعفر رضی اللہ عنہ نے کہا: اے بادشاہ! ہم نے کسی کی چوری نہیں کی، کسی کو قتل نہیں کیا، کسی کے بھاگے ہوئے غلام نہیں ہیں۔ بات یہ ہے کہ ہم بھی انہیں کے ہم مذہب تھے، پتھروں کو پوجتے تھے، ننگے ہو کر کعبہ کا طواف کرتے تھے، اپنی لڑکیوں کو زندہ دفن کر دیتے تھے، اور اسی طرح کے بہت سے کام بے رحمی اور بے شرمی کے انہوں نے بیان کیے، اور کہا: کہ خدا نے اپنا رسول ہماری طرف بھیجا، جو ہمیں اچھی باتوں کا حکم دیتا ہے، اور بری باتوں سے روکتا ہے، اس پر خدا کا کلام اترتا ہے۔ یہ کہہ کر انہوں نے سورہ مریم

﴿كٓهيٰعٓصٓ ﴿١﴾ ذِكْرُ رَحْمَتِ رَبِّكَ عَبْدَهٗ زَكَرِيَّا ﴿٢﴾﴾

سنائی، اس سورۃ کے پڑھتے ہی تمام دربار زیر وزبر ہو گیا، بادشاہ اور مسیحی علماء جو

دربار میں تھے، رونے لگے، پھر بادشاہ نے بڑے اشتیاق سے رسول خدا ﷺ کے حالات پوچھے، اور مسلمان ہو گئے (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) اور مسلمانوں سے کہا: کہ آپ لوگ بے خوف وخطر بڑے آرام سے میرے ملک میں رہیے۔
[دلائل ابی نعیم، ج ۱، ص ۸۱]

۸۔ کفارِ مکہ کی منصوبہ بندی اور مقاطعت:

جب کافروں نے دیکھا کہ ہمارے مظالم کا کچھ نتیجہ نہ نکلا اور مسلمان حبش میں بڑی آزادی سے اپنے مذہب کے فرائض ادا کر رہے ہیں، اور رسولِ خدا ﷺ کی سرگرمی تبلیغِ رسالت میں اسی شان پر ہے، کوئی شدید سے شدید ظلم اس مامور من اللہ ﷺ کے ارادہ میں ذرہ برابر جنبش نہیں پیدا کرتا، بظاہر نہ کوئی یار ہے، نہ مددگار، نہ فوج ہے، نہ لشکر، اور جو کلام آپ کی زبان پر جاری ہے وہ اس جلال و جبروت کا ہے، کہ بادشاہ ہفت اقلیم بھی ایسی بات منہ سے نکال کر امن وچین سے نہیں بیٹھ سکتا۔ تو سب کافروں نے بالاتفاق آپ کے قتل کی رائے مضبوط کر لی۔ مگر چوں کہ آنحضرت ﷺ کے چچا ابو طالب کافروں کے سردار تھے، اور آپ کے حامی و جان نثار۔ لہٰذا جب ان سے یہ تذکرہ آیا تو وہ کسی طرح راضی نہ ہوئے بلکہ تمام بنی ہاشم کو (جن میں کافر و مسلمان سب شامل تھے) انہوں نے اس بات پر مستعد کر دیا کہ اہل مکہ کے مقابلہ میں آنحضرت ﷺ کی حمایت کریں۔ یہ حال دیکھ کر کافروں نے یہ معاہدہ کیا کہ کوئی شخص بنی ہاشم کے ساتھ خرید وفروخت، نشست برخاست، مناکحت، مجالست نہ کرے، یہ معاہدہ ان کے دستور کے مطابق کعبہ میں آویزاں کر دیا گیا۔ [فتح الباری، ج ۷، ص ۱۴۷]

۹۔سکونت ابی طالب:

حضرت ابو طالب مع تمام بنی ہاشم کے مکہ سے چلے گئے، اور مشرقی جانب پہاڑی چٹانوں سے گھرا ہوا ایک مقام تھا۔ وہاں سکونت اختیار کرلی، اس مقام کا نام ''شعب ابی طالب'' ہے۔ یہ واقعہ ۷ نبوت کا ہے، شعب ابی طالب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کچھ کم تین برس رہے۔ یہ وقت بہت سختی اور تکلیف کا تھا۔ بالآخر انہیں سنگ دل کافروں میں سے کچھ لوگ اپنا معاہدہ توڑنے پر آمادہ ہوئے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو بذریعہ وحی اطلاع ہوئی، کہ معاہدہ کو دیمک نے کھالیا، صرف اللہ کا نام باقی ہے اور بس۔ آپ نے ابی طالب سے یہ واقعہ بیان کیا، انہوں نے جا کر کفار مکہ سے کہا، اس پر وہ معاہدہ ٹوٹ گیا اور ۱۰ نبوت میں حضرت مع تمام بنی ہاشم کے شعب ابی طالب سے باہر آئے۔ [ابن سعد، الطبقات، ج۱، ص ۱۳۹ تا ۱۴۱]

۱۰۔حضرت ابوطالب اور حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی وفات:

شعب ابی طالب سے نکلنے کے آٹھ مہینے اکیس دن بعد حضرت ابو طالب کی وفات ہوگئی، اور اس کے تین دن بعد حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے بھی جنۃ الفردوس کی راہ لی۔ اب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم بالکل تنہا رہ گئے، تھوڑی بہت تقویت جو ابو طالب سے تھی، وہ بھی جاتی رہی۔ اور حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے جو اُنس وغم خواری ظہور میں آتی تھی، وہ بھی منقطع ہوگئی۔ [زرقانی، شرح المواہب، ج۱، ص ۲۹۱ تا ۲۹۶]

۱۱۔سفرِ طائف:

اسی ۱۰ نبوت میں بعد وفات ابوطالب و حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم شہرِ طائف اور قبیلہ ثقیف کی طرف تشریف لے گئے، تا کہ ان لوگوں کو اسلام کی دعوت دیں۔ مگر انہوں نے آپ کے ساتھ نہایت ظالمانہ برتاؤ کیا، اور مہمان نوازی یہ کی

کہ اپنے غلاموں اور احمقوں کو لگا دیا۔ وہ بد بخت آنحضرت ﷺ کو گالیاں دینے اور پتھر مارنے لگے، یہاں تک کہ دونوں پائے مبارک خون آلود ہو گئے۔ اسی حالت میں آپ وہاں سے واپس ہوئے، اثنائے راہ میں ایک باغ ملا، حضرت ایک درخت کے سایہ میں بیٹھ گئے۔ مالک باغ نے مسافر غریب الوطن سمجھ کے ایک طبق میں کچھ انگور اپنے غلام کے ہاتھ آپ کو بھیجے، آپ نے اس غلام کو تلقین اسلام فرمائی، وہ مسلمان ہو گئے۔ نام ان کا "عدس" تھا۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ [ابن سید الناس، عیون الاثر ج ۱، ص ۱۳۴]

۱۲۔ جنات کا اسلام لانا:

نیز اثنائے راہ میں بمقام نخلہ (جو مکہ سے ایک دن کی راہ ہے) کچھ دیر آپ ٹھہرے، وہاں سات جن مقام نصیبین کے رہنے والے آئے، اور قرآن سن کر آپ پر ایمان لائے۔ یہ واقعہ سورۃ جن میں مذکور ہے۔

۱۳۔ مدینہ میں اسلام کا ظہور:

۱۱ نبوت میں حق تعالیٰ نے انصار کو اسلام کی طرف متوجہ کیا۔ اس کی مختصر کیفیت یہ ہے کہ رسول خدا ﷺ موسم حج میں اطراف و جوانب کے قبائل کے پاس (جو بغرض حج آتے تھے) تشریف لے جاتے، اور ان سے فرماتے تھے کہ قریش مجھے بہت ستاتے ہیں، اور تبلیغ احکام الٰہی میں مزاحمت کرتے ہیں۔ تم لوگ میری مدد کرو اور مجھے اپنے یہاں لے چلو، مگر کوئی آپ کی بات نہ سنتا تھا اسی سلسلہ میں آپ کا گزر ایک مرتبہ اس مقام پر ہوا، جہاں مدینہ منورہ کے لوگ ٹھہرے ہوئے تھے، ان سے بھی آنحضرت ﷺ نے اسی طرح فرمایا۔ وہ لوگ یہودانِ مدینہ سے نبی امی ﷺ کا تذکرہ سن چکے تھے، اور ان کو حضرت کے ظہور کا علم تھا۔ اس سبب سے

وہ لوگ فوراً متوجہ ہو گئے ۔اور ان میں سے چھ آدمی اسی وقت ایمان لائے اور آپ کے دست مبارک پر بیعت کی ۔ یہ بیعت مقام عقبہ میں ہوئی تھی ۔اس لیے اس کو بیعت ''عقبہ اولیٰ'' کہتے ہیں، ان لوگوں نے مدینہ منورہ پہنچ کر حضرت کا ذکرِ خیر ہر ایک سے کرنا شروع کر دیا۔کوئی گھر مدینہ کا ایسا نہ تھا، جس میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا چرچا نہ ہو۔ یہاں تک کہ سال آئندہ تیرہ شخص آ کر حضرت سے ملے، ان میں چھ وہ جو سال گذشتہ میں اسلام لا چکے تھے اور سات اور۔ یہ بیعت عقبہ ثانیہ کے نام سے مشہور ہے ۔ ان لوگوں سے مدینہ منورہ میں اسلام کا خوب چرچا ہوا۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کو تعلیمِ قرآن کے لیے مدینہ منورہ بھیج دیا۔ پھر سال آئندہ میں ستر آدمی مدینہ منورہ سے آ کر مشرف با سلام ہوئے، یہ ''بیعت عقبہ ثالثہ'' کہلاتی ہے ۔

[زرقانی،شرح المواهب، ج ۱،ص ۳۱۶ ،ابن هشام، سیرت النبی ، ج ۱،ص ۱۵۶]

۱۴۔انصارِ مدینہ:

اب مدینہ منورہ میں اسلام کی اشاعت خوب ہونے لگی اور ایک بڑی جماعت خدا پرستوں کی وہاں قائم ہوگئی ۔انہیں لوگوں کو قرآن شریف میں ''انصار'' کا لقب دیا گیا ہے، ان حضرات نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے باصرار تمام التجا کی کہ آپ مدینہ منورہ چلیں اور مکہ کو چھوڑ دیں ۔حضرت نے ان کی درخواست منظور فرمائی ،مگر تعین وقت کو خدا کے حکم پر حوالہ کیا۔[زرقانی،شرح المواهب ج ۱،ص،۳۱۸]

۱۵۔معراج نبوی:

۱۲ نبوت میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو معراج ہوئی، جو آپ کے فضائل مختصہ میں سے ہے ۔اس وقت عمر مبارک اکاون برس نو ماہ کی تھی ۔حضرت جبرئیل براق لے کر خدمت

میں حاضر ہوئے، اور حضرت کو اس پر سوار کر کے پہلے بیت المقدس لے گئے۔ پھر وہاں سے آسمانوں پر لے گئے۔ وہاں کے عجائب و غرائب ملاحظہ فرمائے۔ حق سبحانہ کے دیدار سے مشرف ہوئے، جنت دیکھی، دوزخ دیکھی۔ انبیاء علیہم السلام سے ملاقات کی۔ وہیں پنج وقتی نماز کی فرضیت کا حکم ملا۔ یہ معراجِ جسمانی تھی۔ تاریخ میں اختلاف ہے۔ بعض نے ۲۷ ربیع الاول لکھی ہے۔ بعض نے ۲۷ ربیع الآخر، بعض نے ۲۷ رجب اور یہی زیادہ مشہور ہے۔ اس کے علاوہ روحانی معراج ۳۳ بار ہوئی، جیسا کہ امام شعرانی نے لکھا ہے۔ [زرقانی، شرح المواہب، ج ۱، ص ۳۰۷]

۱۶۔ فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کی دلیرانہ ہجرت:

جب انصار سے بیعت عقبہ ہو چکی اور وہ لوگ ہر طرح سے نصرت و معاونت پر کمر بستہ ہوئے، تو رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے اُن اصحاب سے جو مکہ میں تھے، حکم دیا کہ آہستہ آہستہ ایک ایک کر کے مدینہ کی طرف روانہ ہوں۔ چنانچہ یہ سب لوگ مخفی طور پر چلے گئے، مگر حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ دلیرانہ یہ کہہ کر وہاں سے چلے: ''کہ میں اس وقت ہجرت کرتا ہوں یہ نہ کہنا کہ چھپ کر بھاگ گیا۔ تم میں سے جس کو اپنے بچوں کو یتیم کرنا اور اپنی عورتوں کو بیوہ کرنا منظور ہو، وہ حرم سے باہر آ کر مجھے روک لے''، مگر کسی نے چوں نہ کی۔ اب مکہ میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اور علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ اور چند کمزور لوگوں کے سوا کوئی باقی نہیں رہا۔ [ابن سید الناس، عیون الاثر، ابن کثیر ج ۳، ص ۱۲۹]

۱۷۔ مدینہ کا سفر اور استقبالِ انصار:

شب جمعہ کو خود رسولِ خدا (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اپنے یارِ غار حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو

ساتھ لے کر مکہ سے روانہ ہوئے، تین دن غار ثور میں اقامت فرمائی، وہاں سے روانہ ہو کے ۱۲ ربیع الاول بروز شنبہ (ہفتہ) مدینہ منورہ پہنچ گئے۔ اس سفر میں حضرت صدیق رضی اللہ عنہ نے جیسی بے نظیر رفاقت کی اور مدینہ میں انصار نے جس شان سے آپ کا استقبال کیا، اور جس بے مثال جوشِ محبت کا اس موقع پر ظہور رہوا، اس کی کیفیت اس مختصر بیان میں نہیں آسکتی۔ خلاصہ یہ کہ جس روز حضرت مدینہ منورہ میں داخل ہوئے، عجب عید اور بہار کا دن تھا، تمام مدینہ میں ایک شور تھا، بچے گلی کوچوں میں خوشی خوشی یہ کہتے پھرتے تھے:

"جآء نبی اللہ جآء رسول اللہ"[1] انصاری خواتین نے یہ اشعار اسی وقت موزوں کیے تھے۔

طلع البدر علینا	من ثنیات الوداع
و جب الشکر علینا	ما دعا للہ داع
ایھا المبعوث فینا	
جئت بالامر المطاع	

[صحیح البخاری، باب مقدم النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، کتاب المناقب ج ۱، ص ۵۵۸]

"یعنی ماہ کامل نے ہم پر طلوع کیا مقام ثنیات الوداع سے، اس نعمت کا شکر ہم پر واجب ہے، جب تک کوئی دعا کرنے والا اللہ تعالیٰ سے دعا مانگے (یعنی قیامت) وہ نبی جو ہم میں بھیجا گیا ہے ایک فرمان واجب الاطاعۃ لایا ہے"۔

اب وہ زمانہ آگیا کہ اسلام کی قوت وشوکت روز افزوں ترقی کرے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وہ تمام پیشین گوئیاں جو ابتدائے بعثت میں فرمائی تھیں، پوری ہوں جن میں آپ نے کسریٰ و قیصر کے ممالک مفتوح ہونے اور مسلمانوں کے ہاتھ میں عرب وعجم کی بادشاہت آنے کے متعلق خبر دی تھی۔

---

[1] یعنی نبی اللہ تشریف لائے، رسول اللہ تشریف لائے۔

باب پنجم

واقعات بعد ہجرت

ا۔ اسلام میں سب سے پہلا جمعہ:

اہجری میں مدینہ آنے سے ایک مہینے بعد نماز (ظہر، عصر، عشا) میں چار رکعتیں کر دی گئیں۔ اس سے پہلے (ان میں بھی) دو ہی رکعتیں تھیں۔ اسی سنہ میں رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نمازِ جمعہ پڑھی۔ جب آپ قبا سے مدینہ چلے، تو آپ نے اَثنائے راہ میں قبیلہ بنی سالم کے یہاں جمعہ پڑھا۔ اور یہ پہلا جمعہ تھا، جو پڑھا گیا اور آپ نے اس وقت خطبہ بھی پڑھا اور یہ اسلام میں پہلا خطبہ تھا۔ اور اسی سنہ میں رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی مسجد مقدس بنائی، اور اپنی ازواج کے مکان تعمیر فرمائے اور مسجدِ قبا کی تعمیر کی۔

[طبری، تاریخ الامم والملوک، ۲، ص، ۳۹۴، ۳۹۵، البدایۃ والنہایۃ، ج ۳، ص، ۲۱۳]

۲۔ روزوں کی فرضیت:

۲ سنہ میں رمضان میں غزوہ بدر عظمیٰ ہوا۔ اور اسی سنہ میں شعبان میں رمضان کے روزے فرض کیے گئے اور رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فطرہ کا حکم دیا اور اسی سنہ میں شعبان ہی میں قبلہ بدلا گیا، بجائے بیت المقدس کے کعبہ۔ اور بعض لوگ کہتے ہیں کہ (تحویل کعبہ) رجب میں ہوئی، اور اسی سنہ میں عید سے دو دن پہلے صدقہ فطر واجب کیا گیا، اور اسی سنہ میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مدینہ میں قربانی کی، اور لوگوں کو لے کر عید کی نماز پڑھنے گئے، اور دو بکریاں اپنے ہاتھ سے ذبح فرمائیں اور بعض کا قول ہے کہ ایک بکری۔ [مخدوم محمد ہاشم سندھی ٹھٹھوی، بذل القوۃ، مترجَم بہ عہد نبوت کے ماہ وسال ۱۴۸ تا ۱۵۰]

۳، ۴۔غزوۂ احد اور ذات الرقاع:

۳ سنہ میں شوال میں غزوۂ احد ہوا، اور اسی سنہ میں بعض کا قول ہے کہ ۴ سنہ میں بماہ ربیع الاول شراب حرام کی گئی۔ [مخدوم محمد ہاشم سندھی ٹھٹھوی، بذل القوۃ، مترجم بہ عہد نبوت کے ماہ و سال ۱۷۹ تا ۲۰۲]

۴ سنہ میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے غزوہ ذات الرقاع میں نمازِ خوف پڑھی، یعنی لوگوں نے کہا کہ اسی سنہ میں مسافر کے لیے نمازِ قصر کا حکم دیا گیا۔ اور اسی سنہ میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک یہودی اور یہودیہ کو سنگسار کیا۔ اس کا قصہ مشہور ہے۔ اور اسی سنہ میں تیمم کی آیت نازل ہوئی۔ [مخدوم محمد ہاشم سندھی ٹھٹھوی، بذل القوۃ، مترجم بہ عہد نبوت کے ماہ و سال ۲۰۳ تا ۲۱۱]

۵۔غزوۂ خندق:

۵ سنہ ذی قعدہ میں پردہ کی آیت نازل ہوئی، اور اسی سنہ میں مدینہ میں زلزلہ آیا تو حضرت نے فرمایا کہ اللہ عزوجل متنبہ کرنا چاہتا ہے پس تم متنبہ ہو جاؤ۔ اور اسی سنہ میں غزوہ خندق ہوا۔ [مخدوم محمد ہاشم سندھی ٹھٹھوی، بذل القوۃ، مترجم بہ عہد نبوت کے ماہ وسال ۲۱۲]

۶۔واقعہ افک اور متفرقات:

۶ سنہ میں غزوہ بنی المصطلق میں افک والوں نے افترا پردازی کی، اور اسی سنہ میں منافقوں کے سردار عبداللہ بن ابی سلول نے کہا تھا:

﴿يَقُولُونَ لَئِنْ رَّجَعْنَآ اِلَى الْمَدِيْنَةِ لَيُخْرِجَنَّ الْاَعَزُّ مِنْهَا الْاَذَلَّ ۭ وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُوْلِهٖ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَلٰكِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝۸﴾

[المنافقون:۸]

''منافق کہتے ہیں کہ: اگر ہم مدینہ کو لوٹ کر جائیں گے تو جو عزت والا ہے، وہ وہاں سے ذلت والے کو نکال باہر کرے گا، حالانکہ عزت تو اللہ ہی کو حاصل ہے اور اس کے رسول کو، اور ایمان والوں کو، لیکن منافق لوگ نہیں جانتے''۔ [م۔ت]

اور اسی سنہ میں سورج گرہن پڑا، تو رسول اللہ ﷺ نے نمازِ کسوف پڑھی، اور یہی پہلی نماز کسوف ہے، جو پڑھی گئی۔ اور اسی سنہ میں بماہ ذی قعدہ رسول خدا ﷺ نے حدیبیہ کا عمرہ کیا، درخت کے نیچے بیعت رضوان کی، اور اسی سنہ میں جب لوگوں پر قحط پڑا۔ تو آنحضرت ﷺ نے پانی برسنے کی دعا کی، چنانچہ پانی برسنے لگا اور لگاتار برسا، ایک شخص نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ)! پانی کی کثرت سے راستے بند ہو گئے، اور مکانات گر گئے، تو آپ نے فرمایا:

((اَللّٰھُمَّ حَوَالَیْنَا وَلَا عَلَیْنَا))

چنانچہ بادل مدینہ سے ہٹ گیا۔ اسی سنہ میں رسولِ خدا ﷺ نے اونٹوں کے درمیان مسابقت کرائی، تو ایک عرب کا اونٹ حضرت کی اونٹنی (قصواء) سے سبقت لے گیا، اس سے پہلے کبھی کوئی اونٹ اس سے سبقت نہ لے گیا تھا۔ یہ بات مسلمانوں پر بہت شاق ہوئی، تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا'' اللہ پر حق ہے کہ دنیا میں جس چیز کو بلند کرے اس کو پست بھی کرے۔'' اور اسی سنہ میں آپ نے گھوڑ دوڑ کرائی تو حضرت ابو بکر صدیق ﷺ کا ایک گھوڑا سبقت لے گیا، اور انہوں نے انعام لے لیا۔ یہ پہلی گھوڑ دوڑ تھی جو اسلام میں ہوئی۔ [مخدوم محمد ہاشم سندھی ٹھیٹھوی ؒ، بذل القوۃ، مترجم بہ عہد نبوت کے ماہ وسال ۲۴۳ تا ۲۵۰]

۷۔ عمرہ حدیبیہ کی قضاء:

۷ سنہ میں رسول خدا ﷺ نے عمرہ حدیبیہ کی قضا کا عمرہ کیا۔ کیوں کہ حدیبیہ

والے سال میں مشرکین نے آپ کو عمرہ سے روک دیا تھا۔ اس عمرہ میں آنحضرت ﷺ نے اور تمام مسلمانوں نے اضطباع[1] اور رمل[2] کیا۔ اور یہ سب سے پہلا اضطباع اور رمل تھا جو اسلام میں ہوا۔ اسی سن میں جنگِ خیبر ہوئی اور اسی سن میں ایک یہودی عورت نے (جس کا نام زینب تھا وہ سلام بن مشکم کی بی بی تھی)، رسول خدا ﷺ کو زہر دیا تھا۔ ایک بکری کے گوشت میں زہر ملا کے ہدیۃً آپ کے پاس بھیجا تھا اور آپ نے اسے کھالیا تھا۔ اسی سنہ میں رسول خدا ﷺ نے قیصر و کسری اور نجاشی اور بادشاہ غسان اور ہوذہ بن علی کی طرف سفارت بھیجی۔ اور اسی سنہ میں رسول اللہ ﷺ نے اپنے لیے مہر بنوائی، اور جو خطوط بادشاہوں کو بھیجے ان پر وہ مہر لگائی۔ اور اسی سنہ میں رسول خدا ﷺ نے گدھے کے گوشت کو حرام فرمایا، اسی سنہ میں خیبر کے دن آنحضرت ﷺ نے عورتوں سے متعہ[3] کرنے کو بھی حرام کر دیا۔

[مخدوم محمد ہاشم سندھی ٹھٹھویؒ، بذل القوۃ، مترجم بہ عہد نبوت کے ماہ و سال ۲۵۵ تا ۲۷۴]

۸۔ منبر کا بنوایا جانا:

سنہ ۸ میں رسول خدا ﷺ کا منبر بنایا گیا، اور اس پر آپ نے خطبہ پڑھا۔ اس

---

[1] اضبطاع چادر کو اس طرح اوڑھنا کہ اس کا ایک سرا داہنے شانہ سے اتار کر داہنی بغل کے نیچے سے نکال کر بائیں کندھے پر ڈال لے۔

[2] کندھا ہلا کے کچھ تیزی کے ساتھ قریب قریب قدم رکھ کر چلنا ۱۲

[3] تحقیق یہ ہے کہ متعہ اسلام میں کبھی حلال نہیں تھا قرآن شریف کی مکی و مدنی دونوں قسم کی آیتیں متعہ کے حرام ہونے کو ظاہر کر رہی ہیں۔ بعض غزوات میں بحالت اضطرار متعہ کی اجازت دی گئی جیسے مخمصہ کی حالت میں سور کے گوشت کی اجازت ہے جب اضطرار کی حالت جاتی رہی تو اس کی حرمت کا اعلان کر دیا گیا، خیبر میں اسی حرمت کا اعلان ہوا ہے جس سے بعض لوگوں کو دھوکا ہوا، کہ متعہ اس سے پہلے حلال تھا۔

سے پہلے آپ ایک ستون سے تکیہ لگا کے خطبہ پڑھا کرتے تھے۔ جب آپ اسے چھوڑ کر منبر پر جلوہ افروز ہوئے تو وہ ستون رونے لگا یہاں تک کہ لوگوں نے اس کے رونے کی آواز سنی پس آپ ﷺ منبر سے اتر کے اس کے پاس گئے، اور اپنا دستِ مبارک اس پر رکھ دیا، وہ خاموش ہوگیا۔ یہ پہلا منبر تھا جو اسلام میں بنایا گیا۔ اس سنہ میں رسول خدا ﷺ نے مکہ فتح کیا، اور طائف کا محاصرہ کیا اور اس پر منجنیق[1] نصب کیا، اور یہ پہلا منجنیق تھا، جو اسلام میں نصب کیا گیا۔

[مخدوم محمد ہاشم سندھی ٹھٹھوی، بذل القوۃ، مترجَم بہ عہد نبوت کے ماہ و سال ۲۷۵ تا ۳۱۸]

۹۔ مسجدِ ضرار کی تعمیر:

۹ سنہ میں رسول خدا ﷺ نے اپنی ازواج سے ایلا کیا (یعنی قسم کھائی کہ ایک مہینہ تک ان کے پاس نہ جائیں گے) یہ قصہ مشہور ہے پھر ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کی شان میں آیتِ تطہیر نازل ہوئی۔ اسی سنہ میں رسول خدا ﷺ نے مسجدِ ضرار کو گروا دیا۔ یہ مسجد مدینہ میں منافقین نے بنوائی تھی۔ اس کا ہدم رسول خدا ﷺ کے تبوک سے واپس آنے کے بعد ہوا۔ اور اسی سنہ میں رسول خدا ﷺ کے پاس ہر طرف سے وفود[2] آئے، اسی وجہ سے اس سنہ کا نام "سنۃ الوفود" رکھا گیا اور اسی سنہ میں شعبان میں رسولِ خدا ﷺ نے عویمر عجلانی رضی اللہ عنہ اور ان کی بی بی کے

---

[1] منجنیق فلاخن بزرگ (صراح) ایک رسی ہوتی ہے اس کے سرے پر کچھ باندھ کر اس میں پتھر وغیرہ رکھ کر کاشتکار لوگ چڑیوں وغیرہ سے کھیت کی حفاظت کرتے ہیں جس کو ہمارے یہاں گوپھن کہتے ہیں۔ اسی وضع کا زمانہ قدیم میں لڑائی کا ایک اوزار تھا جو قریب قریب توپ کا کام دیتا تھا بڑے بڑے پتھر اس سے پھینکے جاتے تھے۔

[2] جمع ہے وفد کی وفد کے معنی قاصد۔ یہ لوگ اپنی قوم کی طرف سے ان کے اسلام کی خبر دینے اور ضروریات دین کا علم حاصل کرنے آئے تھے۔

درمیان بعد نماز عصر کے لعان[۳] کرایا، وجہ یہ تھی کہ عویمر جب تبوک سے واپس آئے تو انہوں نے اپنی بی بی کو حاملہ پایا، اور اسی سنہ میں شوال میں عبداللہ بن ابی بن سلول منافق مرگیا، اور آنحضرت ﷺ نے اس کے جنازہ کی نماز پڑھی، اس کے بعد کسی منافق کے جنازہ کی نماز نہیں پڑھی، کیوں کہ اس کے بعد ہی اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمادی:

﴿وَلَا تُصَلِّ عَلٰٓی اَحَدٍ مِّنۡھُمۡ مَّاتَ اَبَدًا وَّلَا تَقُمۡ عَلٰی قَبۡرِہٖ ؕ﴾

[التوبۃ: ۸۴]

''اور (اے پیغمبر) ان (منافقین) میں سے جو کوئی مرجائے، تو تم اس پر کبھی نماز (جنازہ) مت پڑھنا، اور نہ اس کی قبر پر کھڑے ہونا''۔ [م۔ت]

اور اسی سنہ میں رسول خدا ﷺ نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو امیر حجاج بنایا، انہوں نے لوگوں کے ہمراہ حج کیا۔ حضرت علی مرتضی رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ سورہ براءۃ مشرکوں کو سنادیں، اور ان کا عہد انہیں واپس کردیں۔ اور یہ اعلان کردیں کہ اس سال کے بعد کوئی مشرک حج نہ کرے، اور کوئی برہنہ ہوکے کعبہ کا طواف نہ کرے۔ اور یہ آخری حج تھا جو مشرکوں نے کیا۔

[مخدوم محمد ہاشم سندھی ٹھٹھوی ؒ، بذل القوۃ، مترجم بہ عہد نبوت کے ماہ وسال ۳۲۰ تا ۳۵۴]

۱۰۔ حجۃ الوداع:

۱۰ اسنہ میں آپ پر یہ آیت

﴿یٰٓاَیُّھَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا لِیَسۡتَاۡذِنۡکُمُ الَّذِیۡنَ مَلَکَتۡ اَیۡمَانُکُمۡ وَالَّذِیۡنَ

---

[۳] جب مرد اپنی عورت کو تہمت لگائے اور کوئی گواہ نہ ہو تو حکم یہ ہے کہ ان دونوں سے خاص طریقہ پر قسم لے کر تفریق کرادی جائے۔

لَمۡ یَبۡلُغُوا الۡحُلُمَ مِنۡکُمۡ ثَلٰثَ مَرّٰتٍ ؕ مِنۡ قَبۡلِ صَلٰوۃِ الۡفَجۡرِ وَحِیۡنَ تَضَعُوۡنَ ثِیَابَکُمۡ مِّنَ الظَّہِیۡرَۃِ وَمِنۡۢ بَعۡدِ صَلٰوۃِ الۡعِشَآءِ ۟ؕ﴾

[النور:۵۸]

”اے ایمان والو! جو غلام لونڈیاں تمہاری ملکیت میں ہیں، اور تم میں سے جو بچے ابھی بلوغ تک نہیں پہنچے ان کو چاہیے کہ وہ تین اوقات میں (تمہارے پاس آنے کے لیے) تم سے اجازت لیا کریں۔ نماز فجر سے پہلے، اور جب تم دوپہر کے وقت اپنے کپڑے اتار کر رکھا کرتے ہو، اور نماز عشاء کے بعد“۔ [م۔ت]

نازل ہوئی اس آیت کے نازل ہونے سے پہلے وہ لوگ ایسا نہ کرتے تھے اسی سنہ میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حجۃ الوداع کیا اور بعض[1] کا قول ہے کہ آپ نے اسی حج کے ساتھ عمرہ بھی کیا۔ اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہجرت کے بعد اس کے سوا کوئی حج نہیں کیا۔

[مخدوم محمد ہاشم سندھی، ٹھٹھوی، بذل القوۃ، مترجم بہ عہد نبوت کے ماہ وسال ۳۵۵ تا ۳۷۵]

۱۱۔ مرض الوفات:

۱۱ھ کی بارہویں ربیع الاول کو دوشنبہ کے دن بوقت چاشت، چودہ روز بیمار رہ کر حضرت سرورعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہم مسلمانوں کے دلوں پر یتیمی کا داغ رکھا، یعنی اس عالم سے رحلت فرمائی اور رفیق اعلیٰ جل مجدہ کے جوار عزت میں سکونت اختیار کی انا للہ وانا الیہ راجعون۔

مرض کی ابتداء ۲۸ صفر سے ہوئی، سرِ اقدس میں درد محسوس ہوا، پھر بخار نے شدت کی۔ پانی کا پیالہ آپ نے اپنے پاس رکھوا لیا تھا، اس میں ہاتھ ڈبو ڈبو کر چہرہ مبارک پر پھیرتے اور فرماتے تھے ”اے اللہ موت کی سختیوں میں میری مدد

[1] علماء نے اختلاف کیا ہے کہ آپ نے صرف حج کیا تھا یا قرآن یا تمتع۔

کر'' آخری کلمہ جو آپ کی زبان مبارک سے نکلا، یہ تھا

''اَللّٰھُمَّ بِالرَّفِیْقِ الْاَعْلٰی''

یعنی اے اللہ مجھ کو رفیق اعلیٰ سے ملا دے۔رفیق اعلیٰ سے مراد ذات حق سبحانہ یا جماعت انبیاء وملائکہ مراد ہے۔[صحیح البخاری، باب مرض النبی ﷺ ج ۲،ص ۶۳۹]

۱۲۔وصالِ مبارک:

آپ کی وفات کے وقت صحابہ کرام کی جو حالت ہوئی قابل بیان نہیں، بعض تو شدت غم میں مختل الحواس ہو گئے، بعض بالکل خاموش ہو گئے، اس قیامت خیز حادثہ کے وقت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے زیادہ ثابت قدم کوئی نہ تھا۔ پھر آپ ﷺ کو غسل دیا گیا۔کفن پہنایا گیا۔کفن میں تین کپڑے تھے، عمامہ نہ تھا۔اور جس مقام پر آپ نے وفات پائی تھی، وہیں آپ کی قبر شریف بنائی گئی۔ وفات آپ کی حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے حجرہ میں ہوئی، اور قبر شریف آپ کی بغلی بنائی گئی۔نماز آپ کی باجماعت نہیں ہوئی، تنہا تنہا سب نے پڑھی۔جس کی وجہ یہ ہوئی کہ جنازہ مبارک حجرہ سے باہر نہیں لایا گیا۔ورنہ بڑا کہرام برپا ہو جاتا اور حجرہ کے اندر جماعت کی گنجائش نہ تھی۔

[سنن ابن ماجہ، باب ذکر وفاتہ ودفنہ ﷺ، کتاب الجنائز، ج ۱،ص ۵۲۱]

[محمد بن ادریس شافعی، کتاب الام، ج ۱،ص، ۲۷۲]

باب ششم

معجزات کا بیان

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی مثل انبیائے سابقین کے اپنی قوم کو معجزات دکھائے، اور چوں کہ آپ اشرف الانبیاء تھے، اس لیے آپ کے معجزات بھی سب سے اشرف و اعلیٰ رہے۔

ابتدائے بعثت سے وفات تک جو عظیم الشان معجزات آپ نے دکھائے ہیں، وہ سب نہیں، صرف اسی قدر جو روایت کیے گئے، وہ بھی سب نہیں۔ بلکہ صرف وہ جن کی صحت اعلیٰ رتبہ میں پہنچ گئی ہے، اگر ایک جگہ جمع کر دیے جائیں تو ایک دفتر تیار ہو

جائے۔شق القمر[1] استوانہ حنانہ[2]۔

۲ مسجد شریف میں منبر نہ تھا

---

[1] یہ معجزہ روایات صحیحہ سے ثابت ہے، صحیحین میں بھی بطرق متعدد مروی ہے۔علامہ سبکیؒ نے شرح مختصر ابن حاجب میں اس کی روایات کو متواتر کہا ہے، قرآن شریف کی اس آیت میں اس کی طرف اشارہ ہے اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ ۝ وَاِنْ يَّرَوْا اٰيَةً يُّعْرِضُوْا وَيَقُوْلُوْا سِحْرٌ مُّسْتَمِرٌّ ۝ ترجمہ۔قریب آ گئی موت اور پھٹ گیا چاند یہ کافر جب کوئی نشانی دیکھتے ہیں منہ پھیر لیتے ہیں اور کہتے ہیں جادو ہے جاری رہنے والا۔اس کی کیفیت یہ ہے کہ قبل ہجرت مکہ میں ابوجہل، ولید بن مغیرہ، عاص بن وائل وغیرہ کافران قریش نے حضرت سے کہا کہ اگر آپ سچے ہیں تو چاند کے دو ٹکڑے کر دیجئے آپ نے دعا کی اور انگشت مبارک سے چاند کی طرف اشارہ کیا، تو چاند کے دو ٹکڑے ہو گئے۔آپ نے کافروں سے نام بنام پکار کے فرمایا کہ گواہ رہنا سب نے اچھی طرح دیکھ لیا کہ ٹکڑوں میں اس قدر فصل ہو گیا کہ کوہ حرا دونوں کے درمیان نظر آتا ہے دوسرے شہروں میں بھی لوگوں نے یہ معجزہ دیکھا۔ نافہم ملحدوں نے اس معجزہ پر جو اعتراضات کیے ہیں ان کے شافی جوابات علمائے اسلام دے چکے ہیں مولانا شاہ رفیع الدین صاحب دہلوی کا ایک مستقل رسالہ اسی معجزہ کے متعلق ہے۔

[2] یہ معجزہ بھی ایک جم غفیر کی روایت سے منقول ہے۔خود صحیح بخاری میں ان کی متعدد روایتیں ہیں۔علامہ سبکی اور قاضی عیاض نے اس کو متواتر لکھا ہے۔اس کی کیفیت یہ ہے پہلے آنحضرتؐ خطبہ پڑھتے وقت مسجد کے ایک ستون سے تکیہ لگا لیتے تھے جب منبر بنا تو حضرت نے اس پر کھڑے ہو کے خطبہ پڑھنا شروع کیا۔پس وہ ستون چلا اٹھا اور اس زور سے رویا کہ قریب تھا کہ پھٹ جائے۔تمام حاضرین مسجد نے اس کے رونے کی آواز سنی۔یہ کیفیت دیکھ کر حضرت نے منبر سے اتر کر اس کو سینہ سے لگایا تو وہ اس طرح ہچکیاں لے لے کر رونے لگا جیسے کوئی بچہ جو رو رہا ہو اور چپ کرایا جائے۔تھوڑی دیر کے بعد اس کا رونا موقوف ہوا۔

برکت طعام[1]۔ برکت وفرآب ۔شفاء امراض[2] ۔تسبیح حصیات[3] ۔پیشین گوئیاں[4] ۔اطاعت مخلوقات بے عقل و روح[5] ،معراج[6] وغیرہ وغیرہ معجزات ایسے ہیں کہ محدثین کی ایک جماعت نے ان کو متواتر کہا ہے ۔

[دلائل النبوۃ للبیھقی، زاد المعاد فی ھدی خیر العباد جلد ۹،تحت بحث معجزاتہ صلی اللہ علیہ وسلم]

زندہ معجزہ:

اس وقت ان تمام معجزات میں سے صرف ایک زندہ معجزے کا ذکر کیا جاتا ہے ۔جانتے ہو کہ وہ زندہ معجزہ کیا ہے؟ وہ زندہ معجزہ قرآن شریف ہے جو اب تک ہمارے ہاتھ میں ہے اور قیامت تک رہے گا۔

---

[1] برکت طعام کا معجزہ حضرت سے کئی بار ظاہر ہوا۔ چنانچہ صحیح بخاری میں حضرت ابوہریرہ ؓ سے ایک قدح (پیالہ) دودھ میں تمام اصحاب صفہ کا سیر ہونا مروی ہے۔ اور صحیح مسلم میں بہ روایت حضرت ابوہریرہ مجاہدین غزوہ تبوک کا ایک تھوڑے سے توشہ کا سب برتنوں سے لینا منقول ہے۔اور ابوداؤد میں تین یا چار صاع چھوہاروں سے چار سو آدمیوں کو ناشتہ تقسیم کرنا ثابت ہے۔اسی طرح پانی کی برکت کا اور آپ کی انگشت مبارک کے درمیان سے جوش مارنے اور آب غور سے شیریں ہوجانے کا معجزہ رہا، آپ سے ظاہر ہوا اور صحیح روایات میں مذکور ہے۔

[2] شفائے امراض ہر قسم کی آپ سے ظہور میں آئی۔ نابینا کا بینا ہوجانا۔ آشوب چشم کا معاً دفع ہوجانا شکستہ ہڈی کا جڑ جانا وغیرہ وغیرہ کتب حدیث میں بہ کثرت مروی ہے ۱۲

[3] کنکریوں کا آپ کے دست حق پرست میں تسبیح کرنا، اور ایسی آواز سے کہ وہ دوسروں نے بھی سن لیا، بیہقی وغیرہ میں مذکور ہے حضرت مولانا رومی فرماتے ہیں۔

لا الہ گفت الا اللہ گفت   گوہر احمد رسول اللہ گفت

[4] آپ کی پیشین گوئیاں بےعدد بے حساب ہیں ۔جس کا جی چاہے، کتب حدیث دیکھے

[5] جانوروں کا آپ کو سجدہ کرنا۔ آپ کا حکم ماننا۔ درختوں کا آپ کے حکم سے متحرک ہونا۔ اپنی جگہ چھوڑ کر آنا اور چلے جانا بہ کثرت روایات میں مروی ہے۔

[6] معراج کا مختصر بیان حالات قبل از نبوت میں ہو چکا۔

قرآن شریف اس مقدس کتاب کا نام ہے جو خدائے عزوجل کی طرف سے ہمارے نبی امی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر نازل ہوئی، یہ کتاب خدا کا کلام ہے۔

قرآن شریف ایک ایسا معجزہ ہے، جو خود ہزار ہا معجزات پر شامل ہے جن میں سے چند اس مقام پر لکھے جاتے ہیں۔

پہلا اعجاز: بلاغت:

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے باوجود اُمّی محض ہونے اور مشق شعر وسخن سے نا آشنا ہونے کے اس مجمع فصحا و بلغا میں کہ بڑے بڑے قصائد کا فی البدیہ تصنیف کرنا، اور طول وطویل خطبوں کا بے تامل انشا کرنا جن کا روزمرہ معمول تھا، اس کی مافوق الفطرۃ فصاحت و بلاغت کا اعلان کر دیا۔ اور

﴿فَأْتُوا بِسُورَةٍ مِّن مِّثْلِهِ﴾[البقرۃ:۲۳]

''تم اس جیسی کوئی ایک سورت ہی بنا لاؤ''۔[ع۔ر]

کا ڈنکا بجایا۔ پھر ان کو جوش بھی دلایا گیا۔

﴿فَإِن لَّمْ تَفْعَلُوا وَلَن تَفْعَلُوا﴾

''پھر بھی اگر تم یہ کام نہ کر سکو اور یقینا کبھی نہیں کر سکو گے''۔[ع۔ر]

پھر انتہا ہو گئی کہ:

﴿لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْإِنسُ وَالْجِنُّ عَلَىٰ أَن يَأْتُوا بِمِثْلِ هَٰذَا الْقُرْآنِ لَا يَأْتُونَ بِمِثْلِهِ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيرًا﴾[الاسراء:۸۸]

''کہہ دو کہ اگر تمام انسان اور جنات اس کام پر اکٹھے بھی ہو جائیں کہ اس قرآن جیسا کلام بنا کر لے آئیں، تب بھی وہ اس جیسا نہیں لا سکیں گے، چاہے وہ ایک دوسرے کی کتنی مدد کر لیں''۔[ع۔ر]

مگر کسی کی ہمت نہ ہوئی ۔اور وہ سورۃ اِنَّا اَعۡطَیۡنَا کی مثل بھی نہ بنا سکے ۔

قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ ’’شفاء‘‘ میں لکھتے ہیں،کہ باعتبار بلاغت کے قرآن کریم میں سات ہزار سے زیادہ معجزے ہیں، کیوں کہ کلام اللہ میں جس قدر کلام برابر سورۃ اناا عطینا کے ہے،معجزہ ہے، اور سورۃ اناا عطینا میں دس الفاظ ہیں، پورے قرآن میں ستر ہزار سے زیادہ الفاظ ہیں۔

دوسرا اعجاز: عدمِ اختلاف:

جیسا کہ فرمایا:

﴿وَلَوۡ کَانَ مِنۡ عِنۡدِ غَیۡرِ اللّٰہِ لَوَجَدُوۡا فِیۡہِ اخۡتِلَافًا کَثِیۡرًا﴾

[النساء:۸۲]

’’اگر یہ اللہ کے سوا کسی اور کی طرف سے ہوتا تو وہ اس میں بکثرت اختلافات پاتے‘‘۔

[ع۔ر]

عدمِ اختلاف ایک بہت وسیع لفظ ہے۔اس کے کئی معنی ہیں۔

ایک معنی یہ ہیں کہ اس میں باہم تناقض نہیں ہے،ایک آیت دوسری آیت کے مخالف نہیں، حالانکہ کلامِ بشر اس سے محفوظ نہیں رہ سکتا۔

دوسرے معنی یہ ہیں کہ اس میں ہر قسم کا کلام اپنے منتہائے کلام پر ہے۔کلام انسانی کی یہ حالت نہیں ہو سکتی، اس میں اختلاف ہونا لازمی ہے۔انسان کی طبیعت کو جس قسم کی مناسبت ہو گی، اس قسم میں اس کا کلام کامل ہو گا اور دوسری قسموں میں ناقص ہو گا۔کسی کا کلام رزم میں اچھا ہے تو بزم میں وہ کیفیت نہیں، پند و نصائح میں اچھا ہے تو اور چیزوں میں ویسا نہیں، سیاست و جہان داری کے آداب اچھے بیان کر سکتا ہے،تو گوشہ نشینی کے طریقے ویسے نہیں بیان کر سکتا،قرآن کریم میں اس قسم کا بھی اختلاف نہیں ہے۔

تیسرے معنی عدم اختلاف کے یہ ہیں کہ اختلاف حالات کی وجہ سے اسلوب کلام میں اختلاف ہو جایا کرتا ہے۔مثلاً جب انسان کمزور ہوتا ہے، بے کسی کی حالت ہوتی ہے، دشمنوں کا غلبہ ہوتا ہے، اس وقت اور قسم کی باتیں اس کی زبان سے نکلتی ہیں۔جب اس کو قوت وشوکت حاصل ہوتی ہے۔دشمنوں کا خوف نہیں ہوتا۔اس وقت دوسری قسم کی باتیں اس کی زبان سے نکلتی ہیں۔پہلی حالت میں ملاطفت اور نرمی کی باتیں کرتا ہے۔دوسری حالت میں جلال وجبروت سے خطاب کرتا ہے۔ قرآنِ کریم اس اختلاف سے پاک ہے۔قبل ہجرت کا زمانہ کیسا پر خطر اور کتنا نازک تھا؟ نہ کوئی یار تھا، نہ یاور، نہ فوج تھی، نہ لشکر۔ہر طرف دشمن ہی دشمن تھے، اور سب جان کے خواہاں، خون کے پیاسے، اس نازک وقت میں جو آیتیں نازل ہوئی ہیں۔ان میں جس جلال وجبروت کے ساتھ کفار سے خطاب کیا گیا ہے۔بعد ہجرت کی آیتوں میں جب کہ قوت وشوکت اور انصار کی کثرت تھی، اس سے ایک شمہ (بہت قلیل مقدار) برابر بھی زیادتی نہیں پائی جاتی۔

سورہ اقراء (جو مکی ہے) میں ابوجہل (جو سردار قریش تھا) سے یوں خطاب کیا گیا ہے:

﴿كَلَّا لَئِنْ لَّمْ يَنْتَهِ ۙ لَنَسْفَعًۢا بِالنَّاصِيَةِ⑮نَاصِيَةٍ كَاذِبَةٍ خَاطِئَةٍ⑯فَلْيَدْعُ نَادِيَهٗ⑰سَنَدْعُ الزَّبَانِيَةَ⑱﴾

"یعنی اگر ابوجہل حضرت کی ایذارسانی سے باز نہ آیا تو ہم ضرور بہ ضرور اس کو پیشانی کے بل گھسیٹیں گے، وہ پیشانی جو جھوٹی اور خطا کار ہے پس اسکو چاہیے کہ اپنی تمام مجلس کو مدد کیلیے پکارے، ہم بھی زبانیہ (نام فرشتہ) کو بلاتے ہیں"۔[م۔ت]

اسی طرح مکی آیات میں جا بجا ارشاد ہوا ہے، تنبیہ وتہدید کا کوئی دقیقہ نہیں اُٹھا رکھا گیا۔تخویف کی گئی، آخرت کے عذابوں سے ان کو ڈرایا گیا۔مدنی آیتوں

میں کوئی بات زیادہ نہیں اس کے علاوہ عدم اختلاف کے اور بھی مطلب ہیں مگر کسی مطلب کے اعتبار سے قرآن کریم میں اختلاف نہیں ہے۔

تیسرا اعجاز: باعتبار تشابہ وتشبیہ کے:

قرآن کریم کا یہ اعجاز باعتبار تشابہ وتشبیہ کے ہے۔ جس کی طرف ''متشابھا مثانی ''میں اشارہ کیا گیا ہے۔ کوئی مضمون قرآن کریم میں ایسا نہیں ہے جو صرف ایک ہی مقام پر ایک ہی عبارت میں مذکور رہا ہو، ضرور ہے کہ وہ کسی دوسرے مقام پر دوسری عبارت میں بھی مذکور ہو گا مثلاً: رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اوصاف کا توریت وانجیل میں مذکور ہونا ایک جگہ اس عنوان سے بیان ہوا کہ:

﴿يَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِيْلِ۝﴾[الاعراف:۱۵۷]

''وہ پاتے ہیں اس نبی کو لکھا ہوا اپنے ہاں توریت وانجیل میں''۔ [ع۔ر]

اور دوسری جگہ اس عبارت میں ارشاد ہوا کہ:

﴿وَاِنَّهٗ لَفِيْ زُبُرِ الْاَوَّلِيْنَ۝۱۹۶﴾[الشعراء:۱۹۶]

''بے شک (نبی) اگلوں کی کتابوں میں مذکور ہے''۔ [ع۔ر]

بعض مفسرین نے انہ کی ضمیر قرآن شریف کی طرف پھیری ہے اس صورت میں مطلب بدل جائے گا۔

یا مثلاً مہاجرین اولین کا موعود بہ خلافت ہونا ایک جگہ اس طرح بیان ہوا کہ:

﴿وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ﴾[النور:۵۵]

''تم میں سے جو لوگ ایمان لے آئے ہیں اور جنہوں نے نیک عمل کیے ہیں، ان سے اللہ نے وعدہ کیا ہے کہ وہ انہیں ضرور زمین میں اپنا خلیفہ بنائے گا''۔ [م۔ت]

اور دوسری جگہ اس طرح:

﴿وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُوْرِ مِنْۢ بَعْدِ الذِّكْرِ اَنَّ الْاَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصّٰلِحُوْنَ﴾ [الانبیاء:۱۰۵]

''بے شک لکھ دیا ہم نے زبور میں بعد ذکر (ذکر سے مراد یا نصیحت یا کتاب توریت) کہ زمین کے وارث میرے نیک بندے ہوں گے''۔ [ع۔ر]

اس کی مثالیں بہت ہیں، مگر بخیالِ اختصار ترک کی جاتی ہیں۔

[سبل الھدی والرشاد، الباب الثانی فی اعجاز القرآن واعتراف مشرکی قریش باعجازہ، جلد۹،ص ۴۱۲]

چوتھا اعجاز: پیشین گوئیاں:

یہ اعجاز پیشین گوئیوں کے اعتبار سے ہے۔ یہ اعجاز بھی قرآن مجید کی بہت سی آیتوں میں ہے۔ منجملہ ان کے چند پیشین گوئیاں یہاں ذکر کی جاتی ہیں۔

۱۔فتح خیبر کے متعلق پیشین گوئی:

﴿وَاَثَابَهُمْ فَتْحًا قَرِيْبًا ۝ وَّمَغَانِمَ كَثِيْرَةً يَّاْخُذُوْنَهَا﴾ [الفتح:۱۸]

''اور ان کو انعام میں ایک قریبی فتح عطا فرما دی۔ اور غنیمت میں ملنے والے بہت سے مال بھی جو ان کے ہاتھ آئیں گے''۔ [م۔ت]

۲۔عمرۃ القضاء کے متعلق پیشین گوئی:

﴿لَتَدْخُلُنَّ الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ اٰمِنِيْنَ﴾ [الفتح:۲۷] میں۔

''تم لوگ ان شاء اللہ ضرور مسجد حرام میں اس طرح امن و امان کے ساتھ داخل ہو گے''۔[م۔ت]

۳۔فارس و روم کی فتح کے متعلق پیشین گوئی:

آیۃ﴿وَّاُخْرٰى لَمْ تَقْدِرُوْا عَلَيْهَا قَدْ اَحَاطَ اللّٰهُ بِهَا﴾[الفتح:۲۱]

''اور ایک فتح اور بھی ہے جو ابھی تمہارے قابو میں نہیں آئی، لیکن اللہ نے اس کو اپنے احاطے میں لے رکھا ہے''۔[م۔ت]

اور آیۃ﴿ سَتُدۡعَوۡنَ اِلٰی قَوۡمٍ اُولِیۡ بَاۡسٍ شَدِیۡدٍ﴾[الفتح:١٦] میں۔

''عنقریب تمہیں ایسے لوگوں کے پاس (لڑنے کے لیے) بلایا جائے گا جو بڑے سخت جنگجو ہوں گے''۔[م۔ت]

۴۔غلبہ روم کے متعلق پیشین گوئی:

آیۃ﴿ الٓمّٓ ۚ﴿۱﴾ غُلِبَتِ الرُّوۡمُ ۙ﴿۲﴾ فِیۡۤ اَدۡنَی الۡاَرۡضِ وَ ہُمۡ مِّنۡۢ بَعۡدِ غَلَبِہِمۡ سَیَغۡلِبُوۡنَ ۙ﴿۳﴾﴾[الروم:١،٣]

''الم، رومی لوگ مغلوب ہوگئے ہیں، قریب کی سرزمین میں اور وہ اپنے مغلوب ہونے کے بعد عنقریب غالب آجائیں گے''۔[م۔ت]

۵۔مرتدین کے دفع شر کے متعلق پیشین گوئی:

آیۃ﴿ مَنۡ یَّرۡتَدَّ مِنۡکُمۡ عَنۡ دِیۡنِہٖ فَسَوۡفَ یَاۡتِی اللّٰہُ بِقَوۡمٍ یُّحِبُّہُمۡ وَ یُحِبُّوۡنَہٗۤ ۙ اَذِلَّۃٍ عَلَی الۡمُؤۡمِنِیۡنَ اَعِزَّۃٍ عَلَی الۡکٰفِرِیۡنَ ۫﴾[المائدۃ:۵۴]

''اے ایمان والو! اگر تم میں سے کوئی اپنے دین سے پھر جائے گا تو اللہ ایسے لوگ پیدا کردے گا جن سے وہ محبت کرتا ہوگا، اور وہ اس سے محبت کرتے ہوں گے جو مومنوں کے لیے نرم اور کافروں کے لیے سخت ہوں گے''۔[م۔ت]

۶۔یہود کا موت کی تمنا نہ کرنے پر پیشین گوئی:

آیۃ کریمۃ﴿وَ لَا یَتَمَنَّوۡنَہٗۤ اَبَدًۢا بِمَا قَدَّمَتۡ اَیۡدِیۡہِمۡ ؕ﴾[الجمعۃ:۷] میں۔

''اور انہوں نے اپنے ہاتھوں جو اعمال آگے بھیج رکھے ہیں ان کی وجہ سے یہ کبھی موت کی تمنا نہیں کریں گے''۔[م۔ت]

۷۔حضراتِ خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کے متعلق پیشین گوئی :

آیۃ کریمۃ ﴿ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ ﴾[النور:۵۵]

’’تم میں سے جولوگ ایمان لے آئے ہیں اور جنہوں نے نیک عمل کیے ہیں، ان سے اللہ نے وعدہ کیا ہے،کہ وہ انہیں ضرور زمین میں اپنا خلیفہ بنائے گا‘‘۔[م۔ت]

و نیز دوسری آیات میں۔

۸۔جمیع ادیان پر غلبہ اسلام کے متعلق پیشین گوئی:

آیۃ کریمۃ﴿لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ ﴾[الصّف:۹]میں۔

’’تاکہ وہ اسے تمام دوسرے دینوں پر غالب کردے‘‘۔[م۔ت]

۹۔آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی حفاظت کے متعلق پیشین گوئی:

﴿وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ۝﴾[المائدۃ:۶۷]میں۔

’’اور اللہ تمہیں لوگوں (کی سازشوں) سے بچائے گا‘‘۔[م۔ت]

۱۰۔قرآن کی حفاظت کے متعلق پیشین گوئی:

آیۃ کریمۃ﴿اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ۝۹﴾[الحجر:۹] میں۔

’’حقیقت یہ ہے کہ یہ ذکر (یعنی قرآن) ہم نے ہی اتارا ہے،اور ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں‘‘۔[م۔ت]

ان کے علاوہ اور بہت پیشین گوئیاں ہیں، جو بخیالِ اختصار ترک کی گئیں اور نیز بہت سے اقسام معجزات کے ہیں، جونہیں بیان کیے گئے۔صرف اقسام مذکورہ ہی کی جزئیات کا اگر شمار کیا جائے،تو تعداد لاکھوں تک پہنچ جائے۔

باب ہفتم

حلیہ مبارک اور آپ کے اخلاق وعادات

حلیہ شریف:

قد آپ کا متوسط تھا، مگر جب آپ جماعت کے اندر ہوتے تو سب سے بلند نظر آتے تھے، رنگ سفید تھا، مائل بہ سرخی، سرِ اقدس پر بال رہتے تھے، کبھی کان کی لو تک، کبھی گردن تک، کبھی شانوں تک۔ بال سفید نہ ہوتے تھے، سر اور داڑھی میں ملا کر صرف بیس بال سفید تھے، جو بہت چمکتے تھے۔ چہرہ مبارک آپ کا چودھویں رات کے چاند کے مانند چمکتا تھا۔ ایک صحابی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ ایسا ہوا کہ میں چاند کی طرف کبھی دیکھتا تھا، اور کبھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چہرہ انور کی طرف، اور یہ غور کر رہا تھا کہ دونوں میں زیادہ حسین کون ہے؟ آخر میں نے فیصلہ یہ کیا کہ:

((وَاللّٰہِ وَجْہُ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عِنْدِیْ اَحْسَنَ مِنَ الْقَمَرِ))

سینہ آپ کا کشادہ تھا، دونوں شانوں کے درمیان فصل تھا۔ یعنی سینہ مبارک خوب چوڑا تھا۔ جسم مبارک نہ لاغر تھا، نہ فربہ (موٹا)۔ جب آپ سکوت میں ہوتے تو ہیبت و جلال آپ کے چہرہ پر نمایاں ہوتا تھا، اور جب آپ کلام کرتے تھے تو مہربانی و محبت کے آثار ہویدا (ظاہر) ہوتے تھے۔ پیشانی بلند و کشادہ تھی۔ ابروئے مبارک دراز اور غیر پیوستہ تھیں، بینی اقدس دراز و بلند تھی، منہ کشادہ تھا۔ دندان مبارک کشادہ اور چمک دار تھے، دونوں شانوں کے درمیان مہرِ نبوت

پشت کی جانب تھی ۔تمام جوڑ پرگوشت تھے ۔جسم مبارک پر بال نہ تھے،صرف سینہ پر ایک باریک خط تھا جو ناف تک چلا گیا تھا ۔آپ کے پسینہ میں ایسی دلربا خوشبو آتی تھی، جو دنیا کی کسی خوشبو میں نہیں ۔اکثر صحابہ رضی اللہ عنہم آپ کے پسینہ کے قطرات جمع کر کے شیشی میں رکھتے تھے ۔جس راستہ سے آپ گزر جاتے، دیر تک اس راستہ میں خوشبو آتی تھی ۔صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس خوشبو سے پہچان لیتے تھے، کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا گزر اس راستہ سے ہوا ہے ۔آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعریف کرنے والوں کا یہ مقولہ منقول ہے کہ ”نہ ہم نے آپ سے پہلے کبھی کوئی ایسا حسین انسان دیکھا، نہ آپ کے بعد ۔“

((صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلی آلہ وصحبہ وبارک وسلم))

اخلاق حسنہ:

آپ کے اخلاق کے متعلق حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا گیا، تو انہوں نے جواب دیا: کہ قرآن دیکھ لو! آپ کے غصہ کی روش وہی تھی، جو قرآن کی آیات عتاب کی ہے، آپ کی مہربانی کی حالت وہی تھی، جو قرآن کی آیات رحمت کی ہے ۔کبھی اپنی ذات کے لیے غصہ کرنا یا انتقام لینا جانتے ہی نہ تھے ۔مدینہ منورہ کی لونڈیوں میں سے کوئی لونڈی آتی اور آپ کا ہاتھ پکڑ کر لے جاتی ۔آپ بے تکلف اس کے ساتھ چلے جاتے، جہاں وہ لے جاتی، اور اس کا کام کر دیتے ۔جب کوئی آپ سے مصافحہ کرتا، تو جب تک وہ اپنا ہاتھ نہ ہٹاتا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنا ہاتھ نہ ہٹاتے ۔جب کوئی شخص آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بات کرتا تو اس کی طرف سے منہ نہ پھیرتے، یہاں تک کہ وہ خود پھیر لے ۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے کسی خادم کو کبھی کسی خطا وقصور پر نہ مارا

اور نہ خفا ہوئے۔حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے دس برس تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت کی۔جب کبھی مجھ سے کوئی کام بگڑ گیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُف بھی نہ کی۔کبھی کسی فقیر کو اس کی فقیری کے باعث آپ حقیر نہ سمجھتے تھے،اور نہ کسی بادشاہ سے اس کے جاہ وحشم کے باعث مرعوب ہوتے تھے۔نہایت حلیم ومتواضع تھے۔آپ کی مجلس میں کسی کی غیبت،کسی کا افشائے راز نہ کیا جاتا تھا۔جو شخص آپ کی دعوت کرتا،خواہ وہ غریب ہو یا امیر قبول فرمالیتے۔جب آپ اپنے اصحاب میں بیٹھتے تو پاؤں نہ پھیلاتے تھے۔سلام میں ہمیشہ سبقت کرتے تھے۔اپنے اصحاب سے آپ کبھی کبھی مزاح بھی فرماتے تھے۔مگر آپ ہنسی میں کبھی جھوٹ نہیں بولے۔ چنانچہ ایک مرتبہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کو ہنسی میں فرمایا: کہ اے دو کان والے۔اگر کوئی شخص آپ کے اصحاب میں سے بیمار ہوتا۔اس کی عیادت کو تشریف لے جاتے اور اس کے لیے دعا کرتے۔

خوش طبیبے است بیا تاہمہ بیمار شویم

کسی کو کوئی حاجت پیش آئی تو اس کی حاجت برآری میں سعی فرماتے۔ جنازوں کے ساتھ جاتے، ان کی نماز پڑھتے اور دفن کرکے واپس آتے۔ اپنے خادموں کی خدمت خود بھی کردیا کرتے تھے،اور زیادہ محنت کا کام اپنے ذمہ رکھتے۔

ایک مرتبہ سفر میں تھے،ارادہ ہوا کہ بکری ذبح کی جائے،اور گوشت پکایا جائے ایک شخص نے کہا: ذبح کرنا میرے ذمہ ہے۔دوسرے نے کہا اس کا صاف کرنا میرے ذمہ ہے، تیسرے نے کہا: پکانا میرے ذمہ ہے۔آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا لکڑیاں لانا میرے ذمہ ہے،صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا،یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! یہ

کام ہم کر دیں گے ،فرمایا میں یہ جانتا ہوں، مگر میں فوقیت کو پسند نہیں کرتا۔
آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے اصحاب آپ کا بہت ہی ادب کرتے ۔اس خشوع وخضوع کے ساتھ سر جھکا کرآپ کے سامنے بیٹھتے کہ معلوم ہوتا تھا کہ ان کے سروں پر پرندہ بیٹھا ہوا ہے ،کہ حرکت کرنے سے اُڑ جائے گا۔ پڑوسی کے حالات کی ہمیشہ خبر لیتے رہتے تھے، اگرمعلوم ہوتا کہ اس کو کوئی حاجت ہے تو پوری کرتے ۔تمام مخلوقِ الٰہی پر شفقت و رحمت فرماتے ۔حتیٰ کہ جب بلی کو پیاسا دیکھتے ،تو پانی کے ظرف کواس کے لیے ٹیڑھا کر دیتے ۔اور جب تک وہ سیراب نہ ہو جاتی برتن کو نہ ہٹاتے ۔نہایت باحیاو با شرم تھے ،کہ ایسی شرم و حیا کنواری لڑکیوں میں بھی نہیں ہوتی ۔ اپنی خواہشوں پر پورا قابو رکھتے تھے ۔کبھی کسی خواہش میں مغلوب ومجبور نہ ہوتے تھے ۔

عادات:

کبھی کھانے پینے میں تکلف نہ فرماتے ۔ اکثر بھوک کے وقت شکم مبارک پر پتھر باندھ لیتے، کبھی کسی کھانے کا عیب نہ بیان فرماتے اگر مرغوب ہوتا کھالیتے، نہ مرغوب ہوتا نہ کھاتے ۔ہمیشہ تین انگلیوں سے کھانا کھاتے ۔ پانی ہمیشہ بیٹھ کے پیتے تھے،اور تین مرتبہ پانی کا ظرف منہ سے ہٹا کر سانس لیتے،کھانے کے بعد برتن کو اچھی طرح صاف کر لیتے ۔خدا کی کسی نعمت کوخواہ وہ کتنی ہی قلیل ہو،حقیر نہ سمجھتے ۔ آپ نے کبھی کبھی جو کی روٹی خرمائے خشک کے ساتھ، کبھی خربوزہ کے ساتھ، کبھی خرمائے تر (تر کھجور) کے ساتھ کھائی ہے ۔کبھی خرمائے تر کو مکھن کے ساتھ کھاتے ۔ گوشت بہت خوشی سے کھاتے اور دست (بازو) کا گوشت بہت پسند تھا۔ شیرینی و شہد آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو بہت مرغوب تھا۔ دودھ نہایت پسند تھا۔ فرماتے کہ کوئی چیز

ایسی نہیں ہے جس میں غذا اور پانی دونوں ہوں، سوائے دودھ کے۔ لباس سفید حضرت کو بہت پسند تھا۔ اون کے کپڑے بھی آپ نے پہنے ہیں۔ پیوند بھی آپ کے کپڑے میں ہوتا تھا۔ عمامہ اکثر باندھتے تھے۔ اس کا شملہ دونوں شانوں کے درمیان لٹکاتے تھے۔ جوتیاں آپ ﷺ کی اکثر پیوند دار ہوتی تھیں۔ کبھی ایسی چادر بھی آپ ﷺ اوڑھتے تھے، جس میں سرخ خطوط ہوتے تھے۔ خوشبو اکثر لگاتے تھے، مشک اور بخورات کا بھی استعمال فرمایا ہے۔ سرمہ ہمیشہ سوتے وقت تین تین سلائیاں دونوں آنکھوں میں لگاتے تھے۔ کبھی کبھی حالت صوم میں بھی سرمے کا استعمال فرمایا ہے، سر اور داڑھی میں تیل بہ کثرت استعمال کرتے تھے۔ اور درمیان میں ایک دن ناغہ کر کے تیل لگانے کا دستور تھا۔ چند چیزیں ہر وقت سفر اور حضر میں آپ ﷺ کے ساتھ رہتیں، تیل کی شیشی، سرمہ دانی، آئینہ، کنگھی، مقراض (قینچی)، مسواک، سوئی دھاگہ، تکیہ بھی سر کے نیچے رکھتے، اور فرماتے کہ تین چیزوں کو واپس نہ کرنا چاہیے۔ ۱۔ دودھ ۲۔ تکیہ ۳۔ خوشبو۔ اکثر اپنے کام اپنے ہاتھ سے کرلیا کرتے تھے، اپنی جوتی اپنے ہاتھ سے ٹانک لیتے تھے۔ اپنے پھٹے ہوئے کپڑے میں اپنے ہاتھ سے پیوند لگا لیتے تھے۔ جب گھر کے اندر تشریف لے جاتے تو بہت ہی ادنیٰ ادنیٰ کام اپنے ہاتھ سے انجام دیتے، حتیٰ کہ کبھی کبھی جھاڑو اپنے دست مبارک سے دے دیتے تھے، داہنے ہاتھ سے کام کی ابتدا کرنا آپ کا معمول تھا، کھانا داہنے ہاتھ سے کھاتے، لباس داہنی طرف سے پہنتے تھے۔ کبھی کبھی پچھنے بھی لگواتے۔ چاندی کی انگوٹھی آپ کے داہنے ہاتھ کی چھوٹی انگلی میں رہتی تھی، اسی میں آپ ﷺ کی مہر تھی۔ مہر مبارک گول تھی محمد رسول اللہ اس میں کندہ تھا اس میں تین سطریں تھیں:

سب سے پہلی سطر میں ”اللہ“

دوسری میں ”رسول“

تیسری میں ”محمد“

اکثر آپ ﷺ قبلہ رو بیٹھتے تھے، اور استغفار بکثرت کرتے تھے۔ سونے کی حالت میں خراٹے کی آواز آپ ﷺ کے سینہ اقدس سے نہیں نکلتی تھی، مگر سانس کی آواز سنائی دیتی تھی۔ گھوڑے پر بھی آپ ﷺ نے سواری فرمائی ہے، اور اونٹ پر بھی، خچر اور گدھے پر بھی۔ فالِ نیک آپ ﷺ کو بہت پسند تھی۔ جب کسی کام کے لیے آپ چلتے اور کسی کی زبان سے ”یا راشد“ کا لفظ سن لیتے تو بہت خوش ہوتے۔ جب کوئی شخص آپ ﷺ کو ہدیہ دیتا تو آپ قبول فرما لیتے، اور اس کے مثل یا اس سے بہتر معاوضہ اس کو دے دیتے تھے۔ بول و براز کے لیے اکثر جنگل میں تشریف لے جاتے اور کسی نشیب میں یا درختوں کی آڑ میں قضائے حاجت کرتے اور کبھی کبھی گھر میں کسی مقام مخصوص پر بول سے فراغت کر لیتے۔ سخاوت کی یہ کیفیت تھی کہ کسی سائل کے جواب میں ”نہیں“ آپ کبھی نہ فرماتے۔

[ابواب الشمائل ملخصاً]

صَلَّی اللہ تعالیٰ علیہ و علی آلہ و صحبہ و بارک و سلم

باب ہشتم

آپ ﷺ کی استعمالی اشیاء

لباس:

رسولِ خدا ﷺ کی عادت شریفہ تھی کہ آپ اپنی ہر چیز کا نام رکھ دیا کرتے تھے چنانچہ آپ ﷺ کے پاس ایک عمامہ تھا جس کا نام ''سحاب'' تھا۔ عمامہ کے نیچے آپ گول بغیر دیوار کی ٹوپیاں پہنا کرتے تھے۔ جس وقت حضرت ﷺ کی وفات ہوئی، تو از قسم لباس آپ ﷺ نے حسب ذیل اشیا چھوڑیں۔

۱۔ دو چادریں یمن کی بنی ہوئی۔

۲۔ دو کپڑے صحاری اور دو قمیص ایک صحاری اور ایک سحولی۔

۳۔ اور ایک تہبند۔

۴۔ اور ایک جبّہ یمنی۔

۵۔ اور ایک چادر دھاری دار۔

۶۔ اور ایک سفید کمبل اور تین یا چار ٹوپیاں۔

۷۔ اور ایک لحاف ورس (زعفران کی طرح کی بوٹی) کا رنگا ہوا۔

۸۔ بستر آپ ﷺ کا چمڑے کا تھا، جس میں بجائے روئی کے، درخت خرما (کھجور) کی چھال بھری ہوئی تھی۔

۹۔ ایک چمڑے کی تھیلی آپ ﷺ کے پاس تھی، جس میں آئینہ اور کنگھی اور سرمہ دانی اور مقراض (قینچی) اور مسواک رہتی تھی۔ کنگھی آپ ﷺ نے ہاتھی

کے دانت کی بھی رکھی ہے۔

۱۰۔دو پیالے آپ ﷺ کے پاس تھے۔ایک میں مضبوطی کے لیے تین جگہ چاندی کے پترے لگے ہوئے تھے۔اور دوسرا پیالہ پتھر کا تھا،ایک کا نام ''ریان'' تھااور دوسرے کا نام ''مُضَبَّب''

۱۱۔اور ایک طشت (ٹرے) پیتل کا تھا۔

۱۲۔اور ایک آبخورہ (گلاس) تھا جس کا نام ''صادر'' تھا۔

۱۳۔اور ایک خیمہ تھا۔جس کا نام ''رَکی'' تھا۔

۱۴۔اور ایک آئینہ تھا جس کا نام ''مدلہ'' تھا۔

۱۵۔اور ایک مقراض (قینچی) تھی جس کا نام ''جامع'' تھا۔

۱۶۔اور موزے چرمی (چمڑا) آپ کے پاس تھے، جو بادشاہ حبش نے ہدیتاً آپ ﷺ کو بھیجے تھے۔

۱۷۔اور ایک صاع اور ایک مُد بھی آپ ﷺ کے پاس تھا۔

یہ دونوں پیمانوں کے نام ہیں۔

۱۸۔اور ایک جوڑی جوتوں کی آپ ﷺ کے پاس تھی جس کا نام ''ممشوق'' تھا۔[زادالمعاد فی ھدی خیر العباد،فصل فی ملابسہ، جلد ۱،ص ۱۳۰]

دواب (چوپائے):

چوپایوں کی قسم سے گائے آپ ﷺ کے پاس نہیں رہی، اونٹ، گھوڑے، خچر، گدھے، بکری، مرغ آپ ﷺ کی سرکار میں رہے ہیں۔چنانچہ ایک زمانہ میں دس گھوڑے آپ ﷺ کے پاس تھے۔

۱۔ایک کا نام ''سکب''تھا،جس پر آپ غزوہ احد میں سوار تھے۔

۲۔اور ایک کا نام ''لزاز''جس کو مقوقس شاہ اسکندریہ نے ہدیہ میں بھیجا تھا۔

اور باقیوں کے نام یہ ہیں۔

۳۔ظَرِب۔

۴۔وَرَدْ۔

۵۔ضَرِیس۔

۶۔مُلاوِح۔

۷۔سُبْحَہ۔

۸۔بَحَر۔

اور تین خچر تھے۔

۱۔ایک کا نام ''دلدل''تھا جو بادشاہ حبش نے ہدیتاً بھیجا تھا، یہ پہلا خچر تھا جس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بعد نبوت کے سوار ہوئے، دلدل نے بڑی عمر پائی تھی، حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد اس پر علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ،ان کے بعد حسنین رضی اللہ عنہما اس پر سوار ہوتے تھے۔پھر حضرت محمد بن حنفیہ کے پاس رہا۔ایک دن وہ کسی کے مطبخ میں چلا گیا اور کسی نے تیر مار دیا اور وہ مر گیا۔

۲۔دوسرے خچر کا نام ''فِضَّہ''تھا جو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ہدیہ دیا تھا۔

۳۔تیسرے کا نام ''اَیْلِیَّہ''تھا جو شاہ ایلہ نے ہدیۃً بھیجا تھا۔

اور ایک گدھا تھا۔جس کا نام ''یَعْفُور''تھا۔

اور ایک زمانہ میں بیس اونٹنیاں دودھ والی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہاں تھیں اور دو سواری کی اونٹنیاں تھیں۔ایک کا نام ''قصوا''تھا،اور دوسری کا ''عضباء'' بوقت

ہجرت قصوا آپ ﷺ کی سواری میں تھی، اور ایک زمانہ میں سو بکریاں آپ ﷺ کے یہاں تھیں، جن میں سے دو بکریاں خاص دودھ کے لیے تھیں۔ ایک کا نام ''غوثہ'' تھا اور دوسری کا نام ''یمن'' اور ایک مرغ سفید رنگ کا تھا، جس کا نام منقول نہیں۔ [زادالمعاد فی ھدی خیر العباد، فصل فی دوابہ ﷺ]

<u>ہتھیار:</u>

نو تلواریں آپ ﷺ کے ہاں تھیں۔

۱۔ایک کا نام ''ذوالفقار'' تھا، جو غزوہ بدر کے مالِ غنیمت میں آئی تھی۔

اور باقیوں کے نام یہ ہیں۔

۲۔قلعی۔

۳۔بتَار۔

۴۔حَتف۔

۵۔مخذَم۔

۶۔رَسُوب۔

۷۔عَضب۔

۸۔قَضِیب۔

۹۔اور ایک تلوار آپ نے اپنے والد ماجد سے میراث پائی تھی، اس کا نام منقول نہیں۔

اور چند نیزے آپ کے پاس تھے ایک کا نام ''مُثْوِی'' تھا۔

اور ایک بڑا حربہ تھا جس کا نام ''بَیضَاء'' تھا۔

اور ایک ڈنڈا تھا گز بھر لمبا۔

اور ایک خم دار لاٹھی جس کا نام ''عُرجُون'' تھا۔

اور چار کمانیں تھیں، جن میں سے ایک کا نام ''کُتوم'' تھا، اور ایک ترکش تھا، جس کا نام ''کافور'' تھا۔ اور ایک ڈھال تھی۔ نام اس کا ''زَلُوق'' تھا، اور ایک خُود تھا، جس کا نام ''ذُوالسَّبُوع'' تھا۔

بوقتِ شب کبھی روپیہ پیسہ کی قسم سے کوئی چیز آپ کے دولت خانہ میں نہ رہنے پاتی، احیاناً اگر کبھی کوئی مستحق نہ ملا، اور رات ہوگئی تو جب تک وہ چیز کسی مستحق کو دے نہ دی جاتی، آپ گھر اندر تشریف نہ لے جاتے تھے، بیت المال سے صرف اس قدر لیتے کہ آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّم کے اہل وعیال کے لیے کوئی ارزاں (سستی سے سستی) چیز جو سال بھر کے لیے کافی ہوجائے، خریدی جاسکے، پھر اس میں بھی اکثر غرباء ومساکین کو دے دیتے، یہاں تک کہ سال ختم ہونے سے پہلے فاقہ کشی کی نوبت آجاتی۔

[زاد المعاد فی ھدی خیر العباد، فصل فی ذکر سلاحہ واثاثہ جلد ۱، ص ۱۲۶]

صَلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وعلی آلہ وصحبہ وبارک وسلم

باب نہم

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متعلقین اور مخصوصین

ازواج مطہرات امہات المومنین رضی اللہ عنہن:

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن بوقتِ وفات شریف نو تھیں۔

۱......حضرت سودہ رضی اللہ عنہا ان سے قبل ہجرت، مکہ میں ۱۰ سنہ نبوت میں نکاح ہوا تھا۔

۲......حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بنت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، ان سے بھی قبل ہجرت ۱۰ سنہ نبوت میں نکاح ہوا۔ بوقتِ نکاح صغیر السن تھیں، لہٰذا خلوت ہجرت کے بعد مدینہ میں ۱ ہجری میں ہوئی، ان کے سوا کوئی باکرہ حضرت کے نکاح میں نہ تھی۔

۳......حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا بنت عمر فاروق رضی اللہ عنہ، ان سے شعبان ۳ ہجری میں نکاح ہوا۔

۴......حضرت اُمِّ سلمہ رضی اللہ عنہا بنت ابی سفیان رضی اللہ عنہ، شعبان ۴ ہجری میں ان سے نکاح ہوا۔

۵......حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پھوپھی کی بیٹی تھیں، ان سے ۵ ہجری میں نکاح ہوا۔

۶......حضرت اُمِّ حبیبہ رضی اللہ عنہا بنت ابی سفیان رضی اللہ عنہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی سگی بہن تھیں۔ ۶ ہجری میں ان سے نکاح اور ۷ ہجری میں اُن سے خلوت ہوئی۔

۷......حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا بنت حارث، ان سے بھی ۶ ہجری میں نکاح ہوا۔

۸......حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا بنت حارث ہلالیہ، حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کی خالہ ہیں، اور ان سے ۷ ہجری میں نکاح ہوا۔

۹......حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا بنت حیی خاندانِ یہود سے ہیں، حضرت ہارون علیہ السلام کی

اولاد میں سے ہیں ۔غزوہ خیبر میں اسیر ہو کر آئی تھیں ۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دو زوجہ محترمہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے وفات پا چکی تھیں ۔ اول حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا جن کے ساتھ سب سے پہلے نکاح ہوا تھا، اور جب تک وہ زندہ رہیں ۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دوسرا نکاح نہیں کیا، دوسرے حضرت زینب رضی اللہ عنہا بنت خزیمہ جن سے ۴ ہجری میں نکاح ہوا تھا، اور نکاح کے بعد دو یا تین مہینے زندہ رہیں ۔ان کے علاوہ اور بھی کئی عورتوں سے نکاح ہونا بیان کیا گیا ہے، مگر خلوت کی نوبت نہیں آئی ، اور مفارقت ہوگئی ۔لہٰذا ان کا شمار ازواجِ مطہرات میں نہیں ہے، نہ ان کو ام المومنین ہونے کا شرف حاصل ہے ۔

[زاد المعاد فی ھدی خیر العباد، فصل فی ازواجہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ، جلد ۱ص ۱۰۲]

حرمین :

ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن کے علاوہ دو حرمین آپ کی تھیں ۔

۱۔ایک حضرت ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا جن کے بطنِ مبارک سے حضرت ابراہیم فرزند نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پیدا ہوئے تھے ۔

۲۔اور دوسری حضرت ریحانہ رضی اللہ عنہا بنت عمرو قرظیہ ۔[حوالہ بالا]

اولاد:

اولادِ نرینہ آپ کی چار تھیں ۔(بعض علماءِ سیر نے نرینہ اولاد تین ذکر فرمائی ہے)

۱۔حضرت قاسم رضی اللہ عنہ انہی کی وجہ سے آپ کی کنیت ابوالقاسم تھی ۔

۲ حضرت طاہر رضی اللہ عنہ ۳۔حضرت طیب رضی اللہ عنہ (صحیح یہ ہے کہ یہ دونوں لقب ہیں ایک ہی صاحبزادے کے، یعنی حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کے،اس اعتبار سے

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نرینہ اولاد تین بنتی ہے، کما قال ابن القیم الجوزی ۔از محمد اظہر) یہ تینوں صاحبزادے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے بطن مقدس سے تھے۔

۴۔حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ ان کی والدہ ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا تھیں۔

اور صاحبزادیاں بھی آپ کے چار ہی تھیں:

۱۔حضرت زینب رضی اللہ عنہا۔

۲۔حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا

۳۔ام کلثوم رضی اللہ عنہا

۴۔حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا۔

سوا حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے، آپ کی سب اولاد کا انتقال آپ کے سامنے ہی ہو گیا۔صاحبزادے تو بہت ہی کم سنی میں انتقال فرما گئے تھے، اور صاحبزادیاں بعد بلوغ و نکاح وفات پا گئیں۔حضرت زینب رضی اللہ عنہا حضرت ابوالعاص رضی اللہ عنہ کے نکاح میں تھیں، اور حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا و ام کلثوم رضی اللہ عنہا یکے بعد دیگرے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے نکاح میں آئیں۔اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا حضرت علی المرتضی رضی اللہ عنہ کے نکاح میں رہیں۔[زاد المعاد فی ھدی خیر العباد، فصل فی اولادہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، جلد ۱، ص ۱۰۰]

چچا اور پھوپھیاں:

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دس چچا تھے، اور پانچ پھوپھیاں: جن میں سے تین چچا اور چار پھوپھیاں آپ کی سگی تھیں:

تین سگے چچاؤں کے نام یہ ہیں:

۱۔زُبَیر۔

۲۔اَبُوطَالِب۔

۳۔عَبْدُ الْکَعْبَہ۔

چارسگی پھوپھیوں کے نام یہ ہیں:

۴۔اُمِّ حَکِیم۔

۵۔عَاتِکَہ۔

۶۔بَرَّہ۔

۷۔اُمَیْمَہ۔

اورسات چچااورایک پھوپھی سوتیلی تھیں۔

سات چچاؤں کے نام یہ ہیں:

۱۔حضرت حَمزَہ سیدالشہدا رضی اللہ عنہ

۲۔مُقَوِم۔

۳۔حَجَل۔

۴۔حضرت عَبَّاس رضی اللہ عنہ

۵۔ضِرار۔

۶۔حَارِث۔

۷۔قثم۔

۸۔حضرت صَفِیَّہ رضی اللہ عنہا

چچاؤں میں صرف حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ اور حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو اور پھوپھیوں میں صرف حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کو اسلام کی توفیق ملی۔

[زادالمعاد فی ھدی خیرالعباد، فصل فی اعمامہ وعماتہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، جلدنمبر۱،ص،۱۰۱]

آزاد کیے ہوئے غلام اور لونڈیاں:

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس اٹھائیس غلام تھے، ان سب کو آپ نے یکے بعد دیگرے آزاد کر دیا تھا۔ اُن کے نام یہ ہیں:

۱۔ زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ: اِن کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنا بیٹا بنایا تھا، ان کا نام بھی قرآن مجید میں نازل ہوا ہے۔

۲۔ ان کے بیٹے اسامہ رضی اللہ عنہ۔

۳۔ ثوبان رضی اللہ عنہ۔

۴۔ ابوکبشہ رضی اللہ عنہ۔

۵۔ اُنَیسہ رضی اللہ عنہ۔

۶۔ شَقران رضی اللہ عنہ۔

۷۔ رباح رضی اللہ عنہ۔

۸۔ یسار رضی اللہ عنہ۔

۹۔ ابورافع رضی اللہ عنہ۔

۱۰۔ ابومُویہبہ رضی اللہ عنہ۔

۱۱۔ فَضالہ رضی اللہ عنہ۔

۱۲۔ رافع رضی اللہ عنہ۔

۱۳۔ مِدعم رضی اللہ عنہ۔

۱۴۔ کَرکرہ رضی اللہ عنہ۔

۱۵۔ زید جد رضی اللہ عنہ۔

۱۶۔ہلال رضی اللہ عنہ۔

۱۷۔عبید رضی اللہ عنہ۔

۱۸۔طہمان رضی اللہ عنہ۔

۱۹۔نابور قبطی رضی اللہ عنہ۔

۲۰۔واقد رضی اللہ عنہ۔

۲۱۔ہشام رضی اللہ عنہ۔

۲۲۔ابو ضُمیر رضی اللہ عنہ۔

۲۳۔ابو عُسیب رضی اللہ عنہ۔

۲۴۔ابو عبید رضی اللہ عنہ۔

۲۵۔سفینہ رضی اللہ عنہ۔

۲۶۔ابو ہند رضی اللہ عنہ۔

۲۷۔اَنجشہ رضی اللہ عنہ۔

۲۸۔ابو امامہ رضی اللہ عنہ۔

گیارہ لونڈیاں آپ کی تھیں۔ان کو بھی آپ نے آزاد کر دیا تھا۔

۱۔سلمہ رضی اللہ عنہا۔

۲۔ام رافع رضی اللہ عنہا۔

۳۔رَضوی رضی اللہ عنہا۔

۴۔اُمیمہ رضی اللہ عنہا۔

۵۔اُمِّ ضمیر رضی اللہ عنہا۔

۶۔ماریہ رضی اللہ عنہا۔

۷۔سیرین رضی اللہ عنہا۔

۸۔اُم ایمن رضی اللہ عنہا۔

۹۔میمونہ رضی اللہ عنہا۔

۱۰۔خضرہ رضی اللہ عنہا۔

۱۱۔خویلہ رضی اللہ عنہا۔

[زادالمعاد فی ھدی خیر العباد، فصل فی موالیہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جلد نمبر۱ ص ۱۱۱]

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خدّام رضی اللہ عنہم:

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خدام گیارہ تھے۔

۱۔حضرت انس رضی اللہ عنہ جنہوں نے دس برس خدمت کی۔

۲۔ہند۔ ۳۔اسماء رضی اللہ عنہما (دختران حارثہ)

۴۔ربیعہ بن کعب رضی اللہ عنہ۔

۵۔عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ۔

۶۔عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ۔

۷ بلال رضی اللہ عنہ۔

۸۔سعد رضی اللہ عنہ۔

۹۔ذومخمر رضی اللہ عنہ (بادشاہ حبش کے بھتیجے)۔

۱۰۔بکیر بن شداخ رضی اللہ عنہ۔

۱۱۔ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ۔[ایضا، فصل فی خدامہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، ص ۱۱۳]

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قاصد رضی اللہ عنہم:

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب شاہان روئے زمین کے نام فرمان بھیجے، تو اِن اصحاب رضی اللہ عنہم کو قاصد بنا کر بھیجا۔

۱۔حضرت عمرو بن امیہ رضی اللہ عنہ کونجاشی شاہ حبش کی طرف۔

۲۔حضرت دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ کو ہرقل شاہ روم کی طرف۔

۳۔حضرت عبداللہ ابن حذافہ رضی اللہ عنہ کو شاہ ایران کی طرف۔

۴۔حضرت حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ کومقوقس شاہ اسکندریہ کی طرف۔

۵۔حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کو جیفر وعبداللہ پسران جلندی شاہ عمان کی طرف۔

۶۔حضرت سلیط بن عمر رضی اللہ عنہ کو ہوزہ بن علی رئیس یمامہ کی طرف۔

۷۔حضرت شجاع بن وہب رضی اللہ عنہ کو حارث غسانی شاہ بلقا کی طرف۔

۸۔حضرت مہاجر بن امیہ رضی اللہ عنہ کو حارث حمیری کی طرف۔

۹۔حضرت علاء بن حضرمی رضی اللہ عنہ کو منذر بن ساوی شاہ بحرین کی طرف۔

۱۰۔حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ

۱۱۔اورحضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو اہل یمن کی طرف۔

[زاد المعاد فی هدی خیر العباد، فصل فی کتبہ ورسلہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم الی الموک،ص ۱۱۶]

کاتبانِ وحی رضی اللہ عنہم:

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جن اصحاب سے کتابت وحی وتحریر فرامین کا کام لیا ہے، ان کے نام یہ ہیں:

خلفائے اربعہ(ابوبکر رضی اللہ عنہ ،عمر فاروق رضی اللہ عنہ ،عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ ،علی المرتضی رضی اللہ عنہ

۵۔عامر بن فہیرہ رضی اللہ عنہ

۶۔عبداللہ بن ارقم رضی اللہ عنہ

۷۔ابی بن کعب رضی اللہ عنہ

۸۔ثابت بن قیس بن شماس رضی اللہ عنہ

۹۔خالد بن سعید رضی اللہ عنہ

۱۰۔حنظلہ بن ربیع رضی اللہ عنہ

۱۱۔زید بن ثابت رضی اللہ عنہ

۱۲۔معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ

۱۳شرجیل بن حسنہ رضی اللہ عنہ

[زادالمعاد فی ھدی خیر العباد،فصل فی کُتَّابہ ﷺ ص ۱۱۳]

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نجباء رضی اللہ عنہم:

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں ۱۳ حضرات مزید لطف وکرم کے ساتھ مخصوص تھے۔
خلفائے اربعہ(ابوبکر رضی اللہ عنہ ،عمر فاروق رضی اللہ عنہ ،عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ ،علی المرتضی رضی اللہ عنہ

۵۔حمزہ رضی اللہ عنہ

۶۔جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ

۷۔ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ

۸۔مقداد رضی اللہ عنہ

۹۔سلمان فارسی رضی اللہ عنہ

۱۰۔حذیفہ رضی اللہ عنہ

۱۱۔عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ

۱۲۔عمار رضی اللہ عنہ

۱۳۔ بلال رضی اللہ عنہ

عشرہ مبشرہ رضی اللہ عنہم:

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں بہت سے حضرات کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جنت کی بشارت دی تھی ازاں جملہ دس صحابہ کے لیے بہ ترتیب نام بنام ایک حدیث میں یہ بشارت منقول ہے۔

خلفائے اربعہ (ابوبکر رضی اللہ عنہ ،عمر فاروق رضی اللہ عنہ ،عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ ،علی المرتضی رضی اللہ عنہ

۵۔سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ

۶۔زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ

۷۔عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ

۸۔طلحہ بن عبیداللہ رضی اللہ عنہ

۹۔ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ

۱۰۔سعید بن زید رضی اللہ عنہ۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم:

غزوہ بدر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہمراہ تین سو چودہ صحابی تھے،اور حدیبیہ میں پندرہ سو،فتح مکہ میں دس ہزار،حنین میں بارہ ہزار،حجۃ الوداع یعنی آپ کے آخری حج میں چالیس ہزار،غزوہ تبوک میں ستر ہزار۔

آپ ﷺ کی وفات کے وقت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تعداد کتنی تھی تحقیقی شمار تو اس کا نہیں ہوسکا، مگر تخمینی طور پر محدثین نے بیان فرمایا ہے۔علامہ محمد طاہر گجراتی مجمع بحار الانوار میں لکھتے ہیں: و قبض علی مائة الف و اربعة و عشرین الفا یعنی رسول خدا ﷺ نے ایک لاکھ چوبیس ہزار صحابہ چھوڑ کر دنیا سے رحلت فرمائی۔

یہ ایک لاکھ چوبیس ہزار صحابی تھے، یا یوں کہنا چاہیے کہ ایک لاکھ چوبیس ہزار آپ ﷺ کی نبوت کے دلائل تھے۔ قرآن مجید سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ کے صحابہ کرام کی تعداد بہت زیادہ تھی سورۃ اذا جاء میں ہے:

﴿وَرَاَیۡتَ النَّاسَ یَدۡخُلُوۡنَ فِیۡ دِیۡنِ اللّٰہِ اَفۡوَاجًا ۙ﴾[النصر:۲]

"اور تم لوگوں کو دیکھ لو کہ وہ فوج درفوج اللہ کے دین میں داخل ہورہے ہیں"۔[م۔ت]

یعنی اے نبی آپ نے دیکھ لیا کہ لوگ دین الٰہی میں فوجوں کی فوجیں داخل ہو رہے ہیں۔جن صحابہ کرام سے حدیث کی کتابوں میں مذہبی روایتیں نقل کی گئیں ہیں ان کی تعداد تقریباً ساڑھے سات ہزار ہے۔

آپ ﷺ کے خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم:

یوں تو قیامت تک ہر زمانے کے مسلمان پر لازم ہے کسی شخص کو جو اس کی قابلیت رکھتا ہو آپ کے خلیفہ بنائیں مگر خلافتِ راشدہ جس کی مدت خود حضور ﷺ نے تیس سال معین فرمادی، اس مدت میں چار خلیفہ آپ کے ہوئے یہ چاروں مہاجرین اور سابقین اولین میں سے تھے، ان کی عظمت وجلالت کا منکر بے دین اور گمراہ ہے۔

خلیفہ اول:

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے بعد جانشین ہوئے اور ۱۷ جمادی الآخری ۱۳ھ کو دو برس تین مہینے نو دن خلافت کے بعد بعمر ۶۳ سال وفات پائی۔

خلیفہ دوم:

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے بعد خلیفہ ہوئے، دس برس چھ مہینے پانچ دن خلافت کر کے ابولؤلو مجوسی فیروز کے ہاتھ سے زخمی ہوئے، اور یکم محرم ۲۴ھ کو بعمر ۶۳ سال وفات پائی۔

خلیفہ سوم:

حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے بعد خلیفہ ہوئے، بارہ دن کم بارہ سال خلافت کر کے ۱۸ ذالحجہ ۳۵ھ میں باغیوں کے ہاتھ سے شہید ہوئے۔

خلیفہ چہارم:

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے بعد خلیفہ ہوئے، تو تین دن کم پانچ سال خلافت کے بعد ۱۸ رمضان ۴۰ھ بمقام کوفہ شہید ہوئے۔

[تاریخ الخلفاء، ۲۲، تا ۱۲۳]

[الاکمال ۵۹۷ تا ۶۱۴]

صَلَّی اللہ تعالیٰ علیہ و علی آلہ و صحبہ و بارک و سلم

تعارف

اس حصہ میں آنحضرت ﷺ کی حیات طِیبہ کے حالات وواقعات قرآن کی زبانی، خاص طور پرآپ ﷺ کے دلائلِ نبوت اور آپ ﷺ کے معجزات کا نہایت جامع جدول اس حصہ کے اہم مزایا اور خصوصیات میں سے ہے، اللہ جل شانہ اپنے حبیب کبریا ﷺ کے مبارک تذکرہ سے ہمارے جیسے نیم جان مومنوں کے مشامِّ جاں کو معطر فرمادے۔ اور ہمیں صحیح معنوں میں عشق ومحبت کی حلاوت نصیب فرما کر متبعین اور فرمان برداروں کی صف میں کھڑا فرمادے (آمین)

حصہ سوم

مختصر سیرت نبویہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام

موسوم بہ

سیرت الحبیب الشفیع من الکتاب العزیز الرفیع

مصنَّفہ

بقیۃ السلف، حجۃ الخلف، حجۃ الاسلام، امام اہل سنت

حضرت علامہ محمد عبد الشکور صاحب لکھنوی قدس سرہ

جمع وترتیب

مولانا محبوب احمد

مدرس جامعہ مفتاح العلوم سرگودھا

تحقیق و تخریج

مفتی محمد اظہر

مُدرِّس جامعہ معہد الفقیر الاسلامی جھنگ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡم

تعارف:

حجۃ الاسلام امام اہل سنت علامہ عبد الشکور لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ کی عظیم شخصیت سے برصغیر و پاک کے علمی دینی حلقے بخوبی واقف ہیں۔آپ کی ذاتِ والاصفات نصف صدی تک حق کی اشاعت اور تبلیغ میں سرگرم عمل رہی۔آپ کو قدرت نے زبان اور قلم دونوں پر مکمل عبور عطا فرمایا تھا۔

سیرت کے موضوع پر بہت کچھ اور بہت سوں نے لکھا،بعض سیرتیں محدثانہ انداز میں لکھی گئیں، جیسے ”البدایہ والنہایہ“بعض کو فقہی مسائل کی ترتیب پر فقیہانہ انداز میں ترتیب دیا گیا،جیسے ”زاد المعاد فی ھدی خیر العباد“ اور بعض عاشقانہ اور صوفیانہ انداز میں لکھی گئیں،جیسے ”شفاء قاضی عیاضؒ“ اور بعض مغازی اور غزوات کو معیار بنا کر ترتیب میں آئیں،جیسے ”سیرت ابن ھشام“ اور بعض مؤرخانہ انداز میں مرتّب ہوئیں وغیرہ وغیرہ۔

لیکن سیرت کے وہ عظیم اور درخشندہ پہلو جن کو قرآن کریم نے کہیں اجمالاً اور کہیں تفصیلاً بیان فرمایا، ان تمام کو حیات طیبہ کی ابتداء سے وصال مبارک تک بہ ترتیب احسن جمع کر کے امت کے سامنے پیش کرنے کی سعادت اِمام اہل سنت رحمۃ اللہ علیہ کو حاصل ہوئی حق تعالیٰ شانہ اُن کو کروٹ کروٹ اپنی رحمتیں اور خلد بریں میں جگہ عطا فرمائے۔(آمین)

مزید برآں اس مسوّدے میں عزیزی مفتی محمد اظہر سلمہ نے آیات کی تحقیق تصحیح وتراجم اور ایک ہی موضوع کے تحت پیش ہونے والی کئی آیات کو نمبرات لگا کر اس کے حسن میں اضافہ کر دیا،اللہ جل شانہ اُن کے علم و عمل میں ترقی عطا فرمائے۔(آمین)

یہ حصہ اگرچہ مختصر اور چھوٹا ہے،لیکن اپنے خصوصی موضوع پر یہی ایک ہے۔اس کا پورا نام ”سیرۃ الحبیب الشفیع من الکتاب العزیز الرفیع“ ہے۔

یہ کتاب ۴۸ سال قبل چھپ کر نایاب ہو چکی تھی۔اللہ تعالیٰ جناب حافظ سیف اللہ گجر صاحب کو جزائے خیر عطا فرمائے،کہ انہوں نے اس قیمتی شہ پارے کو عام فرمانے کا ارادہ کیا۔اللہ تعالیٰ ان کے ارادے میں کامیابی عطا فرمائے۔

محبوب احمد
مدرس جامعہ مفتاح العلوم سرگودھا

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

ہر طرح کی حمد وثنا اور ہر قسم کا شکر و سپاس اس بارگاہِ بے اشتباہ پر نثار ہے، جس کی بے تعداد نعمتوں میں ایک بڑی نعمت یہ ہے، کہ اس نے ہماری زبانوں کو اپنے باعزت حبیب کے ذکر سے زینت دی، اور ان کی تصدیق و محبت سے ہمارے سینوں کو وسعت و رفعت عطا فرمائی۔

اور صلوٰۃ وسلام اُس آفتابِ آسمانِ رسالت پر جو غروب واُفول سے محفوظ ہے، اور ان نجومِ فلکِ ہدایت پر، جو بلاواسطہ یا بالواسطہ اس آفتاب سے مستنیر ہیں، جن کا نور بفضلہ تعالیٰ زوال وکسوف سے مصون ہے۔

امابعد! واضح ہو کہ یہ مختصر سیرت ہے، بہترین بنی آدم سیدنا ومولانا ابو القاسم محمد بن عبد اللہ بن عبد المطلب بن ہاشم ﷺ کی، جن کو حق تعالیٰ نے اپنی رسالت و نبوت کے ساتھ سرفراز کیا، اور ان کی اِتباع کو اپنی رضا وخوشنودی کا مدار قرار دیا۔

...... یہ مختصر سیرت ہے اس سرور کی جو زُبرِ اوّلین میں مذکور ہے، جس کا وصف قرآن کریم میں مسطور ہے۔

...... یہ مختصر سیرت ہے، اُس اِمام مفترض الطاعۃ کی، جس کا دین ناسخ اَدیان ہے، جس کی سیرت کی معرفت اہمّ الفرائض بلکہ مدارِ ایمان ہے۔ جس نے اُس اِمام کو نہ جانا، اُس نے کچھ نہ جانا، اور جس نے اُس کو نہ مانا، اُس نے خدا کو نہ مانا۔

...... یہ مختصر سیرت ہے اس ہادی اولوالعزم کی، جس نے خدا پرستی کی راہیں روشن کر دیں۔ اور طاغوت پرستی کی راہوں کو ایسا تاریک و پُرخطر کر دیا، کہ ان پر چلنا دشوار ہو گیا۔

...... یہ مختصر سیرت ہے اس بادشاہ کی، جو دلوں پر فرماں روا ہے۔ جس کی

چوکھٹ کی عرب وعجم سب غلام ہیں۔

اے عربی نسب و امی لقب	بندہ[1] تو ہم عجم و عرب
تیغ عرب زن کہ فصاحت تراست	صید عجم کن کہ ملاحت تراست
چوں زتو خوانند و نویسند ہم	گر تو نہ خوانی نہ نویسی چہ غم
از تو سیہ راست سپیدی امید	بہ کہ سیاہی نہ نہی بر سپید

[1] بندہ ترجمہ ہے عبد کا۔عبد کبھی مقابل میں معبود کے بولا جاتا ہے۔کبھی مقابل میں عبد کے،معنی اول غیر اللہ کے لیے ناجائز ہیں،یہاں معنی ثانی مراد ہے۔

...... یہ مختصر سیرت جو محض نمونے کے طور پر کتاب عزیز رفیع یعنی قرآن کریم سے اقتباس کر کے لکھی گئی ہے،ایک مقدمہ اور چار باب اور ایک خاتمہ پر منقسم ہے۔

مقدمہ میں چار مسئلے بیان کیے گئے ہیں:

پہلا مسئلہ:

لفظ سیرت کے معنی۔

دوسرا مسئلہ:

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت کی معرفت فرضِ قطعی ہے،اور نہایت آسان ہے۔

تیسرا مسئلہ:

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت قرآن کریم میں مذکور ہے،اور نہ صرف قرآن میں بلکہ تمام کتبِ الٰہیہ میں بدرجہ اتم موجود ہے۔

چوتھا مسئلہ:

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت کی حفاظت خدا نے اپنے ذمہ لی ہے، اور خدا نے اپنی ذمہ داری کو باحسن وجوہ پورا کیا ہے۔

باب اول:

عرب کا زمانہ جاہلیت اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت کے لیے خطہ عرب کی تخصیص کی حکمت۔

باب دوم:

رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حالات، قبل از نبوت۔

باب سوم:

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت اور دلائل نبوت۔

باب چہارم:

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حالات بعد از نبوت۔

خاتمہ:

وہ عظیم الشان نعمتیں جن کا وعدہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متبعین سے کیا گیا ہے، اور اتباع کا طریقہ اور اس کی اصل حقیقت۔

مقدمہ مختصر سیرت نبویہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام

پہلا مسئلہ؛ لفظِ سیرت کا لغوی معنیٰ:

لفظ سیرت بروزن ''فِعلَۃٌ'' بکسر فا'' ماخوذ ہے۔

سَارَ یَسِیرُ سَیْرًا سے۔

سیر کے معنیٰ چلنا۔ یہ لفظ اور اس کے مشتقات قرآن مجید میں بکثرت اسی معنیٰ میں مستعمل ہیں۔

①... قولہ تعالیٰ:

﴿وَسَارَ بِأَهْلِهِ﴾ [القصص:۲۹]

''چلا وہ اپنی بی بی کے ساتھ''۔ [ع۔ر]

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قصہ ہے جب وہ اپنی بی بی کو مدین سے لے کر چلے۔

②......وقولہ تعالیٰ:

﴿أَفَلَمْ يَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ﴾ [محمد:۱۰]

''کیا نہیں وہ چلے زمین میں'' [ع۔ر]

③......وقولہ تعالیٰ:

﴿قُلْ سِيرُوا فِي الْأَرْضِ﴾ [الانعام:۱۱]

''اے نبی کہہ دو کہ چلو تم لوگ زمین میں''۔ [ع۔ر]

④......وقولہ تعالیٰ:

﴿وَقَدَّرْنَا فِيهَا السَّيْرَ﴾ [سبا:۱۸)]

''ہم نے مقدر کی ہے اس زمین میں رفتار''۔ [ع۔ر]

۵......وقولہ تعالیٰ:

﴿وَجَآءَتْ سَيَّارَةٌ﴾ [یوسف:۱۹]

''اور آئی ایک چلنے والی جماعت یعنی قافلہ''۔ [ع۔ر]

اور کلیہ قاعدہ ہے، جب کوئی مصدر فِعْلَۃ (بکسر فاء) کے وزن پر آتا ہے تو اس کے معنی مادی کسی خاص صفت نوعیہ کے ساتھ موصوف ہو جاتے ہیں۔ جیسے: جِلْسَۃٌ کسی خاص قسم کا بیٹھنا اور صِبْغَۃٌ کسی خاص قسم کا رنگنا۔

لفظ ''سیرت'' کے معانی کا خلاصہ:

پس سِیْرَۃٌ کے معنی ''کسی خاص قسم کا چلنا'' یعنی اعمال و اقوال و احوال۔ یہ لفظ جب مطلق بولا جاتا ہے، تو اس سے آنحضرت ﷺ کی سیرت یعنی آپ کے اقوال و افعال و احوال مراد ہوتے ہیں۔ سیرت کے یہی اصلی معنی ہیں، اور اسی معنی کے اعتبار سے تمام کتبِ حدیث ''کتبِ سیرت'' کہی گئی ہیں۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب کا ''صحیح بخاری'' نام رکھا ہے۔

''الجامع الصحیح المختصر من امر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم و اقوالہ وافعال و احوالہ۔''

لیکن چونکہ جمع احادیث و روایات میں محدثین کے مقاصد مختلف تھے، بعض کا یہ قصد ہوا، کہ آنحضرت ﷺ کے اقوال و افعال و احوال اس طور پر مرتّب کیے جائیں، کہ ان سے استنباطِ مسائل میں آسانی ہو، لہٰذا انہوں نے ابوابِ فقہیہ کی رعایت اپنی ترتیب میں رکھی، جن اقوال و افعال و احوال سے نماز کے لیے مسائل مستنبط ہوتے ہیں، ان کو علیحدہ کر دیا۔ اور جن سے صوم (روزہ) کے مستنبط ہو سکتے ہیں، ان کو علیحدہ کر دیا۔

وعلیٰ ہذا اس ترتیب سے استنباط میں بہت آسانی ہوگئی، مگر واقعات کا تسلسل قائم نہ رہا۔ بعض نے واقعات کے تسلسل کا لحاظ رکھا، اور انہوں نے اس مقصد کے مناسب زیادہ تر حالات مغازی کو پایا، لہٰذا اپنی کتابوں میں بیشتر مغازی کی روایتیں درج کیں، اس وجہ سے لفظ سیرت زیادہ تر مغازی پر اطلاق پانے لگا۔

''مُغرَب'' میں جو ایک کتاب لغت فقہ کی ہے لکھتے ہیں:

''اصل السیرۃ حالۃ السیر الا انہ غلب علی لسان الشرع علی امور المغازی''

''یعنی اصل معنی سیرت کے تو ''حالت وروش'' کے ہیں، مگر یہ لفظ کتب شرعیہ میں زیادہ تر حالاتِ مغازی پر بولا جاتا ہے۔''

دوسرا مسئلہ: سیرت مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جاننا فرض ہے:

اللہ تعالیٰ کی طرف سے جس قدر انبیاء علیہم السلام دنیا میں آئے، سب اپنے اپنے زمانے کے امام تھے، اور ہر زمانے کے لوگوں پر اپنے اپنے امام کی معرفت فرض تھی۔

''یہی مطلب اس حدیث کا ہے کہ جس شخص نے اپنے زمانے کے امام کو نہ پہچانا وہ جاہلیت کی موت مرے گا: قولہ علیہ السلام من مات و لم یعرف امام زمانہ فقد مات میتۃ الجاھلیۃ فافھم''

پس اسی طرح محمد الرسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جو اس دورِ آخر کے امام ہیں، ان کی معرفت بھی اس دورِ آخر کے لوگوں پر فرض ہے۔ اس دورِ آخر کو شروع ہوئے تیرہ سو سینتالیس برس ہو چکے (اب ۱۴۳۹ سال ہو رہے ہیں) اور قیامت کے دن نفخۂ صُور پر اس کا خاتمہ بالخیر ہوگا۔ اور ظاہر ہے کہ کسی نبی کی صورت کی معرفت فرض نہیں

ہے، بلکہ صرف اس کی سیرت کی معرفت فرض ہے، اس لیے کہ معرفت سے مقصود اتباع واطاعت ہے، اور وہ معرفتِ سیرت پر موقوف ہے نہ کہ معرفتِ صورت پر۔

معرفتِ انبیاء علیہم السلام کی مثال:

اس کی مثال یوں سمجھیے! کہ جماعت کی نماز قائم ہے۔ امام آگے کھڑا ہوا ہے اور مقتدیوں کی صفیں پیچھے کھڑی ہیں۔ ان مقتدیوں پر صرف یہ بات لازم ہے، کہ امام کی حالت کا علم رکھیں، کہ وہ رکوع میں ہے یا سجود میں یا قعود میں۔ اس بات کی مطلق ضرورت نہیں، کہ وہ امام کی شکل وصورت جانتے ہیں: کہ گورا ہے یا کالا پستہ قد ہے یا لانبا۔

خلاصہ یہ کہ سیرتِ پیغمبر کی معرفت کی فرضیت اور اشد فرضیت اسی سے ظاہر ہے کہ ایمان اور اتباع بغیر اس کے ناممکن ہے۔

سیرت نبوی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کی معرفت پر قرآنی دلائل:

① ... قَالَ اللہُ تَعَالٰی:

﴿اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَا تَوَلَّوْا عَنْهُ ۝٢٠﴾ [الانفال:۲۰]

”اطاعت کرو اللہ کی اور اس کے رسول کی اور نہ منہ پھیرو اس سے“۔ [ع۔ر]

② ... قَالَ اللہُ تَعَالٰی:

﴿وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰهِ ۭ﴾ [النساء:۶۴]

”نہیں بھیجا ہم نے کوئی رسول مگر اسی لیے کہ اس کی اطاعت کی جائے حکم خدا سے“۔ [ع۔ر]

③... قَالَ اللّٰہُ تَعَالیٰ:

﴿وَمَآ اَرۡسَلۡنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيۡرًا وَّنَذِيۡرًا﴾ [السبا:۲۸]

''اور نہیں بھیجا ہم نے تم کو اے محمد ﷺ مگر تمام لوگوں کے لیے بشیر و نذیر بنا کر''۔ [ع۔ر]

④... قَالَ اللّٰہُ تَعَالیٰ:

﴿لَقَدۡ كَانَ لَكُمۡ فِيۡهِمۡ اُسۡوَةٌ حَسَنَةٌ﴾ [الممتحنۃ:٦]

''اور بہ تحقیق ہے تمہارے لیے رسولِ خدا کی سیرت میں عمدہ پیروی''۔ [ع۔ر]

۵... قَالَ اللّٰہُ تَعَالیٰ:

﴿قُلۡ اِنۡ كُنۡتُمۡ تُحِبُّوۡنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوۡنِىۡ﴾ [آل عمران:۳۱]

''کہہ تو! اگر تم چاہتے ہو اللہ کو تو پیروی کرو میری''۔ [ع۔ر]

⑥... قَالَ اللّٰہُ تَعَالیٰ:

﴿اَمۡ لَمۡ يَعۡرِفُوۡا رَسُوۡلَهُمۡ فَهُمۡ لَهٗ مُنۡكِرُوۡنَ ﴿۶۹﴾﴾ [المؤمنون:٦٩]

''کیا نہیں پہچانا انہوں نے اپنے رسول کو، اس لیے وہ اس کے منکر ہیں''۔ [ع۔ر]

حضور ﷺ کی سیرت کی معرفت سب سے آسان تر ہے:

اب رہا یہ کہ معرفت آپ کی سیرت کی نہایت آسان ہے، تو واقعی اس قدر آسان ہے کہ دنیا میں کوئی چیز اس قدر آسان نہیں۔

یہ قاعدہ کلیہ ہے، جس کو ''فطرۃ اللہ'' کہنا چاہیے، کہ جب کوئی بادشاہ اپنے ملک میں کوئی حکم نافذ کرتا ہے، تو اپنی پوری کوشش اس امر میں صرف کرتا ہے، کہ

اس حکم کو ہر وہ شخص جو مخاطب اس حکم کا ہو، بآسانی حاصل کرے۔ اور جب وہ شخص اس حکم کی خلاف ورزی میں ماخوذ ہو، تو عذر نہ کر سکے، کہ اس حکم کا ہمیں علم نہ تھا یا اس کا علم حاصل کرنا ہمارے لیے سخت دشوار تھا۔ پس اسی طرح حق سبحانہ بھی جب اپنے ملک میں، جو سب ملکوں پر حاوی ہے، کوئی نبی بھیجتا ہے اور یہ حکم نافذ کرتا ہے کہ اس نبی کی سیرت کی اتباع کرو! تو اپنی حکمتِ بالغہ سے ایسی تدبیر فرماتا ہے، کہ اس حکم کے تمام مخاطب اس نبی کی سیرت کو بآسانی حاصل کرسکیں۔ اور پھر قیامت کے دن پر عذر کر کے کہ نبی کی سیرت ہم تک نہیں پہنچی، یا اس کا معلوم کرنا ہمارے لیے مشکل تھا۔ اپنی بے قصوری ثابت نہ کرسکیں۔

اور چوں کہ آنحضرت ﷺ تمام عالم کے لیے اور قیامت تک کے لیے رسول ہیں، لہٰذا ضروری ہوا کہ آپ کی سیرتِ قدسیہ کا حاصل کرنا قیامت تک تمام عالَم کے لیے آسان ہے۔

سیرت کی معرفت کے آسان تر ہونے پر قرآنی دلائل:

۱ . . . قَالَ اللّٰہ تَعَالیٰ:

﴿وَلَقَدۡ یَسَّرۡنَا الۡقُرۡاٰنَ لِلذِّکۡرِ فَھَلۡ مِنۡ مُّدَّکِرٍ ﴿۱۷﴾﴾[القمر:۱۷]

''اور بہ تحقیق آسان کیا ہم نے قرآن کو نصیحت (یادداشت) کے لیے پس ہے کوئی نصیحت حاصل کرنے والا؟''۔ [ع۔ر]

فائدہ: اور قرآن کریم کا عملی طور پر نبی علیہ السلام کی سیرت پر مشتمل ہونا آگے کی آیت سے ثابت ہے۔

۲ ... قَالَ اللّٰہ تَعَالیٰ:

﴿اِنَّاۤ اَرۡسَلۡنٰكَ شَاهِدًا﴾[الاحزاب:۴۵]

”اے نبی! بہ تحقیق ہم نے بھیجا آپ کو شاہد بنا کر“۔[ع۔ر]

فائدہ:

اکثر مفسرین شاہد کو بمعنی گواہ لیتے ہیں مگر ”شاہد“ غائب کے مقابل بکثرت مستعمل ہے، اور یہی معنی یہاں واضح ہیں۔ اور میں نے مراد لیے ہیں۔ اور آپ ﷺ کے شاہد ”یعنی غائب نہ ہونے کے معنی“ سوا اس کے کوئی صورت نہیں، کہ آپ کی سیرت غائب نہ ہو۔

﴿یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ اِنَّاۤ اَرۡسَلۡنٰكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِیۡرًا ﴿۴۵﴾ وَّدَاعِیًا اِلَى اللّٰهِ بِاِذۡنِهٖ وَسِرَاجًا مُّنِیۡرًا ﴿۴۶﴾﴾[الاحزاب:۴۶،۴۵]

”اے نبی بہ تحقیق ہم نے بھیجا آپ کو شاہد اور خوشخبری سنانے والا اور ڈرانے والا اور خدا کی طرف اس کے حکم سے بلانے والا اور روشن چراغ بنا کر“۔[ع۔ر]

تیسرا مسئلہ:

جو شخص قرآن مجید کو ایک مرتبہ چشمِ بصیرت سے مِن اَوَّلِہ الیٰ آخرہ دیکھ لے۔ وہ بے تامل اس بات کی شہادت دے سکتا ہے، کہ آنحضرت ﷺ کی ”کامل سیرت“ جس پر آپ کی نبوت کا یقین حاصل کرنا اور آپ کی اتباع کرنا موقوف ہے، وہ سب قرآن میں مذکور ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ایک شخص نے آنحضرت ﷺ کی سیرت دریافت کی تو انہوں نے کہا کہ ”آپ کی سیرت قرآنِ کریم ہے“۔[صحیح مسلم]

بایں ہمہ قرآن کریم نے خود بھی تصریح کی ہے کہ میرے رشکِ فردوسِ صفحات

میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرتِ قدسیہ کے پھول مہک رہے ہیں۔

صفحاتِ قرآنی میں تذکرۂ محمدی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خوشبو:

① ... قال اللہ تعالیٰ:

﴿وَاِنَّهٗ لَذِكْرٌ لَّكَ وَلِقَوْمِكَ ۚ وَسَوْفَ تُسْـَٔلُوْنَ﴾ [الزخرف:۴۴]

''اور بہ تحقیق یہ (قرآن تذکرہ) ہے آپ کا اور آپ کی قوم کا اور عنقریب تم سے سوال کیا جائے گا''۔ [ع۔ر]

② ... و قال اللہ تعالیٰ:

﴿لَقَدْ اَنْزَلْنَاۤ اِلَيْكُمْ كِتٰبًا فِيْهِ ذِكْرُكُمْ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ﴾ [الانبیاء:۱۰]

''بہ تحقیق ہم نے نازل کی تمہاری طرف (اے نبی اور مومنو) ایک کتاب، جس میں تذکرہ ہے تمہارا، کیا تم نہیں سمجھتے؟''۔ [ع۔ر]

فائدہ: مفسرین نے ''ذکر'' کو یہاں بمعنی تذکرہ ونصیحت دونوں طرح لیا ہے، دیکھو معالم التنزیل وغیرہ۔

سابقہ کتبِ الٰہیہ میں تذکرۂ محمدی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام:

قرآن کریم نے یہ بھی تصریح کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت کتبِ الٰہیہ سابقہ میں بھی تھی۔

① ... قال اللہ تعالیٰ:

﴿اَلنَّبِيَّ الْاُمِّيَّ الَّذِيْ يَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِيْلِ﴾ [الاعراف:۱۵۷]

''وہ نبی امی جس کو علماء یہود ونصاریٰ پاتے ہیں لکھا ہوا، اپنے یہاں تورات و

انجیل میں''۔[ع۔ر]

فائدہ عجیبہ: یہ نہیں فرمایا کہ نبی امی کا نام یا ان کا وصف لکھا ہوا پاتے ہیں ۔ یعنی: یجدون وصفه یا یجدون مثله نہیں فرمایا بلکہ فرمایا **یجدونه** خود اسی کو لکھا ہوا پاتے ہیں اس سے صاف معلوم ہوا کہ آنحضرت ﷺ کی سیرت اس بسط وتفصیل کے ساتھ تورات وانجیل وغیرہ میں مذکور تھی کہ گویا خود حضرت کی ذات ان کتابوں میں موجود تھی، ان کتب الٰہیہ کی نصوص دیکھنے والا ویسی ہی معرفت آپ کی رکھتا تھا، جیسے وہ شخص جس نے آنکھوں سے آپ کو دیکھا ہو، اور آپ کی صحبت میں مدت دراز تک رہا ہو۔ پھر صرف آپ کی نہیں بلکہ آپ کے اصحاب کی سیرت بھی ان کتابوں میں مذکور تھی۔

②... وقال اللہ تعالی:

﴿وَاِنَّهٗ لَفِیْ زُبُرِ الْاَوَّلِیْنَ ﴿١٩٦﴾﴾ [الشعراء:١٩٦]

''اور بہ تحقیق وہ نبی اگلوں کی کتابوں میں ہے''۔[ع۔ر]

فائدہ: '' انه '' کی ضمیر بعض مفسرین ''قرآن'' کی طرف پھیرتے ہیں بعض آنحضرت ﷺ کی طرف۔ دونوں قول صحیح ہیں۔

③... وقال اللہ تعالٰی:

﴿ذٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِی التَّوْرٰىةِ ۖۛ وَمَثَلُهُمْ فِی الْاِنْجِیْلِ ۚ﴾ [الفتح:٢٩]

''یہ حال ان کا تورات اور انجیل میں ہے''۔[ع۔ر]

سیرتِ محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کا کتبِ سابقہ میں تذکرہ یہود ونصاری پر حجت:

حق تعالیٰ نے اسی سیرت قدسیہ کو جو کتب الٰہیہ سابقہ میں مذکور رہے یہود ونصاری پر حجت قرار دیا ہے اور اس کو ان کے لیے مفید معرفت کاملہ بیان فرمایا ہے۔

① ... قال اللہ تعالیٰ:

﴿اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا يَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمْ﴾

[البقرۃ:۱۴۶]

''اہل کتاب محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ایسا پہچانتے ہیں جیسا اپنے بیٹوں کو''۔[ع ۔ر]

۲ ... قال اللہ تعالیٰ:

﴿فَلَمَّا جَآءَهُمْ مَّا عَرَفُوْا كَفَرُوْا بِهٖ ۫ فَلَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ۝۸۹﴾

[البقرۃ:۸۹]

''مگر جب وہ چیز ان کے پاس آ گئی جسے انہوں نے پہچان بھی لیا، تو اس کا انکار کر بیٹھے ۔پس پھٹکار ہے اللہ کی ایسے کافروں پر''۔[ع ۔ر]

③ ... و قال اللہ تعالیٰ:

﴿اَوَلَمْ يَكُنْ لَّهُمْ اٰيَةً اَنْ يَّعْلَمَهٗ عُلَمٰٓؤُا بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ۝۱۹۷ؕ﴾

[الشعراء:۱۹۷]

''کیا کفار قریش کے لیے دلیل (کافی) نہیں، کہ جانتے ہیں محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی نبوت کو علماء بنی اسرائیل''۔[ع ۔ر]

چوتھا مسئلہ:

حق تعالیٰ نے قرآن مجید کی حفاظت اپنے ذمہ لی ہے، اور اس کی حفاظت کی تفصیل بھی یوں کی ۔نہ صرف اس کے الفاظ کا محفوظ رکھنا، بلکہ اس کے معانی و مطالب کی تفہیم اس کے درس و تدریس کا سلسلہ قائم رکھنا بھی ہمارے ذمہ ہے۔

قرآن کی حفاظت قرآن کی زبانی:

① ... قال اللہ تعالیٰ:

﴿اِنَّا نَحۡنُ نَزَّلۡنَا الذِّكۡرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوۡنَ۝۹﴾ [الحجر:۹]

''بہ تحقیق ہم نے نازل کیا ہے، اس نصیحت یعنی قرآن کو اور بہ تحقیق ہم اس کی حفاظت کرنے والے ہیں''۔ [ع۔ر]

۲... وقال اللہ تعالیٰ:

﴿اِنَّ عَلَيۡنَا جَمۡعَهٗ وَقُرۡاٰنَهٗ۝۱۷﴾ [القیمۃ:۱۷]

''بہ تحقیق ہمارے ذمہ ہے قرآن کا جمع کرنا اور اس کا پڑھانا''۔ [ع۔ر]

۳... وقال اللہ تعالیٰ:

﴿ثُمَّ اِنَّ عَلَيۡنَا بَيَانَهٗ۝۱۹﴾ [القیمۃ:۱۹]

''پھر تحقیق ہمارے ذمہ ہے اس کا واضح کرنا''۔ [ع۔ر]

قرآن کی حفاظت سیرت محمدی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کی حفاظت ہے:

اور دوسرے مسئلہ میں معلوم ہوا، کہ قرآن کریم میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت ہے۔ پس صاف اور بدیہی نتیجہ یہ ہوا، کہ خدا نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرتِ اقدس کی حفاظت اور اس سیرت کے درس وتدریس کے جاری رکھنے کا، اس سیرت کے واضح کرنے کا وعدہ فرمایا۔

خدائی حفاظت کی انوکھی صورتیں:

اب دیکھو کہ خدا نے اپنا یہ وعدہ کس طریقے سے پورا کیا، اُس طریقے پر جس وقت کما حقہ مطلع ہو جاؤ گے، تو اس کو عظیم ترین معجزہ اسلام کا سمجھو گے۔ سنو اور غور سے سنو! سب سے پہلے تو اللہ تعالیٰ نے یہ کیا، کہ نبی علیہ السلام کی وفات کے بعد ہی علی الاتصال بصورت کتاب دو دفتیوں کے درمیان میں قرآن جمع کرنے کا ارادہ حضرت فاروق رضی اللہ عنہ کے دل میں ڈالا۔ اور انہوں نے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو آمادہ کیا۔ نتیجہ یہ ہوا

کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی جمہوری قوت اور مجموعی کوشش سے قرآن کریم بصورت کتاب جمع ہو گیا۔ اور ممالکِ اسلامیہ میں شائع ہوا۔ اور اس کے ساتھ ہی بلکہ اس سے پہلے یہ ہوا، کہ حفظِ قرآن کا بے اندازہ شوق مسلمانوں کے دلوں میں پیدا کر دیا، اور یہ شوق کسی زمانے اور کسی قرن میں زائل نہ ہوا۔ اس تیرہ سو برس کی طویل مدت میں ہزارہا انقلاب اس زمین پر ہو گئے۔ یوں کہو! کہ آسمان بدل گئے ...... زمین بدل گئی ...... مسلمان اپنے سب فرائض بھول گئے ...... ''مسلماناں درگور مسلمانی درکتاب'' کی مثل کہی جانے لگی۔ مگر اس شوق میں کمی نہ آئی، کوئی زمانہ کوئی قرن اس طویل مدت میں ایسا نہیں مل سکتا، کہ اس زمانے میں حافظانِ قرآن کی تعداد تواتر کی حد سے کم ہو۔

توضیحاتِ محمدی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کی حفاظت:

پھر اللہ تعالیٰ نے یہ کیا کہ تفسیر کا فن علماء مسلمین کے ہاتھوں سے مدون کرایا، اور قرآن وتفسیر قرآن کے درس کا سلسلہ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قائم کر گئے تھے، آپ کے بعد بھی قائم و دائم رکھا۔ اور ایسا مضبوط کیا کہ دنیا کی کوئی قوت اس کے مٹانے پر قادر ہوئی اور نہ ہو سکتی ہے۔ مسلمانوں کی سلطنت اکثر مقامات سے جاتی رہی۔ حفظِ قرآن وعلمِ قرآن کی قدر نہ رہی، اور اس کا ذریعہ معاش ہونا کیا معنی؟ مخلِّ معاش ہونا لوگ آنکھوں سے دیکھنے لگے، لیکن وہ سلسلہ جاری رہا، نہ مٹا اور پھر نہ مٹا۔

خدائی فوٹو گراف:

یہ الفاظ و معانی کی حفاظت تھی۔ حق تعالیٰ نے تو یہاں تک کیا، کہ الفاظ کی کیفیتِ ادا کو محفوظ کر دیا۔ علم تجوید قرآن کو دیکھو جس طرح جو لفظ جو حرکت زیر زبر کی رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبان مبارک سے ادا ہوئی تھی، اسی طرح محفوظ ہے۔ اور مجوّدین قرآن اسی طرح ادا کرتے ہیں۔ یہ خدا کا بنایا ہوا فوٹو گراف ہے، جو

انسانوں کے بنائے ہوئے فوٹو گراف سے کچھ نسبت نہیں رکھتا۔

فتبارک اللہ احسن الخالقین۔

توضیحِ قرآن کے لیے دولازوال نعمتوں کا انتخابِ خداوندی:

اب دیکھو! واضح کرنے کی ذمہ داری کو کس طرح پورا کیا، قرآن کی توضیح دو چیزوں پر موقوف تھی۔

اول؛ زبانِ عرب:

زبانِ عرب جس میں چار چیزیں ہیں ۱۔صرف ۲۔نحو ۳۔متن ۴۔لغت، معانی و بیان۔

دوم؛ احادیث نبویہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام:

اب ان دونوں چیزوں کو حق تعالیٰ نے ایسا محفوظ کیا، اور ایسا کامل کیا کہ آج جس شخص کی آنکھیں کھلی ہوں، وہ صرف انہیں دو چیزوں کو دیکھ کر یقین حاصل کرسکتا ہے ، کہ بے شک خدا ہے، اور اس خدا نے دین اسلام کو، ہاں! صرف دین اسلام کو اپنے بندوں کے لیے پسند کیا ہے، اور اپنی تمام نعمتیں مسلمانوں کے لیے کامل کر دی ہیں۔

زبانِ عرب کے قواعد وغیرہ کی تکمیل اور اس کے قوانین کے ضبط و جامعیت کو دیکھو اور پھر یہ دیکھو! کہ باقاعدہ تعلیم میں ذہین اور شوقین آدمی صرف چھ ماہ میں، ہاں! صرف چھ ماہ میں اس زبان پر ایسا حاوی ہوسکتا ہے، کہ قرآن وحدیث کے سمجھنے میں زبان کا اشکال اس کے سدِّ راہ نہیں ہوسکتا۔ اور متوسط ذہن کا انسان ایک سال میں سمجھ سکتا ہے۔ کیا کوئی دوسری زبان دنیا میں ایسی آسان اور ایسی باقاعدہ ہے:

﴿وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ ﴿١٧﴾﴾ [القمر:۱۷]

”اور حقیقت یہ ہے کہ ہم نے قرآن کو نصیحت حاصل کرنے کے لیے آسان بنا دیا ہے۔ اب کیا کوئی ہے جو نصیحت حاصل کرے؟“۔ [م۔ت]

قرآنی علوم وفنون کی تدوین کن سے ہوئی اور کس نے کرائی؟

احادیث وروایات تو ایک ایسی قدرتِ کاملہ کی زبردست شہادت ہیں، کہ اس کے واقعات وکمالات کا بیان کرنا ایک بڑے دفتر کو چاہتا ہے، خلاصہ یہ ہے کہ لپیٹ فنون اس کے تحت میں ہیں، اور ہر فن اپنی جگہ پر کامل اور اس کی تدوین انسانی قوت سے باہر۔ حق تعالیٰ نے مسلمانوں ہی کے ہاتھوں سے ان تمام فنون کی بنیاد ڈالی اور انہیں کے ہاتھوں سے اس عمارت کو کامل کرایا۔ تمام دنیا نے ان کو بنیاد رکھتے ہوئے اور عمارت بناتے ہوئے دیکھا، سب کے منہ سے رال ٹپکنے لگی اور سب کی آنکھوں سے اشک حسرت جاری ہو گئے، مگر کسی سے چربہ (نقل نہ اتار سکنا) نہ اتر سکا۔ یہ اثر ہے ''ثم ان علینا بیانه کا، ایسا کسی دوسرے سے بھی حق تعالیٰ نے کوئی وعدہ کیا ہوتا، تو کیا وہ ایسی عمارت بنا سکتا۔ وَاِذْ لَا فَلَا۔

دشمن کے گھر سے گواہی:

پادری لرے صاحب (بالقابہ) جب مصر وغیرہ بلاد اسلامیہ سے کچھ علوم اسلامیہ اور زبان عرب حاصل کر کے لکھنو تشریف لائے جو گورنمنٹ کی طرف سے ان اضلاع کے بڑے پادری ہیں، برہنمائے قیس جان قلندر صاحب براہ کرم اس ناچیز کے پاس بھی تشریف لائے، ان سے فن روایت کے متعلق گفتگو ہوئی، اور ان کو بادل ناخواستہ ماننا پڑا کہ جیسی سند مسلمان ایک ضعیف حدیث کی اپنے نبی تک بیان کر سکتے ہیں ویسی سند بھی مسیحی اصحاب، اپنی کتاب کی سچائی کے لیے اپنے خداوند تک نہیں بیان کر سکتے۔ ((وَ الْفَضْلُ مَاشَهِدَتْ بِهٖ الْاَ عْدَاءُ))

صَلَّى اللہ تعالیٰ علیہ و علی آلہ و صحبہ و بارک و سلم

باب اول

شہرِ مکہ کا سنگِ بنیاد

عرب کا زمانہ جاہلیت حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی وفات کے بعد شروع ہوتا ہے، مگر حق تعالیٰ نے قرآنِ کریم میں عرب کے شہر ''مکہ'' کی تاریخ اس وقت سے شروع فرمائی ہے، جب سے اس کی بنیاد قائم ہوئی۔

شہرِ مکہ جس کا دوسرا نام ''بکہ'' ہے، اور لقب ''اُم القریٰ'' ہے۔حضرت اسمٰعیل علیہ السلام سے پیشتر ایک ریگستانی جنگل تھا، نہ یہاں آبادی تھی، نہ کسی قسم کی سبزی تھی، نہ کہیں پانی کا نام ونشان تھا، فقط ایک باعزت مکان تھا۔جس کا نام ''کعبہ'' ہے [۱]

[۱] ''اس مکان کے بانی حضرت آدم علیہ السلام تھے۔طوفانِ نوح میں اس کی عمارت منہدم ہوگئی تھی، حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دوبارہ اس کی تعمیر کی، اس تعمیرِ ثانی کا تذکرہ قرآن کریم میں ہے ، جو آگے بیان ہوگا''۔

بنیاد اس کی آبادی کی یہ ہوئی، کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام بحکمِ خداوندی اپنی بی بی حضرت ہاجرہ علیہا السلام کو مع اپنے شیر خوار بچہ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کے اس جنگل میں چھوڑ گئے۔ [۲] اور وہاں ایک شہر کے آباد ہونے کی، اور وہاں میوہ جات کی کثرت کی، اور ایک باقوت رسول کے مبعوث ہونے کی دعا مانگی، یہی مبارک دعا اس مقدس شہر کا سنگ بنیاد ہے۔

[۲] (حکم خداوندی صرف یہ تھا کہ بے آب وگیاہ جنگل میں چھوڑ آؤ اور اس مقام کی تخصیص محض بہ نیت اقامت نماز حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی طرف سے لی، جیسا کہ آیت ذیل سے واضح ہے)۔

﴿وَاِذْ قَالَ اِبْرٰھٖمُ رَبِّ اجْعَلْ ھٰذَا بَلَدًا اٰمِنًا وَّارْزُقْ اَھْلَهٗ مِنَ الثَّمَرٰتِ مَنْ اٰمَنَ مِنْھُمْ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ قَالَ وَمَنْ كَفَرَ فَاُمَتِّعُهٗ قَلِيْلًا ثُمَّ اَضْطَرُّهٗٓ اِلٰى عَذَابِ النَّارِ ؕ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ﴿۱۲۶﴾ وَاِذْ يَرْفَعُ اِبْرٰھٖمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَيْتِ وَاِسْمٰعِيْلُ ؕ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا ؕ اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿۱۲۷﴾ رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَآ اُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ ۠ وَاَرِنَا مَنَاسِكَنَا وَتُبْ عَلَيْنَا ۚ اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۲۸﴾ رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْھُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيْهِمْ ؕ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۱۲۹﴾﴾ [البقرة: ۱۲۶، ۱۲۹]

﴿وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهِيْمُ رَبِّ اجْعَلْ ھٰذَا الْبَلَدَ اٰمِنًا وَّاجْنُبْنِيْ وَبَنِيَّ اَنْ نَّعْبُدَ الْاَصْنَامَ ﴿۳۵﴾ؕ رَبِّ اِنَّهُنَّ اَضْلَلْنَ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ ۚ فَمَنْ تَبِعَنِيْ فَاِنَّهٗ مِنِّيْ ۚ وَمَنْ عَصَانِيْ فَاِنَّكَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۳۶﴾ رَبَّنَآ اِنِّيْٓ اَسْكَنْتُ مِنْ ذُرِّيَّتِيْ بِوَادٍ غَيْرِ ذِيْ زَرْعٍ عِنْدَ بَيْتِكَ الْمُحَرَّمِ ۙ رَبَّنَا لِيُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ فَاجْعَلْ اَفْئِدَةً مِّنَ النَّاسِ تَهْوِيْٓ اِلَيْهِمْ وَارْزُقْهُمْ مِّنَ الثَّمَرٰتِ لَعَلَّهُمْ يَشْكُرُوْنَ ﴿۳۷﴾﴾ [ابراہیم: ۳۵، ۳۷]

''اور (وہ وقت بھی یاد کرو) جب ابراہیم نے کہا تھا کہ: اے میرے پروردگار! اس کو ایک پرامن شہر بنا دیجیے اور اس کے باشندوں میں سے جو اللہ اور یوم آخرت پر ایمان لائیں انہیں قسم قسم کے پھلوں سے رزق عطا فرمایے۔ اللہ نے کہا: اور جو کفر اختیار کرے گا اس کو بھی میں کچھ عرصے کے لیے لطف اٹھانے کا موقع دوں گا، (مگر) پھر اسے دوزخ کے عذاب کی طرف کھینچ لے جاؤں گا۔ اور وہ بدترین ٹھکانا ہے۔ اور اُس وقت کا

تصور کرو جب ابراہیم بیت اللہ کی بنیادیں اٹھا رہے تھے ۔اور اسماعیل بھی (ان کے ساتھ شریک تھے، اور دونوں یہ کہتے جاتے تھے کہ) اے ہمارے پروردگار! ہم سے (یہ خدمت) قبول فرمالے ۔بیشک تو اور صرف تو ہی، ہر ایک کی سننے والا، ہر ایک کو جاننے والا ہے ۔اے ہمارے پروردگار! ہم دونوں کو اپنا مکمل فرمانبردار بنالے اور ہماری نسل سے بھی ایسی امت پیدا کر جو تیری پوری تابع دار ہو اور ہم کو ہماری عبادتوں کے طریقے سکھادے اور ہماری توبہ قبول فرمالے ۔بیشک تو اور صرف تو ہی معاف کر دینے کا خوگر (اور) بڑی رحمت کا مالک ہے ۔[م ـت]

''اے ہمارے پرودگار بھیج! تو ان میں ایک رسول انہیں میں سے کہ پڑھے ان کے سامنے تیری آیتیں اور سکھائے ان کو کتاب اور حکمت اور پاک کرے ان کو گناہوں سے بہ تحقیق تو ہی غالب حکمت والا۔''

''اور جب کہا ابراہیم علیہ السلام نے اے میرے پروردگار! کر دے اس جنگل کو شہر امن دینے والا اور بچا تو مجھے اور میری اولاد کو اس بات سے کہ پرستش کریں ہم بتوں کی ،میرے پروردگار! ان بتوں نے لوگوں کی بڑی تعداد کو گمراہ کیا ہے ۔لہذا جو کوئی میری راہ پر چلے، وہ تو میرا ہے، اور جو میرا کہنا نہ مانے، تو (اس کا معاملہ میں آپ پر چھوڑتا ہوں) آپ بہت بخشنے والے بڑے مہربان ہیں ۔اے ہمارے پروردگار! میں نے بسادیا اپنی کچھ اولاد کو ایک جنگل میں جو بے کھیتی والا ہے تیرے عزت والے گھر کے پاس، ہمارے پروردگار! تاکہ وہ قائم کریں نماز کو پس کر دے تو دلوں کو کچھ لوگوں کے کہ جھکیں ان کی طرف اور رزق دے ان کو میوؤں سے تاکہ وہ شکر کریں''۔[ع ـر]

قبولیتِ دعا کا اظہار قرآن کی زبانی:

حق تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی یہ دعا قبول فرمائی، اور اس کی قبولیت کا اظہار بھی متعدد آیات میں فرمایا:

①... قال اللہ تعالیٰ:

﴿اَوَلَمۡ یَرَوۡا اَنَّا جَعَلۡنَا حَرَمًا اٰمِنًا وَّیُتَخَطَّفُ النَّاسُ مِنۡ حَوۡلِهِمۡ ؕ﴾ [العنکبوت:٦٧]

''کیا انہوں نے نہیں دیکھا کہ ہم نے ایک امن دینے والا حرم بنادیا اور اس کے آس پاس سے لوگ اچک لئے جاتے ہیں''۔[م۔ت]

②... قال اللہ تعالیٰ:

﴿هُوَالَّذِیۡ بَعَثَ فِی الۡاُمِّیّٖنَ رَسُوۡلًا مِّنۡهُمۡ یَتۡلُوۡا عَلَیۡهِمۡ اٰیٰتِهٖ وَیُزَکِّیۡهِمۡ وَیُعَلِّمُهُمُ الۡکِتٰبَ وَالۡحِکۡمَةَ ۚ وَاِنۡ کَانُوۡا مِنۡ قَبۡلُ لَفِیۡ ضَلٰلٍ مُّبِیۡنٍ ۙ﴿۲﴾﴾ [الجمعۃ:۲،۱]

''وہی ہے جس نے بھیجا امیوں میں ایک رسول ان میں سے، جو پڑھتا ہے ان کے سامنے آیتیں ہماری، اور پاک کرتا ہے ان کو، اور سکھاتا ہے ان کو کتاب اور حکمت، اگر چہ تھے وہ لوگ پہلے سے یقینا صریح گمراہی میں''۔[ع۔ر]

③... قال اللہ تعالیٰ:

﴿الَّذِیۡۤ اَطۡعَمَهُمۡ مِّنۡ جُوۡعٍ ۬ۙ وَّاٰمَنَهُمۡ مِّنۡ خَوۡفٍ ﴿۴﴾﴾ [قریش:۴]

''جس نے بھوک کی حالت میں انہیں کھانے کو دیا، اور بدامنی سے انہیں محفوظ رکھا''۔[م۔ت]

کیا مقدس شہر ہے؟ جس میں مخلوق کے گھروں سے پہلے خالق کا گھر بنا، اور خالق کا وہ گھر جس سے پہلے کوئی گھر اس کا روئے زمین پر کہیں نہ تھا۔ جس قدر گھر خالق کے بنے، سب اس کے بعد۔ کیا بیت المقدس؟ کیا کوئی دوسری مسجد وصومعہ؟

روئے زمین پر سب سے پہلا گھر:

...قَالَ تَعَالیٰ:

﴿اِنَّ اَوَّلَ بَیْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِیْ بِبَکَّةَ مُبٰرَکًا وَّهُدًی لِّلْعٰلَمِیْنَ﴾

[آل عمران:۹٦]

''بہ تحقیق سب سے پہلا گھر جو مقرر کیا گیا لوگوں کی عبادت کے لیے، یقیناً وہ ہے جو مکہ میں ہے، برکت دیا ہوا اور ہدایت ہے تمام عالم کے لیے''۔ [ع۔ر]

تعمیرِ ثانی:

اس بیتِ عتیق کی تعمیر ثانی جو کہ حضرت ابراہیم وحضرت اسمٰعیل علیہما السلام کے ہاتھوں سے ہوئی، قرآن کریم میں اس طرح مذکور ہے۔

﴿وَاِذْ یَرْفَعُ اِبْرٰهٖمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَیْتِ وَاِسْمٰعِیْلُ﴾ [البقرۃ:۱۲۷]

''اور یاد کرو! جب بلند کرتے تھے ابراہیم بنیادیں کعبہ کی، اور اسمٰعیل (بھی ان کے ساتھ کام کرتے تھے''۔ [ع۔ر]

﴿وَاِذْ بَوَّاْنَا لِاِبْرٰهِیْمَ مَكَانَ الْبَیْتِ اَنْ لَّا تُشْرِكْ بِیْ شَیْــًٔا وَّطَهِّرْ بَیْتِیَ لِلطَّآئِفِیْنَ وَالْقَآئِمِیْنَ وَالرُّكَّعِ السُّجُوْدِ﴿٢٦﴾﴾ [الحج:٢٦]

''اور یاد کرو وہ وقت جب ہم نے ابراہیم کو اس گھر (یعنی خانہ کعبہ) کی جگہ بتادی تھی۔ (اور یہ ہدایت دی تھی کہ) میرے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرانا، اور میرے گھر کو ان لوگوں کے لیے پاک رکھنا جو (یہاں) طواف کریں، اور عبادت کے لیے کھڑے ہوں، اور رکوع سجدے بجالائیں''۔ [م۔ت]

خانۂ خداوندی کے خدّامِ عالیہ:

اس مقدس گھر کی بزرگی یہاں تک پہنچائی، کہ خدا نے اس کو اپنا گھر فرمایا، اور اپنے خلیل حضرت ابراہیم اور اپنے نبی حضرت اسمٰعیل علیہما السلام کو اِس گھر کا خادم اور جاروب کش بنایا۔

...قال تعالیٰ:

﴿وَعَهِدْنَآ اِلٰٓى اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ اَنْ طَهِّرَا بَيْتِىَ لِلطَّآئِفِيْنَ وَالْعٰكِفِيْنَ وَالرُّكَّعِ السُّجُوْدِ﴿۱۲۵﴾﴾ [البقرۃ:۱۲۵]

''اور حکم دیا ہم نے ابراہیم اور اسمٰعیل کو کہ پاک رکھنا میرے گھر کو طواف کرنے والوں اور اعتکاف کرنے والوں اور رکوع وسجدہ کرنے والوں کے لیے''۔ [ع۔ر]

...قال تعالیٰ:

﴿وَاَذِّنْ فِى النَّاسِ بِالْحَجِّ يَاْتُوْكَ رِجَالًا وَّعَلٰى كُلِّ ضَامِرٍ يَّاْتِيْنَ مِنْ كُلِّ فَجٍّ عَمِيْقٍ﴿۲۷﴾﴾ [الحج:۲۷]

''اور اعلان کر دو لوگوں میں حج کا تاکہ آئیں وہ پیادہ پا اور اونٹ پر سوار ہو کر۔ جو آئیں گے راہ دور سے''۔ [ع۔ر]

قبولیتِ دعا کے کھلی آنکھوں مشاہدات:

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی دعا کی مقبولیت کے آثار جو خود بھی اپنی آنکھوں سے دیکھ لیے، انہوں نے دیکھ لیا کہ وہ جنگل بڑا اور باامن شہر بن گیا۔ انہوں نے بھی دیکھا، کہ وہاں کے رہنے والوں کو میوؤں سے رزق مل رہا ہے، انہوں نے دیکھا کہ خدا کے گھر میں نماز کی اقامت ہو رہی ہے، اور لوگ اس گھر کا طواف کرنے دور دور سے آ رہے ہیں۔

حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی وفات کے بعد پھر عرب میں کوئی نبی معبوث نہ ہوا، اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد تو کسی دوسرے مقام میں بھی کوئی نبی نہ آیا۔

انسانیت کی زبوں حالی کا دردانگیز منظر:

امتدادِ زمانے سے شرائعِ ربانیہ میں بہت کچھ تحریفیں ہوگئیں۔ اور ابلیس کی تعلیمات کا ہر طرف رواج ہوگیا، تمام دنیا تیرہ وتاریک ہوگئی۔

... قال تعالیٰ:

﴿ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ أَيْدِي النَّاسِ لِيُذِيقَهُم بَعْضَ الَّذِي عَمِلُوا لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ ﴿٤١﴾﴾ [الروم:41]

''لوگوں نے اپنے ہاتھوں جو کمائی کی، اس کی وجہ سے خشکی اور تری میں فساد پھیلا۔ تاکہ انہوں نے جو کام کیے ہیں اللہ ان میں سے کچھ کا مزہ انہیں چکھائے، شاید وہ باز آجائیں''۔ [م۔ت]

خاص کر اہل عرب کی حالت اور بھی زیادہ تباہ تھی، اور ان کی تباہی و بدکاری کے حالات کچھ تفصیل کے ساتھ ارشاد ہوئے ہیں، کفر وشرک، طرح طرح کے فسق و فجور اور قسم قسم کے ظلم و جور کے علاوہ ایسے ایسے قبائح اُن میں تھے، جس کا کوئی حیوان بھی ارتکاب نہیں کرتا۔

منجملہ ان کے قتل اولاد کی رسم تھی، جو بے محابا ہر طرف رائج تھی، اور قتل اولاد کبھی تو اس وجہ سے ہوتا کہ جب کسی غریب کا بچہ دودھ چھوڑنے کے قریب ہوتا، تو ماں باپ یہ سوچتے کہ خود ہمیں کو میسر نہیں ہوتا۔ اس کو کہاں سے کھلائیں گے؟ اس خیال کے آتے ہی وہ فطری محبت جس سے جانور بھی خالی نہیں ہوتے، وہ محبت ان کے دل سے بالکل نکل جاتی تھی، اور وہ بے زبان بچہ مار ڈالا جاتا تھا۔ اس قتل میں بیٹے بیٹی

کی کچھ قید نہ تھی اور کبھی صرف لڑکیاں قتل کی جاتیں، اس وجہ سے کہ لڑکی کا باپ نہایت ذلیل وخوار سمجھا جاتا ہے۔ یہ مناظر قرآنی آیات کی روشنی میں ملاحظہ ہوں:

①... وقال تعالیٰ:

﴿وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ خَشْيَةَ اِمْلَاقٍ ۭ نَحْنُ نَرْزُقُهُمْ وَاِيَّاكُمْ ۭ اِنَّ قَتْلَهُمْ كَانَ خِطْاً كَبِيْرًا ۝۳۱﴾[الاسراء:۳۱]

''اور اپنی اولاد کو قتل نہیں کرنا تنگ دستی کے خوف سے، کہ روزی ہم ہی دیتے ہیں ان کو بھی، اور تم کو بھی، بلاشبہ (بے گناہوں) کا قتل کرنا بڑا بھاری گناہ ہے''۔ [ع۔ر]

②... وقال تعالیٰ:

﴿وَاِذَا بُشِّرَ اَحَدُهُمْ بِالْاُنْثٰى ظَلَّ وَجْهُهٗ مُسْوَدًّا وَّهُوَ كَظِيْمٌ ۝۵۸ يَتَوَارٰى مِنَ الْقَوْمِ مِنْ سُوْۗءِ مَا بُشِّرَ بِهٖ ۭ اَيُمْسِكُهٗ عَلٰي هُوْنٍ اَمْ يَدُسُّهٗ فِي التُّرَابِ﴾[النحل:۵۸،۵۹]

''اور جب خبر سنائی جاتی ہے ان میں سے کسی کو لڑکی کی، تو دن بھر رہتا ہے چہرہ اس کا سیاہ، اور وہ رنج میں بھرا ہوا رہتا ہے، چھپتا ہے قوم سے، بسبب برائی اس خبر کے، جو اس کو دی گئی، اور یہ تردد ہوتا ہے، کہ آیا زندہ رکھے اس کو ذلت و برداشت کر کے یا گاڑے اس کو زمین میں''۔ [ع۔ر]

③... وقال تعالیٰ:

﴿وَاِذَا الْمَوْءٗدَةُ سُىِٕلَتْ ۝۸ بِاَيِّ ذَنْۢبٍ قُتِلَتْ ۝۹﴾[التکویر:۹،۸]

اور جب زندہ دفن کی ہوئی لڑکی سے پوچھا جائے گا کہ وہ کس گناہ میں قتل کی گئی''۔ [ع۔ر]

اور منجملہ ان کے خدا کے لیے اولاد کا تجویز کرنا تھا، اور اولاد بھی وہ جس کو اپنے

لیے نہایت ناپسند کرتے تھے یعنی لڑکی۔

④... قال تعالیٰ:

﴿اَلَكُمُ الذَّكَرُ وَلَهُ الْاُنْثٰى ﴿٢١﴾ تِلْكَ اِذًا قِسْمَةٌ ضِيْزٰى ﴿٢٢﴾﴾ [النجم:٢٢،٢١]

''کیا تمہارے لیے لڑکا ہے اور اللہ کے لیے لڑکی، تقسیم بڑی بے انصافی کی ہے''۔ [ع۔ر]

⑤... و قال تعالیٰ:

﴿وَاِذَا بُشِّرَ اَحَدُهُمْ بِمَا ضَرَبَ لِلرَّحْمٰنِ مَثَلًا ظَلَّ وَجْهُهٗ مُسْوَدًّا وَّهُوَ كَظِيْمٌ ﴿١٧﴾﴾ [الزخرف:١٧]

''اور جب خبر سنائی جاتی ہے ان میں سے کسی کو اس چیز کی، جو رحمٰن کے لیے تجویز کرتا ہے، تو دن بھر اس کا چہرہ سیاہ رہتا ہے، اور اندوہ غم میں بھرا رہتا ہے''۔ [ع۔ر]

تجویزِ اولاد میں کفار قریش کے ساتھ یہود و نصاریٰ بھی شریک تھے۔ وہاں یہود و نصاریٰ نے اتنی مہربانی کی تھی کہ خدا کے لیے اولادِ نرینہ تجویز کی تھی۔

... قال تعالیٰ:

﴿وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ عُزَيْرُ ابْنُ اللّٰهِ وَقَالَتِ النَّصٰرَى الْمَسِيْحُ ابْنُ اللّٰهِ ؕ﴾ [التوبۃ:٣٠]

''اور کہا یہود نے عزیر بیٹا ہے اللہ کا، کہا نصرانیوں نے کہ یہ مسیح بیٹا ہے اللہ کا''۔ [ع۔ر]

کھانے پینے میں بے راہ روی:

اور منجملہ ان برائیوں کے، ایک یہ تھی کہ کھانے پینے کی کسی چیز سے ان کو پرہیز و اجتناب نہ تھا۔ کوئی چیز ایسی نہ تھی جس کو وہ نہ کھا لیتے ہوں۔ جانور بھی اپنے اپنے بنی

نوع کے مالوقات (خون) کے سوا کسی دوسری چیز کے کھانے سے پرہیز کرتے ہیں۔گھوڑا کبھی گوشت نہ کھائے گا، بلی کبھی گھاس کا استعمال نہ کرے گی۔مگر اہلِ عرب کسی چیز پر بند نہ تھے،اسی وجہ سے ان کے اشراف القبائل کا نام قریش مشہور ہوا۔قرآن مجید میں اسی لیے حکم دیا گیا ہے کہ۔

...قال تعالیٰ:

﴿كُلُوا مِمَّا فِي الْأَرْضِ حَلٰلًا طَيِّبًا﴾ [البقرۃ:١٦٨]

''کھاؤ اس چیز سے جو زمین میں ہے حلال پاکیزہ کو''۔[ع۔ر]

اہلِ عرب کی خلافِ انسانیت عادات:

علاوہ ان کے حسب ذیل خلاف انسانیت عادتیں ان میں تھیں: یتیموں کا مال کھا جانا۔مال کی طرح اپنے مُورِث کی بیبیوں کو بھی جبراً میراث میں لینا۔اپنی لونڈیوں سے زنا کی کمائی کرانا۔اپنی بیبیوں [1] کو ستانا۔جانوروں کو ایذا پہنچانا [2] وغیرہ وغیرہ۔

[1] بیبیوں کو ستانے کے مختلف طریقے ایجاد کیے تھے ایک یہ کہ طلاق دیتے اور عدت گزرنے لگتی تو پھر رجوع کر لیتے اور پھر طلاق دیتے پھر رجوع کر لیتے مطلب یہ کہ دوسرے کو بھی اس سے نکاح کرنے کا موقع نہ دیتے اور خود بھی اپنے نکاح میں اس کو نہ رکھتے قولہ تعالیٰ **فتذروھا کالمعلقه** اور یہ بھی کرتے کہ طلاق دیتے تو اپنے گھر سے نکال دیتے عدت کے زمانے کا نفقہ دینا درکنار جو کچھ انکو بحالت نکاح دیا تھا وہ بھی واپس لیتے زیور لباس سب اتار لیتے اور بڑی ذلت کے ساتھ نکال باہر کرتے۔قولہ تعالیٰ: وَلَا يَحِلُّ لَكُمْ أَنْ تَأْخُذُوا مِمَّا آتَيْتُمُوهُنَّ شَيْئًا کے دوسرے یہ کہ عورتوں کو میراث بھی نہ دیتے تھے قولہ تعالیٰ: وَلِلنِّسَاءِ نَصِيبٌ مِمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ مِمَّا قَلَّ مِنْهُ أَوْ كَثُرَ تیسرے یہ کہ عورتوں پر مار پیٹ بھی کرتے تھے المختصر بالکل زرخرید لونڈی کی طرح بی بی کو ذلیل وخوار سمجھتے تھے۔

② جانوروں کو ایذا پہنچانے کے علاوہ کان کاٹنے کے دوسرے طریقے بھی تھے۔زندہ اونٹ کا کان کاٹ کر اور زندہ دنبہ کی چکی کاٹ کر کھاتے تھے۔اسی طرح برہنہ ہو کر عبادت کرنا خصوصاً طواف کرنا، بہت عمدہ بات سمجھتے تھے قولہ تعالیٰ: خذوا زینتکم عند کل مسجد اور مثلاً آپس میں لڑنا خون ریزی کرنا ان کی طبیعت ثانیہ تھی۔اسی قسم کی بہت سی باتیں ہیں اور یہ سب باتیں علاوہ شرک وکفر کے ہیں۔

جن کا تذکرہ آیات ذیل میں ہے۔

①... قال تعالیٰ:

﴿اِنَّ الَّذِیْنَ یَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ الْیَتٰمٰی ظُلْمًا اِنَّمَا یَاْكُلُوْنَ فِیْ بُطُوْنِهِمْ نَارًا﴾[النساء:۱۰]

''بے شک جو لوگ کھاتے ہیں مال یتیموں کے ظلم سے، سوا اس کے نہیں کہ وہ کھاتے ہیں اپنے پیٹوں میں آگ''۔[ع۔ر]

②... وقال تعالیٰ:

﴿لَا یَحِلُّ لَكُمْ اَنْ تَرِثُوا النِّسَآءَ كَرْهًا﴾[النساء:۱۹]

''اور نہ وارث بنو عورتوں کے زبردستی''۔[ع۔ر]

③... وقال تعالیٰ:

۔﴿وَلَا تُكْرِهُوْا فَتَیٰتِكُمْ عَلَى الْبِغَآءِ﴾[النور:۳۳]

''اور نہ مجبور کرنا اپنی لونڈیوں کو زنا پر''۔[ع۔ر]

④... وقال تعالیٰ:

﴿وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِیْ عَلَیْهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ﴾[البقرۃ:۲۲۸]

''اور عورتوں کو بھی حق ہے (مردوں پر) جیسا مردوں کا حق ان پر ہے''۔[ع۔ر]

⑤... وقال تعالیٰ:

﴿فَلَيُبَتِّكُنَّ اٰذَانَ الْاَنْعَامِ﴾[النساء:۱۱۹]

''پس ضرور ضرور کاٹیں گے وہ کان چوپایوں کے''۔[ع۔ر]

عرب کی گمراہی صرف اِنہیں چند باتوں میں محدود نہ تھی، بلکہ کوئی خرابی ایسی نہ تھی، جو ان میں نہ ہو، ابھی بہت سی باتیں ہیں، جو قرآنِ کریم میں مذکور ہیں: مگر بخیالِ اختصار ان کا تذکرہ ترک کر دیا جاتا ہے۔

یہ گمراہی اور وحشت و جہالت کی حالت برابر ترقی کرتی رہی، یہاں تک کہ جب حدِ کمال کو پہنچ گئی، تو خدائے تعالیٰ نے اپنا باعزت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان میں بھیجا، اور اس نے ان کو کتاب وحکمت سکھائی اور ان کو پاک کر دیا۔

بعثتِ محمدی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے لیے خطہ عرب اور شہرِ مکہ کے چناؤ کی وجوہات:

نبی اُمی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت کے لیے خطہ عرب اور عرب میں بھی خاص کر شہرِ مکہ میں جن وجوہات سے ہوئی، ان میں سے بڑی اور اصلی وجہ تو یہ ہے کہ:

①......قال تعالیٰ:

﴿اَللّٰهُ اَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهٗ ؕ﴾[الانعام:۱۲۴]

''اللہ ہی خوب جانتا ہے کہ کہاں رکھے رسالت اپنی''۔[ع۔ر]

②......اس کے علاوہ ایک وجہ یہ بھی ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو چوں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنا خلیل بنایا تھا۔

...قال تعالیٰ:

﴿وَاتَّخَذَ اللّٰهُ اِبْرٰهِيْمَ خَلِيْلًا ﴿۱۲۵﴾﴾[النساء:۱۲۵]

''اور بنایا ہے اللہ نے ابراہیم کو خلیل''۔[ع۔ر]

اور حق تعالیٰ سے انہوں نے یہ دعا مانگی تھی کہ اسی شہرِ مکہ میں ایک نبی مبعوث

ہو، نیز انہوں نے یہ دعا مانگی تھی کہ امامتِ عالَم کا سلسلہ ان کی ذرّیت میں بھی قائم رہے، اور اس دعا کی بہترین صورت یہی تھی، کہ وہ نبی امی ﷺ جو علمِ الٰہی میں تمام عالَم کے لیے آخری اور دائمی امام قرار پا چکا تھا۔ جس کی امامت کے لیے کار پردازانِ قضا و قدر نے منسوخیت رکھی ہی نہ تھی۔ وہ نبی خاص اس شہر مکہ میں اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں ہوں۔ جن کو اہل مکہ ہونے کا استحقاق سب سے زیادہ ہوا۔ انہیں کے یہاں پیدا کیا جائے۔

(بنی ہاشم اور بنی ہاشم میں بنی عبد المطلب کے لقب کے زیادہ مستحق تھے، کیوں کہ یہی لوگ مکہ کے سردار اور کعبہ کے متولی تھے)۔

۳ ...... اس کے علاوہ ایک وجہ یہ بھی ہے، کہ آنحضرت ﷺ کی شریعت چوں کہ دنیا کے لیے آخری شریعت تھی، اور ایک زمانہ دراز تک لوگوں کو اس شریعت کے ساتھ وابستہ کرنا منظور تھا، لہٰذا ضروری ہے کہ آپ کے معجزات بھی قوی اور قائم الدہر ہوں، لہٰذا اور معجزات تو ہر جگہ ہو سکتے تھے، مگر فصاحت و بلاغتِ قرآن کا معجزہ اور قوتِ تاثیر کا معجزہ جو عرب میں مبعوث ہونے کی وجہ سے پیدا ہوا، وہ دوسری جگہ میسر نہ تھا۔

۴ ...... اس کے علاوہ اور بھی بہت سی وجوہات ہیں: مثل اِس کے، کہ علم الٰہی میں کعبہ سر چشمہ ہدایت قرار پا چکا تھا۔ اگر یہ آخری ہدایت کا چشمہ جس کے بعد پھر کوئی دوسری ہدایت دنیا کی قسمت میں نہ تھی۔ کعبہ سے نہ جوش کرتا، تو کعبہ اس شرف سے جو روزِ اول سے اس کے لیے مقدر ہو چکا تھا، محروم رہ جاتا۔

الغرض ان وجوہ سے آنحضرت ﷺ شہرِ مکہ کے خاندان بنی ہاشم میں سردار مکہ حضرت عبد المطلب کے گھر میں پیدا ہوئے۔

صَلَّی اللہ تعالیٰ علیہ و علی آلہ و صحبہ و بارک و سلم

باب دوم

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حالات قبل از نبوت

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حالات قبل از نبوت کی بھی ایک وافی مقدار قرآنِ کریم میں مذکور ہے، جو پیاسے کی پیاس بجھا دینے کے لیے کافی ہے۔ استیعاب اِحاطے کا اِس وقت ارادہ نہیں۔ صرف ان چند عنوانوں کے متعلق آیتیں یہاں نقل کی جاتی ہیں۔ آپ کا یتیم ہونا، آپ کا اُمّی ہونا، آپ کی مالی حالت، آپ کی اخلاقی حالت، آپ کی عمر بوقت نبوت۔

۱: آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یتیم ہونا:

''یتیم'' زبانِ عرب میں اس نابالغ بچے کو کہتے ہیں، جس کے باپ کا انتقال ہو جائے۔ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نہایت صغیر السن تھے، کہ آپ کے والدین کی وفات ہوگئی، بلکہ بقولِ صحیح آپ کے والد ماجد کی وفات آپ کی ولادت سے بھی پہلے ہوگئی تھی۔

...قال تعالیٰ:

﴿اَلَمْ یَجِدْكَ یَتِیْمًا فَاٰوٰی﴾ [الضحیٰ:٦]

''کیا اس نے تمہیں یتیم نہیں پایا تھا، پھر (تمہیں) ٹھکانا دیا؟''۔ [م۔ت]

فوائد:

اس سے چند باتیں ثابت ہوئیں۔

اول:

یہ کہ آپ کے والد کا انتقال قبل آپ کے بلوغ کے ہوا، قبل بلوغ قبل ولادت کو بھی شامل ہے۔

دوم:

یہ کہ اس یتیمی کی وجہ سے آپ بے ٹھکانہ ہو گئے۔مگر خدا نے آپ کے لیے ٹھکانا تجویز کر دیا۔وہ یہ کہ آپ کے دادا حضرت عبدالمطلب اور اِن کے انتقال کے بعد آپ کے چچا ابو طالب کے دل میں پرورش کا خیال پیدا کر دیا۔

یتیمِ مکہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یتیمی میں حکمتیں:

آپ کے یتیم کرنے میں حکمتیں بہت ہیں:

① ...... منجملہ ان کے، ایک حکمت یہ ہے کہ یتیم ہو جانے کی وجہ سے آپ کی تعلیم وتربیت نہ ہوئی، لہٰذا جو علوم و معارف آپ سے ظاہر ہوئے، ان کا خدا کی طرف سے ہونا کسی ذی عقل کے نزدیک محتاجِ برہان نہ رہا۔

② ...... اور منجملہ ان کے، دوسری حکمت یہ کہ عام بات ہے۔کہ یتیم کی عزت اور اس کی قدرو منزلت لوگوں کے دلوں میں نہیں ہوتی، کیوں کہ جانتے ہیں، کہ اس کا کوئی حامی اور درد وقلق رکھنے والا نہیں ہے، جیسا باپ ہوتا ہے۔اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ یتیم کے معائب بہت جلد ظاہر ہو جاتے ہیں، محاسن اس قدر جلد شہرت نہیں پاتے۔لہٰذا حکمتِ الٰہیہ سے آپ پر یہ حالت طاری کر کے اس امر کو ثابت کر دیا، کہ ایسے شخص کے معائب اگر علم میں نہ آئیں، تو اس کی کوئی وجہ سوا اس کے نہیں ہو سکتی، کہ اُس کی ذات معائب سے بالکل پاک ہے۔

قرآن مجید میں جو حالات رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بیان فرمائے گئے ہیں، ان میں سب سے پہلا حال یہی ہے، کہ آپ یتیم اور بے کس تھے۔

۲: آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا امیّ ہونا:

''اُمّیّ'' اسم منسوب ہے لفظ ''اُم'' کی طرف۔ اُم کے معنیٰ ''ماں'' کے ہیں۔ یائے نسبت جو اس میں بڑھائی گئی، تو یہ معنی ہوئے: کہ وہ شخص جو ماں کی طرف منسوب ہو، یعنی جس حالت میں ماں کے پیٹ سے باہر آیا تھا، وہ حالت اس کی قائم ہو۔ نہ لکھنا جانتا ہو، نہ اس نے کسی سے کچھ پڑھا ہو، نہ کتاب سے، نہ زبانی۔

...قال تعالیٰ:

﴿اَلَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِيَّ الْاُمِّيَّ الَّذِيْ يَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِيْلِ﴾ [الاعراف:۱۵۷]

''جو اس رسول یعنی نبی امی کے پیچھے چلیں جس کا ذکر وہ اپنے پاس تورات اور انجیل میں لکھا ہوا پائیں گے''۔ [م۔ت]

...وقال۔تعالیٰ:

﴿وَكَذٰلِكَ نُصَرِّفُ الْاٰيٰتِ وَلِيَقُوْلُوْا دَرَسْتَ﴾ [الانعام:۱۰۵]

''اور اسی طرح پھیر پھیر کر بیان کرتے ہیں ہم آیتیں (تا کہ متحیر ہوں کافر) اور کہیں کہ پڑھا ہے تو نے''۔ [ع۔ر]

...وقال تعالیٰ:

﴿وَمَا كُنْتَ تَتْلُوْا مِنْ قَبْلِهٖ مِنْ كِتٰبٍ وَّلَا تَخُطُّهٗ بِيَمِيْنِكَ اِذًا لَّارْتَابَ الْمُبْطِلُوْنَ﴾ [العنکبوت:۴۸]

''نہیں پڑھتے تھے آپ (اے نبی)! اس سے پہلے کوئی کتاب، اور نہ لکھتے اس کو اپنے داہنے ہاتھ سے، ورنہ شک کرتے بدکار لوگ''۔ [ع۔ر]

اہلِ عرب کا تعلیمی معیار دورِ جاہلیت میں:

عرب میں لکھنے پڑھنے کا رواج بہت کم تھا، نہ کوئی علم تھا، نہ کوئی فن۔ ہاں قدرتی طور پر فصاحت و بلاغت ان کے کلام میں ہوتی تھی، لیکن اِس میں کمال مشق و مزاولت سے پیدا ہوتا تھا۔لہٰذا اگر کسی نے لکھنا پڑھنا سیکھا تھا، تو اُس کی اِنتہا یہ ہوتی تھی۔ کہ وہ شعر و شاعری کی مشق و مزاولت کرتا تھا۔ سال بھر کے بعد مقامِ منیٰ میں جو شعراء کا مجمع ہوتا تھا، اُس میں شریک ہو کر اپنا کوئی کلام سنا دیتا تھا، اور اِس سے بھی زیادہ ترقی اگر کسی نے کی، تو اپنے ملک کے خاندانوں کے نسب یاد کر لیے، اِس سے بھی زیادہ ترقی کی، تو عرب کے گذشتہ زمانوں کے معرکے اور واقعات یاد کر لیے، اس کے آگے ترقی کی راہ بند تھی۔ بعض بعض لوگ مذکورہ بالا امور کے ساتھ کچھ لکھنا بھی سیکھ لیتے تھے۔

مگر رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اِن چیزوں میں سے بھی کوئی چیز نہ سیکھی تھی۔ پس اگر چہ فی الحقیقت تمام عرب اُمیّ تھے: جیسا کہ حق تعالیٰ نے فرمایا کہ:

... قال تعالیٰ:

﴿هُوَ الَّذِىْ بَعَثَ فِى الْاُمِّيّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ۗ﴾ [الجمعہ:۲]

”وہی اللہ ہے جس نے بھیجا اُمّیوں میں ایک رسول ان میں سے، جو پڑھتا ہے اوپر آیتیں اس کی، اور پاک کرتا ہے ان کو اور سکھاتا ہے ان کو کتاب و حکمت“۔ [ع۔ر]

لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اُمّی ہونے کی شان دوسرے اُمّیوں سے الگ تھی، دوسروں کا امی ہونا انسانی تھا، یعنی باعتبار علوم و فنون اور معارفِ ربانیہ کے وہ

لوگ اُمّی تھے۔ اور آنحضرت ﷺ کا اُمّی ہونا حقیقی تھا۔ کہ جن چیزوں کا تعلیم و تعلم عرب میں قدر قلیل رائج تھا۔ آپ ان چیزوں سے بھی پاک تھے۔

اُمّی محض رکھنے میں حکمتیں:

رسولِ خدا ﷺ کے اُمّی محض رکھنے میں حق تعالیٰ کی بہت سی حکمتیں ہیں:

① ......منجملہ ان کے ایک یہ ہے کہ ایسے اُمّی شخص کے اخلاق و عادات بالکل ناہموار ہوتے ہیں، علوم و معارف کا اس سے ظاہر ہونا قطعاً ناممکن ہے۔ لہٰذا جب علوم و معارف قرآن و حدیث میں وارد ہوئے، اور ایسے وارد ہوئے، کہ نہ آپ سے پہلے کسی نے ان کو بیان کیا، نہ آپ کے بعد۔ آپ کے بیان کو دیکھ کر کوئی شخص ان کا چربہ (نقل) اتار سکا، نہ ان پر کچھ اضافہ کر سکا۔ ان علوم و معارف کا ظہور اگر چہ اُمّی نہ ہونے کی حالت میں بھی اعجاز تھا، لیکن اُمّی ہونے کی وجہ سے اُن کے اعجاز کی قوت دو بالا ہوگئی۔

② ......علاوہ اِن علوم و معارف کے زمانہ گذشتہ کے جو حالات قرآن و احادیث میں وارد ہوئے ہیں، اور کتبِ الٰہیہ سابقہ کے جس قدر حوالے دیے گئے ہیں، وہ بھی اِعجاز کی حد میں داخل ہو گئے۔

③ ......حق تعالیٰ نے جا بجا انبیاء سابقین اور اُممِ ماضیہ کے حالات بیان فرما کر اس امر کا اظہار کیا ہے، کہ اے نبی! یہ حالات آپ کو وحی کے ذریعہ معلوم ہوئے، ورنہ آپ ان حالات سے بالکل بے خبر تھے۔ علماء یہود اکثر آپ سے انبیائے سابقین کے حالات بطورِ طلبِ معجزہ کے دریافت کرتے تھے۔

﴿نَحْنُ نَقُصُّ عَلَيْكَ اَحْسَنَ الْقَصَصِ بِمَآ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ هٰذَا الْقُرْاٰنَ ۖ وَاِنْ كُنْتَ مِنْ قَبْلِهٖ لَمِنَ الْغٰفِلِيْنَ ۝﴾ [یوسف:۳]

’’ہم بیان کرتے ہیں، تجھ سے اے نبی بہترین قصہ (یعنی حضرت یوسف کا) بذریعہ اس کے، کہ وحی کیا ہم نے آپ کی طرف اس قرآن کو، اگر چہ اس سے پہلے یقینا آپ (اس واقعے سے) بے خبر تھے‘‘۔ [ع۔ر]

...وقال تعالیٰ:

﴿لَقَدْ كَانَ فِي يُوسُفَ وَإِخْوَتِهِ آيَاتٌ لِّلسَّائِلِينَ ۝﴾ [یوسف: ۷]

’’حقیقت یہ ہے کہ یوسف اور ان کے بھائیوں (کے قصے) میں معجزے ہیں، پوچھنے والوں کے لیے‘‘۔ [ع۔ر] ①

① یہودیوں نے آ کر حضرت ﷺ سے پوچھا کہ حضرت یعقوب کا وطن تو ملک شام تھا بنی اسرائیل مصر میں کیسے پہنچے؟

...وقال تعالیٰ:

﴿وَمَا كُنتَ ثَاوِيًا فِي أَهْلِ مَدْيَنَ تَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِنَا وَلَٰكِنَّا كُنَّا مُرْسِلِينَ ۝﴾ [القصص: ۴۵]

’’اور تم مدین کے بسنے والوں کے درمیان بھی مقیم نہیں تھے، کہ ان کو ہماری آیتیں پڑھ کر سناتے ہو، بلکہ (تمہیں) رسول بنانے والے ہم ہیں‘‘۔ [م۔ت]

...وقال تعالیٰ:

﴿وَمَا كُنتَ بِجَانِبِ الْغَرْبِيِّ إِذْ قَضَيْنَا إِلَىٰ مُوسَى الْأَمْرَ ۝﴾

[القصص: ۴۴]

’’اور نہیں تھے آپ (اے نبی طور کے) مغربی سمت میں، جب کہ نازل کیا ہے ہم نے طرف موسیٰ کے حکم کو‘‘۔ [ع۔ر]

غرض جا بجا اس امر کا اظہار فرمایا ہے کہ زمانہ گذشتہ کی جس قدر چیزیں قرآن

وحدیث میں وارد ہوئی ہیں۔ یہ سب از قبیل اِعجاز ہیں۔کیونکہ سب جانتے تھے کہ آپ کے پاس کوئی ذریعہ ان اَخبار کے معلوم ہونے کا سوا وحی الٰہی کے نہیں ہے۔

اگر آپ اُمی نہ ہوتے، تو یہ چیزیں از قبیل اِعجاز نہ ہوتیں۔گو آپ کا اعجاز اس میں منحصر نہیں ہے، مگر حق تعالیٰ کو گوارا نہ تھا، کہ کوئی قسم اعجاز کی آپ کی ذات گرامی کی زیارت سے محروم رہ جائے۔

فائدہ: عیسائیوں کا واویلا:

قرنوں بلکہ صدیوں کے بعد اب بعض مسیحیوں کو یہ ہوس دامن گیر ہوئی، کہ آنحضرت ﷺ کے اُمّی ہونے کا انکار کیا جائے۔اگر چہ یہ انکار کچھ مفید نہیں ہوسکتا، اس لیے کہ آپ کا اعجاز اس میں منحصر نہیں ہے، بلکہ ہزارہا معجزات آپ کے ہیں۔ کس کس کا انکار کیا جائے گا؟ لیکن پھر بھی اہل نظر جانتے ہیں کہ یہ عذر بدتر از گناہ ہے۔

ضلع باندا کے ایک مسیحی فاضل کی تحریر اس کے متعلق میں نے دیکھی، انہوں نے چند خود تراشیدہ قیاسات کی بنا پر دعویٰ کیا ہے، کہ آنحضرت ﷺ ملک شام تشریف لے گئے تھے، اور وہاں بڑے بڑے علماء و احبار یہودی و عیسائی مذہب کے رہتے تھے۔آنحضرت ﷺ کا سا حریص بالعلم ایسے مخزنِ علم میں جائے اور وہاں کے علما سے علم حاصل نہ کرے، ممکن نہیں۔

مسیحی فاضل نے اس موقع پر آنحضرت ﷺ کا حریص بالعلم ہونا اپنی طرف سے تراش لیا، ورنہ ذرا بھی غور کرتے، تو صاف ظاہر ہو جاتا، کہ جس علم کے لیے وہ آنحضرت ﷺ کا حریص ہونا بیان کرتے ہیں، وہ از قبیل محالات ہے۔کیوں کہ جس چیز کا چرچا ملک بھر میں کہیں نہ تھا، اس کا حرص کرنا طلب مجہول مطلق ہے۔جس کے محال ہونے میں کوئی شک نہیں کرسکتا۔

پھر اب آپ کے سفر کی حالت بھی دیکھیے! ملک شام کی طرف آپ کے دو سفر ہوئے۔

ملکِ شام کی طرف دو مختلف سفر:

۱......ایک مرتبہ دس برس کی عمر میں اپنے چچا ابو طالب کے ہمراہ۔

۲......دوسری مرتبہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی طرف سے تجارت کے لیے۔

پہلی مرتبہ شہر کے اندر تک داخل نہیں ہوئے، بحیرا راہب نے آپ کو واپس کر دیا۔ دوسری مرتبہ شہر کے اندر گو داخل ہوئے، مگر ضروریاتِ تجارت سے بہت جلد فراغت ہوگئی۔ اور آپ واپس آگئے۔ اور دونوں مرتبہ کا سفر حسبِ دستور قافلہ کے ساتھ ہوا۔ اگر آپ نے وہاں کسی عالم یہودی یا عیسائی سے خلوت کی، ملاقات بھی کی ہوتی، تو جس وقت آپ کی اُمّیت کا دعویٰ قرآنِ کریم میں کیا گیا ہو۔ اسی وقت اہلِ مکہ جو آپ کی دشمنی میں سب سے فائق تھے۔ اپنی عینی شہادتیں اس امر کی بیان کرتے، کہ آپ نے ملکِ شام میں فلاں فلاں عالم سے علم حاصل کیا ہے، بلکہ اُن کی دشمنی کے واقعات پیشِ نظر رکھ کر بعید نہیں معلوم ہوتا، کہ ملک شام سے کچھ ایسے لوگوں کو شہادت کے لیے مکہ میں بلاتے۔ جو یہ کہتے کہ ہم سے انہوں نے علم حاصل کیا ہے، اور جب اُس وقت ایسا نہ ہوا، تو اب محض خود تراشیدہ قیاسات بلکہ وہمیات کی بنا پر آپ کے اُمّی ہونے کا انکار کسی طرح زیبا نہیں ہے۔

یہاں ایک بات یہ بھی سمجھ لینی چاہیے کہ قرآن کریم میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے جس قدر حالات بیان کیے گئے ہیں۔ اگر ان میں سے کسی میں بھی کچھ کلام کرنے کی گنجائش تھی، تو کفارِ عرب کوتاہی نہ کرتے۔ اور ان لوگوں کے اعتراضات آج تک منقول ہوتے۔ اور ایسی حالت میں ضروری تھا، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے اصحاب کو

بھی آپ کی صداقت کا دل میں یقین نہ ہوتا، اور جس کی صداقت کا دل میں کامل یقین نہ ہو۔اس کے لیے ایسی جان نثاری ہر گز نہیں کی جا سکتی ہے۔جیسے آپ کے اصحاب کرام رضی اللہ عنہم سے ظاہر ہوئی، لہٰذا قرآن کریم کے کسی بیان پر اب اتنی صدیوں کے بعد کچھ شک کرنا دانش مندی وانصاف کا خون کرنا ہے۔

چونکہ مال و دولت سب سے زیادہ عیب پوشی کی چیز ہے جیسا کہ ایک شاعر کہتا ہے۔

اے زر تو خدا نہ ولیکن بخدا
ستار عیوبی و قاضی الحاجاتی

نبوت سے قبل آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی معاشی حالت:

لہٰذا حق تعالیٰ نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جب کہ عیب پوشی کے ادنیٰ ادنیٰ ذریعہ سے محفوظ رکھا، تو ضروری تھا کہ اس بہترین ذریعہ سے بھی محفوظ رکھتا، چنانچہ ایسا ہی ہوا۔آپ چالیس برس کی عمر تک مال و دولت سے بالکل تہی دست رہے۔

...قال تعالیٰ:

﴿وَوَجَدَكَ عَآئِلًا فَأَغْنَىٰ ۝٨﴾ [الضحیٰ:۸]

''اور پایا پروردگار نے تجھ کو اے نبی! مفلس، تو غنی کر دیا اس نے (تجھ کو)''۔[ع۔ر]

''عائل'' اسم فاعل ہے عول کا۔عول کے معنیٰ ''لوٹنا'' چوں کہ مفلس آدمی اکثر دروازوں پر لوٹتا یعنی بار بار جاتا رہتا ہے۔اس وجہ سے مفلس کو ''عائل'' کہتے ہیں۔ مطلب یہ کہ آپ پر وہ انتہائی حالت افلاس کی طاری تھی کہ اس حالت میں انسان دربدر کی بھیک مانگتا پھرتا ہے۔مگر پرودگار نے آپ کو غنی کر دیا۔

غنیٰ کی دو صورتیں:

اول: اب ''غنی'' کر دینے سے یا تو غنائے نفس مراد لی جائے، یعنی آپ کے نفس مقدس کو مال و دولت سے بے پرواہ بنا دیا۔ کہ کھانے کو مل گیا تو کھالیا۔ دوسرے وقت کی کچھ فکر نہیں، نہ ملا تو کچھ رنج نہیں۔ حدیث شریف میں وارد ہوا ہے، کہ اصل غنا نفس کا غنی ہونا ہے''۔

دوم: ...... یا غنا سے مال و دولت کا عطا فرمانا مراد ہو، تو اِس میں مفسرین کے کئی قول ہیں:

۱ ...... بعض کہتے ہیں کہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ آپ کا نکاح خدا نے کرا دیا اور وہ بڑی مال دار تھیں، اُن کا مال سب آپ کے تصرف میں آیا، اور یہی مراد ہے۔

۲ ...... مگر بعضے کہتے ہیں: کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو حق تعالیٰ نے آپ کا متبع اور آپ کا شیفتہ بنا دیا۔ اور وہ بھی بڑے مال دار تھے، انہوں نے اپنا سب مال آپ کے حکم سے آپ کی مرضی میں صرف کر دیا، یہ مراد ہے۔

اور حق یہ ہے کہ اگر غنائے مالی مراد لیا جائے تو نہ صرف یہ دونوں صورتیں بلکہ اخیر وقت تک جس قدر فتوحات ہوئیں، اور جس قدر مالِ غنیمت آیا سب '' فَاَغْنٰی '' کے تحت داخل ہے۔

صاحبِ نبوت علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کی قابل رشک خوبی:

ایک مدت دراز تک آپ کا مفلس رہنا اور باوجود انتہائے اَفلاس کے کسی فرد بشر کا آپ کے کسی عیب پر مطلع نہ ہونا بڑی روشن دلیل ہے، کہ آپ کی ذات اقدس عیوب سے بالکل منزہ و مبرا تھی۔

احادیث صحیحہ میں تو بہت تفصیل کے ساتھ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حالات تہی دستی اور بے زری کے منقول ہیں ۔لیکن چوں کہ یہاں قرآن کریم کے علاوہ اور کسی چیز کا حوالہ مدنظر نہیں ہوا۔لہٰذا اس بیان کو ختم کیا جاتا ہے ۔لیکن لفظ ''عائلاً'' کا مطلب سمجھ لینا چاہیے کہ، جو آیت مذکور میں وارد ہوا ہے، بہت حاوی لفظ ہے، اور مفلسی اور بے زری کے اس انتہائی مرتبہ کو بیان کر رہا ہے، جس سے مافوق کوئی مرتبہ مفلسی و بے زری کا متصور نہیں ہوسکتا۔ فجزاہ اللہ تعالیٰ عن جمیع امتہ۔

۳: آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اخلاقی حالت:

قبل نبوت کے رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وہی حالت تھی، جو تمام اہلِ مکہ کی تھی، فرق صرف اس قدر تھا، کہ آپ اپنی فطری لطافت و ذکاوت سے ان قبائح سے مجتنب رہتے تھے، جن کی قباحت کا اِدراک کرنے کے لیے عقلِ انسانی کافی ہوسکتی تھی۔ مثل شرک، شُربِ خمر، وکذب و دیگر فواحش۔

اور اُن محاسن کے ساتھ بھی آپ موصوف تھے جن کا حسنِ ادراک کرنے کے لیے عقلِ انسانی کافی ہے، مثل مسکینوں کے ساتھ سلوک کرنے اور اصحابِ حاجت کی حاجت براری وغیرہ کے۔

...قال تعالیٰ:

﴿مَا كُنتُ بِدْعًا مِّنَ الرُّسُلِ وَمَآ أَدْرِى مَا يُفْعَلُ بِى وَلَا بِكُمْ ۖ﴾

[الاحقاف:۹]

''میں پیغمبروں میں کوئی انوکھا پیغمبر نہیں ہوں، مجھے معلوم نہیں ہے کہ میرے ساتھ کیا کیا جائے گا اور نہ یہ معلوم ہے کہ تمہارے ساتھ کیا ہوگا؟''۔[م۔ت]

...وقال تعالیٰ:

﴿سُنَّةَ مَنۡ قَدۡ اَرۡسَلۡنَا قَبۡلَكَ مِنۡ رُّسُلِنَا وَلَا تَجِدُ لِسُنَّتِنَا تَحۡوِيۡلًا﴾ [الاسراء:۷۷]

''یہی طریقہ ہے ان لوگوں کا، جن کو بھیجا ہم نے آپ سے پہلے۔ اپنے پیغمبروں میں سے، اور تم ہمارے طریقے میں کوئی تبدیلی نہیں پاؤ گے''۔ [ع۔ر]

معلوم ہوا کہ جن چیزوں سے اور انبیاء علیہم السلام قبل از نبوت مجتنب رہتے تھے، ان سے آپ بھی مجتنب رہے، اور یہ امر قطعی ہے، اَخبارِ متواترہ سے ثابت ہے۔ کہ تمام انبیاء علیہم السلام کذب وشرک وتمام فواحش عقلیہ سے مجتنب اور تمام محاسنِ عقلیہ سے متصف ہوا کرتے ہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم علاوہ صادق اور امین ہونے کے نہایت نرم دل، خلق خدا پر شفقت کرنے والے اور شیریں کلام تھے: جیسا کہ آئندہ بیان ہوگا۔

نبوت میں محاسنِ شرعیہ کا وجود فیضانِ خداوندی ہے:

لیکن باوجود ان محاسن عقلیہ کے محاسن شرعیہ سے آپ بالکل بے خبر تھے، محاسن شرعیہ کی اصل الاصول یعنی ''ایمان باللہ'' کی حقیقت بھی آپ نہ جانتے تھے۔

...قال تعالیٰ:

﴿وَوَجَدَكَ ضَآلًّا فَهَدٰى﴾ [الضحیٰ:۷]

''اور تمہیں راستے سے ناواقف پایا تو راستہ دکھایا''۔ [م۔ت]

﴿مَا كُنۡتَ تَدۡرِىۡ مَا الۡكِتٰبُ وَلَا الۡاِيۡمَانُ وَلٰكِنۡ جَعَلۡنٰهُ نُوۡرًا نَّهۡدِىۡ بِهٖ مَنۡ نَّشَآءُ مِنۡ عِبَادِنَا﴾ [الشوریٰ:۵۲]

''تمہیں اس سے پہلے نہ یہ معلوم تھا کہ کتاب کیا ہوتی ہے اور نہ یہ کہ ایمان کیا ہے،

لیکن ہم نے اس (قرآن) کو ایک نور بنایا ہے جس کے ذریعے ہم اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتے ہیں، ہدایت دیتے ہیں"۔[م۔ت]

...و قال تعالیٰ:

﴿مَا كُنْتَ تَعْلَمُهَآ اَنْتَ وَلَا قَوْمُكَ مِنْ قَبْلِ هٰذَا﴾ [ھود:۴۹]

"یہ باتیں نہ تم اس سے پہلے جانتے تھے، نہ تمہاری قوم"[م۔ت]

اخلاقی محاسن کے تین جز ہیں: تہذیب اخلاق، تدبیر منزل، سیاستِ مدن۔ ان تینوں سے آپ قطعاً و اَصلاً بے خبر تھے۔ جب آپ یہ بھی نہ جانتے تھے، کہ کتابِ الٰہی کیا چیز ہے؟ اور ایمان کیا چیز ہے؟ تو اور محاسن سے آپ کو کیوں کر آگاہی ہو سکتی تھی۔

کبھی کچھ ایسے کلمات آپ کی زبان سے صادر نہیں ہوئے، جس سے یہ معلوم ہوتا کہ آپ اپنے لیے اس مرتبہ عظمیٰ کی امید رکھتے ہیں، جو چالیس برس کے بعد آپ کو عنایت ہوا۔ اگر چہ صراحتاً قرآن کریم میں بیان نہیں ہوئی، مگر اوپر ایک آیت منقول ہو چکی ہے، اور جو رسولوں کی کیفیت تھی، وہی آپ کی بھی تھی۔ اور رسولوں کی کیفیت قرآن کریم میں یہ بیان ہوئی ہے، کہ چالیس برس کی عمر میں ان کو نبوت ملی، لہٰذا معلوم ہوا، کہ آپ کی عمر بھی اس وقت چالیس سال کی تھی۔

...قال تعالیٰ:

﴿حَتّٰٓى اِذَا بَلَغَ اَشُدَّهٗ وَبَلَغَ اَرْبَعِيْنَ سَنَةً﴾ [الاحقاف:۱۵]

"جب پہنچا اپنی پوری قوت کو اور پہنچا چالیس برس کو"۔[ع۔ر]

باب سوم

رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت اور دلائل نبوت

قرآنِ مجید میں رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت اور آپ کی نبوت کے دلائل بھی مذکور ہیں۔ اور اس قدر مذکور ہیں، کہ اس سے زیادہ بسط و تفصیل کی حاجت کسی انسان کو نہیں ہو سکتی۔ سب سے پہلے چند وہ آیتیں نقل کی جاتی ہیں، جن میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت کا تذکرہ ہے۔

نبوّتِ محمدی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام پر قرآنی شہادتیں:

①... قال تعالیٰ:

﴿وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ ۚ﴾ [آل عمران: ۱۴۴]

”نہیں ہیں محمد مگر ایک رسول“۔ [ع۔ر]

②... وقال تعالیٰ:

﴿قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰٓى اِلَيَّ﴾ [کھف: ۱۱۰]

”کہہ دو اے (نبی) کہ سوا اس کے نہیں کہ میں ایک بشر ہوں مثل تمہارے وحی نازل ہوتی ہے مجھ پر“۔ [ع۔ر]

③... وقال تعالیٰ:

﴿اِنَّآ اَرْسَلْنَآ اِلَيْكُمْ رَسُوْلًا شَاهِدًا عَلَيْكُمْ كَمَآ اَرْسَلْنَآ اِلٰى فِرْعَوْنَ رَسُوْلًا ⑮﴾ [المزمل: ۱۵]

”بہ تحقیق بھیجا ہم نے ایک رسول حاضر رہنے والا گواہی دینے والا اوپر تمہارے

۔جس طرح بھیجا تھا ہم نے طرف فرعون کے ایک رسول"۔[ع۔ر]

④...و قال تعالیٰ:

﴿حَتّٰى جَآءَهُمُ الْحَقُّ وَرَسُوْلٌ مُّبِيْنٌ﴾ [الزخرف:۲۹]

"یہاں تک کہ آگیا ان کے پاس حق اور رسول ظاہر"۔[ع۔ر]

⑤...و قال تعالیٰ:

﴿رَسُوْلٌ مِّنَ اللّٰهِ يَتْلُوْا صُحُفًا مُّطَهَّرَةً﴾ [البینۃ:۲]

"ایک رسول ہے اللہ کی طرف سے جو پڑھتا ہے اوراق پاکیزہ"۔[ع۔ر]

⑥...و قال تعالیٰ:

﴿اِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ﴾ [یٰس:۳]

"بہ تحقیق آپ ہیں رسولوں میں سے"۔[ع۔ر]

⑦...و قال تعالیٰ:

﴿لِّتُنْذِرَ اُمَّ الْقُرٰى وَمَنْ حَوْلَهَا﴾ [الشوریٰ:۷]

"تاکہ تم مرکزی بستی (مکہ) اور اس کے ارد گرد والوں کو خبردار کرو"۔[م۔ت]

⑧...و قال تعالیٰ:

﴿لِيَكُوْنَ لِلْعٰلَمِيْنَ نَذِيْرًا﴾ [الفرقان:۱]

"تاکہ ہو جائے تمام عالم کے لیے ڈرانے والا"۔[ع۔ر]

⑨...و قال تعالیٰ:

﴿وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا﴾ [السبا:۲۸]

"اور نہیں بھیجا ہم نے آپ کو مگر تمام لوگوں کے لیے بشیر و نذیر بنا کر"۔[ع۔ر]

اب وہ چند آیتیں نقل کی جاتی ہیں، جن میں آپ ﷺ کی نبوت کے دلائل بیان کیے گئے ہیں۔ اگر چہ اِس کا حق یہ تھا، کہ پوری بسط و تفصیل کے ساتھ لکھا جاتا۔ اور شروع سے آخر تک قرآن کریم کا تتبع کر کے تمام وہ آیتیں یک جا کر دی جاتیں، جن میں آپ ﷺ کی نبوت کے دلائل ارشاد ہوئے ہیں۔ اُس وقت معلوم ہوتا، کہ کس قدر متعدد اقسام کے دلائل ذکر فرمائے گئے ہیں۔ اور ہر قسم کے کس قدر جزئیات دکھائے گئے ہیں، لیکن اِس وقت محض نمونے کے طور پر ایک خاکہ کھینچنا مدنظر ہے۔

واضح رہے، کہ منجملہ بہت سے اقسام دلائلِ نبوت کے ہیں۔ جن میں سے ایک قسم خوارقِ عادات ہیں، اور ایک قسم پیغمبر کے صفات حمیدہ ہیں، اور ایک قسم انبیائے سابقین کی پیشین گوئیاں ہیں۔ پیغمبر کے صفات حمیدہ میں ایک اُن کا ذاتی چال چلن ہے، جس کو ''سیرت'' کہتے ہیں۔ جو شامل ہے عبادات و معاملات کو۔ اور دوسرے ان کی تعلیم کا اثر اور اس کا نتیجہ ہے، یہاں بوجہ تنگی مقام کے انہیں چند عنوانوں کے متعلق کچھ آیتیں نقل کی جاتی ہیں۔ اور آخر میں کچھ آیتیں مخالفین کے شکوک کو دفع کرنے کے متعلق نقل کی جاتی ہیں۔

معجزاتِ محمدی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام

۱۔ خوارقِ عاداتِ محمدی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام:

خوارق عادات یعنی وہ امور جن کا صدور انسان سے عادتاً ناممکن ہے، رسول خدا ﷺ کے بکثرت ظہور میں آئے۔

۱... قال اللہ تعالیٰ:

﴿وَاِنۡ یَّرَوۡا اٰیَۃً یُّعۡرِضُوۡا وَیَقُوۡلُوۡا سِحۡرٌ مُّسۡتَمِرٌّ ۝۲﴾ [القمر:۲]

''جب یہ لوگ (کوئی نشانی نبی کے سچے ہونے کی) دیکھتے ہیں تو منہ پھیر لیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ جادو ہے برابر جاری رہنے والا''۔ [ع۔ر]

معلوم ہوا کہ نبوت کی سچائی کی یہ نشانی ایسی ہوتی تھی جس کو وہ ازقسم ''جادو'' کہتے تھے، اور چوں کہ بکثرت پے درپے اِن نشانیوں کا ظہور ہوتا تھا، اِس لیے وہ اِس کو ''مستمر'' کہتے تھے، کہ اس کا سلسلہ برابر جاری وساری ہے۔

منکرین معجزات کا عذرِ لنگ:

بعض ملحد خوارقِ عادات کے منکر ہیں، وہ اس قسم کی آیتوں کا کیا جواب دے سکتے ہیں، وہ اس قسم کی آیتوں کو پیش کرتے ہیں، جن میں یہ مضمون ہے کہ کوئی معجزہ اس نبی نے کیوں نہ دکھادیا: قولہ تعالیٰ: ''لَوۡ لَاۤ اُنۡزِلَ عَلَیۡہِ اٰیَۃٌ''۔

مگر یہ بالکل مثل لا تقربوا الصلوۃ کی سی ہے، کیوں کہ یہاں ''معجزہ'' سے مراد ''معجزاتِ خاص'' ہیں۔ کافروں کی درخواست ہوئی، کہ یہ خاص معجزہ دکھائیے! کہ آپ قربانی کیجئے! اور آگ آسمان سے آکر اس قربانی کو کھا جائے، اس کے جواب میں ارشاد ہوا: کہ ضرورت اِس خاص معجزہ کی نہیں ہے۔ معجزے سب برابر ہیں، اس کا تذکرہ بہت سی آیاتِ قرآنی میں ہے۔ چنانچہ آیت مذکورہ میں خود اس کی تخصیص موجود ہے۔

...قولہ تعالیٰ:

﴿کَمَاۤ اُرۡسِلَ الۡاَوَّلُوۡنَ ۝۵﴾ [الانبیاء:۵]

''جیسے پچھلے پیغمبر (نشانیوں کے ساتھ) بھیجے گئے تھے''۔ [م۔ت]

۲۔معجزۂ قرآنی مشاہدۂ زمانی:

خوارقِ عادات کے بھی بہت سے اقسام ہیں۔منجملہ اُن کے معجزات عام کلام ہیں، عام کلام کے معجزات میں قرآن مجید آپ کا زندہ معجزہ ہر وقت ہر شخص کی نظر کے سامنے ہے۔

①...قولہ تعالیٰ:

﴿وَاِنۡ كُنۡتُمۡ فِىۡ رَيۡبٍ مِّمَّا نَزَّلۡنَا عَلٰى عَبۡدِنَا فَاۡتُوۡا بِسُوۡرَةٍ مِّنۡ مِّثۡلِهٖ﴾[البقرۃ:۲۳]

''کہہ تو اگر ہو تم شک میں اس چیز کی طرف سے، جو ہم نے اپنے بندہ پر نازل کی تو ایک سورت اس کے مثل لے آؤ''۔[ع۔ر]

②...و قال تعالیٰ:

﴿فَاِنۡ لَّمۡ تَفۡعَلُوۡا وَلَنۡ تَفۡعَلُوۡا﴾[البقرۃ:۲۴]

''پس اگر نہ کیا تم نے اور ہر گز نہ کر سکو گے''۔[ع۔ر]

③...و قال تعالیٰ:

﴿قُلۡ لَّٮِٕنِ اجۡتَمَعَتِ الۡاِنۡسُ وَالۡجِنُّ عَلٰٓى اَنۡ يَّاۡتُوۡا بِمِثۡلِ هٰذَا الۡقُرۡاٰنِ لَا يَاۡتُوۡنَ بِمِثۡلِهٖ وَلَوۡ كَانَ بَعۡضُهُمۡ لِبَعۡضٍ ظَهِيۡرًا ﴿۸۸﴾﴾

[الاسراء:۸۸]

''کہہ تو اگر متفق ہو جائیں انسان اور جنات اس بات پر کہ بنا لائیں مثل اس قرآن کا، تو بھی کہہ دو کہ: اگر تمام انسان اور جنات اس کام پر اکٹھے بھی ہو جائیں کہ اس قرآن جیسا کلام بنا کر لے آئیں، تب بھی وہ اس جیسا نہیں لا سکیں گے، چاہے وہ

ایک دوسرے کی کتنی مدد کرلیں''۔[م۔ت]

یہ معجزہ بہت زیادہ وقیع ہوجاتا ہے، جب آنحضرت ﷺ کے اُمی ہونے کا، اور مشقِ فصاحت و بلاغت کے مجمعوں سے علیحدہ اور بے تعلق رہنے کا لحاظ کیا جاتا ہے۔

''مثل'' قرآن سے صرف فصاحت و بلاغت ہی میں مثل ہونا مراد نہیں ہے، جیسا کہ اکثر عوام کا خیال ہے، بلکہ علاوہ فصاحت و بلاغت کے بہت سے معجزات قرآن کریم میں مثل عدم اختلاف اور علوم و معارف و اَخبارِ غیب وغیرہ کے۔

۳۔ چاند، ستاروں میں بھی معجزاتِ نبوت علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کا اثر:

اور منجملہ خوارق عادات کے آپ کا تصرف کرنا ہے عالم علویات میں، یعنی چاند ستاروں وغیرہ میں۔

① ... قال تعالیٰ:

﴿اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ ①﴾ [القمر:۱]

''قریب آگئی قیامت اور پھٹ گیا چاند''۔[ع۔ر]

اہل مکہ نے ایک مرتبہ آپ سے درخواست کی، کہ آپ ہمیں کوئی معجزہ دکھائیے! تو ہم آپ پر ایمان لائیں۔ تو آپ نے انگلی کے اشارہ سے چاند کے دو ٹکڑے کر کے انہیں دکھا دیے، اور دونوں ٹکڑے اس قدر فاصلے سے ہو گئے، کہ کوہ حرا ان دونوں ٹکڑوں کے درمیان میں نظر آتا تھا۔

۴۔ عناصرِ اربعہ (آگ، ہوا، پانی، مٹی) میں تصرفاتِ محمدی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام:

اور منجملہ خوارقِ عادات کے تصرف کرنا آپ کا بساطِ عالم یعنی عناصر میں۔

... قال تعالیٰ:

﴿فَلَمۡ تَقۡتُلُوۡهُمۡ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ قَتَلَهُمۡ ۪ وَمَا رَمَيۡتَ اِذۡ رَمَيۡتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى ۚ﴾[الانفال:١٧]

”پس تم نے کافروں کو قتل نہیں کیا بلکہ اللہ نے انہیں قتل کیا۔نہیں پھینکی (خاک) تم نے اے نبی! جب کہ پھینکی، بلکہ اللہ نے پھینکی“۔[ع۔ر]

یہ واقعہ غزوہ بدر کا ہے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، کہ حضرت رسولِ خدا ﷺ غزوۂ بدر میں بارگاہِ الٰہی میں عرض ومعروض کر رہے تھے:

”کہ اے پروردگار! اگر یہ چند مسلمان اس لڑائی میں ہلاک ہو جائیں گے تو پھر تیری عبادت روئے زمین سے موقوف ہو جائے گی“۔

پھر باشارۂ جبرئیل علیہ السلام آپ نے یک مشت خاک کافروں کی طرف پھینکی، وہ ایک مٹھی تمام لشکر میں ہر ہر کافر کی آنکھ اور منہ اور نتھنوں میں پہنچی، پس انہوں نے بھاگنا شروع کیا، بعد اس کے حضرت ﷺ نے اپنے اصحاب کو حملے کا حکم دیا، بڑے بڑے سردارانِ قریش قتل وقید ہوئے۔(تفسیر مظہری بحوالہ بیہقی)

اس واقعہ کا خارقِ عادت ہونا اسی سے ظاہر ہے کہ حق تعالیٰ نے اس کا صدور آپ کی ذات سے نفی کر کے اپنی طرف منسوب فرمایا۔

۵۔آسمانی فوجوں کا اترنا:

اور منجملہ ان کے معجزہ متعلق یہ ہوا ہے۔

...وقال تعالیٰ:

﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوا اذۡكُرُوۡا نِعۡمَةَ اللّٰهِ عَلَيۡكُمۡ اِذۡ جَآءَتۡكُمۡ جُنُوۡدٌ فَاَرۡسَلۡنَا عَلَيۡهِمۡ رِيۡحًا وَّجُنُوۡدًا لَّمۡ تَرَوۡهَا ؕ وَكَانَ اللّٰهُ بِمَا

تَعۡمَلُوۡنَ بَصِیۡرًا ۝﴾[الاحزاب:۹]

''اے ایمان والو! یاد کرو اللہ نے اس وقت تم پر کیسا انعام کیا جب تم پر بہت سے لشکر چڑھ آئے تھے، پھر ہم نے ان پر ایک آندھی بھی بھیجی، اور ایسے لشکر بھی جو تمہیں نظر نہیں آتے تھے۔ (۱۰) اور تم جو کچھ کر رہے تھے اللہ اس کو دیکھ رہا تھا''۔[م۔ت]

یہ معجزہ غزوۂ احزاب میں ظاہر ہوا، اور اس غزوہ کو ''غزوہ خندق'' بھی کہتے ہیں۔ اس غزوہ میں سب کافروں نے مل کر چڑھائی کی تھی۔کفارِ قریش اور غطفان اور یہود قریظہ و بنی نضیر، یہ سب مل کر بارہ ہزار مردان جنگی تھے۔اللہ تعالیٰ نے ایک سخت ہوا اُن پر مسلط کر دی، اور ایسا ہوا کہ اِس ہوا کے باعث سے سردی ان کے یہاں سخت ہوگئی، اور ہوا اِس قدر تیز تھی، کہ گرد و غبار اُن کی آنکھوں میں پڑتا تھا۔ اور اُن کے خیمے اُکھڑ گئے، اور آگ بجھ گئی۔المختصر ایسی سخت حالت طاری ہوئی، کہ ان کے حواس بگڑ گئے، اور اُن کو بھاگتے ہی بن پڑا۔اِسی مضمون کو رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ان الفاظ میں بیان فرمایا۔ ''نصرت بالصبا واھلکت عاد بالدبور''(اخرجہ البخاری)

ترجمہ۔میری مدد کی گئی پروا ہوا سے، اور ہلاک کی گئی تھی قوم عاد، پچھوا ہوا سے''

۶۔حواسِ انسانی پر تصرفاتِ محمدی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام:

اور منجملہ خوارقِ عادات کے تصرف ہے حواس انسانی پر۔

...قال اللہ تعالیٰ:

﴿وَيُقَلِّلُكُمۡ فِيۡۤ اَعۡيُنِهِمۡ لِيَقۡضِيَ اللّٰهُ اَمۡرًا كَانَ مَفۡعُوۡلًا ؕ﴾

[الانفال: ۴۴]

''اور کم دکھلاتا تھا اللہ تم کو ان کی آنکھوں میں تاکہ پورا کرے اللہ اس کام کو جو مقدر ہو چکا تھا''۔ [ع۔ر]

یہ معجزہ غزوہ بدر میں ظاہر ہوا، کہ کافروں کی تعداد مسلمانوں سے تگنی تھی، مگر حق تعالیٰ نے فریقین کی آنکھوں پر ایسا تصرف کیا، کہ کافر مسلمانوں کو اپنے سے زائد دیکھتے تھے، اور مسلمان ان کو اپنے سے کم دیکھتے تھے۔

۷۔ پیشین گوئیاں متعلق اُمورِ آمدہ:

اور منجملہ خوارقِ عادات کے اَخبارِ غیب کی دو قسمیں ہیں۔

ایک یہ کہ گذشتہ زمانے کی خبریں، جو آپ ﷺ نے بیان کیں، جن کا کچھ مجمل ذکر باب دوم میں آپ کے اُمّی ہونے کے بیان میں گزر چکا۔

دوسرے یہ کہ آئندہ زمانے کی خبریں جو آپ ﷺ نے بیان فرمائیں، جن کو پیش گوئیاں کہتے ہیں۔ پیش گوئیاں بھی قرآن میں بہت ہیں، جن کو پورا ہوتے ہوئے تمام عالَم نے دیکھا، نمونے کے طور پر دس پیش گوئیاں یہاں ذکر کی جاتی ہیں۔

۱۔ فتحِ خیبر کے متعلق پیشین گوئی:

﴿وَاَثَابَهُمْ فَتْحًا قَرِيْبًا ۝۱۸ وَّمَغَانِمَ كَثِيْرَةً يَّاْخُذُوْنَهَا ط﴾ میں

[الفتح: ۱۹،۲۰]

ترجمہ: ''اور بدلہ میں دی ان کو ایک فتح قریب اور غنیمتیں بہت''[ع۔ر]

۲۔ عمرۃ القضا کے متعلق پیشین گوئی:

﴿لَتَدۡخُلُنَّ الۡمَسۡجِدَ الۡحَرَامَ اِنۡ شَآءَ اللّٰهُ اٰمِنِيۡنَ ۙ﴾ میں [الفتح:۲۷]

ترجمہ: ’’ضرور ضرور داخل ہو گے تم مکہ میں انشاء اللہ‘‘۔ [ع۔ر]

۳۔ فتح فارس و روم کے متعلق پیشین گوئی:

﴿وَّاُخۡرٰى لَمۡ تَقۡدِرُوۡا عَلَيۡهَا﴾ [الفتح:۲۱]

ترجمہ: ’’اور بہت سی فتوحات ہیں جن پر تم کو (کبھی) دسترس نہیں ہوا‘‘۔ [ع۔ر]

۴۔ اور ﴿سَتُدۡعَوۡنَ اِلٰى قَوۡمٍ اُولِىۡ بَاۡسٍ شَدِيۡدٍ تُقَاتِلُوۡنَهُمۡ اَوۡ يُسۡلِمُوۡنَ ۚ﴾ [الفتح:۱۶]۔

’’عنقریب بلائے جاؤ گے تم ایک بڑی دہشت والی قوم (یعنی فارس و روم) سے لڑنے کے لیے تم ان سے لڑو گے یہاں تک کہ وہ مطیع ہو جائیں گے‘‘ [ع۔ر]

۵۔ غلبہ روم کے متعلق پیشین گوئی:

﴿الٓمّٓ ۟ۚ غُلِبَتِ الرُّوۡمُ ۙ۝۲ فِىۡۤ اَدۡنَى الۡاَرۡضِ وَهُمۡ مِّنۡۢ بَعۡدِ غَلَبِهِمۡ سَيَغۡلِبُوۡنَ ۙ۝۳﴾ میں۔ [الروم:۳،۱]

’’مغلوب ہو گئے رومی قریب کی سرزمین میں اور وہ اپنے مغلوب ہونے کے بعد عنقریب غالب آجائیں گے‘‘۔ [م۔ت]

۶۔ مرتدین کے دفعِ شر کے متعلق پیشین گوئی:

﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا مَنۡ يَّرۡتَدَّ مِنۡكُمۡ عَنۡ دِيۡنِهٖ فَسَوۡفَ يَاۡتِى اللّٰهُ بِقَوۡمٍ يُّحِبُّهُمۡ وَيُحِبُّوۡنَهٗۤ ۙ﴾ میں [المائدہ:۵۴]

''اے ایمان والو! اگر تم میں سے کوئی اپنے دین سے پھر جائے گا تو اللہ ایسے لوگ پیدا کر دے گا جن سے وہ محبت کرتا ہوگا، اور وہ اس سے محبت کرتے ہوں گے''۔ [م۔ت]

۷۔ یہود کی تمنائے موت نہ کرنے کے متعلق پیشین گوئی:

﴿وَلَنۡ يَّتَمَنَّوۡهُ اَبَدًاۢ بِمَا قَدَّمَتۡ اَيۡدِيۡهِمۡ ؕ﴾ میں۔ [البقرۃ:۹۵]

''اور (ہم بتائے دیتے ہیں کہ) انہوں نے اپنے جو کرتوت آگے بھیج رکھے ہیں، ان کی وجہ سے یہ کبھی ایسی تمنا نہیں کریں گے''۔ [م۔ت]

۸۔ حضرات خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کے متعلق پیشین گوئی:

﴿وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا مِنۡكُمۡ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسۡتَخۡلِفَنَّهُمۡ فِى الۡاَرۡضِ﴾ [النور:۵۵]

''تم میں سے جو لوگ ایمان لے آئے ہیں اور جنہوں نے نیک عمل کیے ہیں، ان سے اللہ نے وعدہ کیا ہے کہ وہ انہیں ضرور زمین میں اپنا خلیفہ بنائے گا''۔ [م۔ت]

۹۔ جمیع ادیان پر غلبہ اسلام کے متعلق پیشین گوئی:

﴿لِيُظۡهِرَهٗ عَلَى الدِّيۡنِ كُلِّهٖ ۙ﴾ میں۔ [الصّف:۹]

''تاکہ غالب کر دے اس کو تمام دینوں پر''۔ [ع۔ر]

۱۰۔ آنحضرت کی حفاظت کے متعلق پیشین گوئی:

﴿وَاللّٰهُ يَعۡصِمُكَ مِنَ النَّاسِ﴾ [المائدۃ:۶۷]

ترجمہ: ''اللہ محفوظ رکھے گا آپ کو لوگوں سے''۔ [ع۔ر]

۱۱۔ حفاظتِ قرآن و جمع قرآن و ابقائے سلسلہ درس قرآن اور توضیح مطالب قرآن کریمہ کے متعلق پیشین گوئی:

﴿وَإِنَّا لَهُ لَحٰفِظُونَ ۝٩﴾ [الحجر:۹]

ترجمہ: ''ہم قرآن کے محافظ ہیں''۔ [ع۔ر]

﴿إِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهُ وَقُرْاٰنَهُ ۝١٧ ثُمَّ إِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهُ ۝١٩﴾

[القیامۃ:۱۹،۱۷]

''ہمارے ذمہ ہے قرآن کا جمع کرنا اور اس کا پڑھوانا پھر ہمارے ذمہ واضح کرنا اس کا''۔ [ع۔ر]

خوارقِ عادات کا بیان ختم کیا جاتا ہے، اگرچہ ابھی قرآن ہی میں آپ ﷺ کے خوارقِ عادات کا ایک بڑا حصہ باقی ہے، اور احادیثِ نبویہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام میں تو ایک بڑا دفتر ہے۔ علمائے کرام نے مستقل کتابیں خاص آپ کے خوارقِ عادات ہی کے بیان میں تالیف کی ہیں، جو روایتیں کہ صحت کے اعلیٰ رتبہ میں پہنچ گئی ہیں۔ اگر وہ روایتیں بھی اس مقام میں نقل کی جاتیں تو میرے التزام کے خلاف نہ ہوتا کیوں کہ وہ تمام حدیثیں شرح بلکہ تتمہ تھیں۔

اس آیہ کریمہ میں جس کو میں اوپر نقل کر چکا: قولہ تعالیٰ: و یقولوا سحر مستمر[۱]

[۱] (اس آیہ کریمہ میں لفظ سحر اور مستمر نہایت غور سے دیکھنے کے قابل ہیں۔ ملحدین کے شک وشبہ کی شفا ان دونوں لفظوں میں موجود ہے: لفظ سحر صاف بتا رہا ہے، کہ وہ نشانیاں جو کافر دیکھتے

تھے، ایسی اجنبی اور خلافِ عادت ہوتی تھیں، کہ وہ ان کو سحر سے تعبیر کرتے تھے، اسی کو خرق عادت کہتے تھے۔ اور مستمر اس بات کو بتا رہا ہے، کہ یہ خوارق پے درپے اِس کثرت کے ساتھ لگا تار ظاہر ہوئے، کہ استمرار کا وصف اُن کے لیے مخالفین نے خود اپنی زبان سے بیان کیا، مگر صرف قرآن میں جس قدر معجزات مذکور ہیں، گو وہ فی حد ذاتہ کافی اور بہت کافی ہیں۔ لیکن اس قدر کثیر نہیں ہیں کہ ان کو مستمر کہا جائے۔ لہٰذا ضروری ہوا کہ علاوہ قرآن کے بھی احادیث میں جو معجزات مذکور ہیں ان کو تتمہ اور شرح اِس آیت کی قرار دیا جائے)۔

بوجہ ضیق مقام کے اس وقت اس قدر قلیل مقدار پر بادل ناخواستہ قناعت کرنی پڑی انشاء اللہ تعالیٰ النجم میں بذیل عنوان عقل سلیم وصراط مستقیم'' جس وقت قیامت کی بحث جو اس وقت چل رہی ہے، بعونہ تعالیٰ تمام ہو جائے گی۔ تو نبوت کی بحث شروع کی جائے گی۔ (افسوس صد افسوس کہ بسیار تلاش کے باوجود ہم النجم کے مذکورہ شمارے کو حاصل نہ کر سکے: ھداہ اللہ من ارشدنا الی وجودہ۔ از مرتب) اور جس قدر دلائل نبوت کے قرآن کریم میں مذکور ہیں، سب کا استیعاب کیا جائے گا۔ اُس وقت انشاء اللہ تعالیٰ معلوم ہو گا کہ حق تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ کی نبوت کو کس قدر بدیہی کر دیا ہے اور اسی بدیہی کر دینے کے بعد ارشاد ہوا ہے:

... قال تعالیٰ:

﴿لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ ۣ قَدْ تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ ۚ ﴾ [البقرۃ:۲۵۶]

''نہیں ہے زبردستی کرنا دین میں (یعنی کسی کو زبردستی مسلمان بنانا نہ چاہیے کیوں کہ) بہ تحقیق ظاہر ہو چکی ہدایت گمراہی سے (ممتاز ہو کر)''۔ [ع۔ر]

صفاتِ حمیدہ کے جیسا کہ اوپر بیان ہوا دو جزو ہیں: کہ ایک ذاتی چال چلن، دوسرے تعلیم اور اس کا نتیجہ۔ یہ دونوں جز قرآن کریم میں بمقدار کافی مذکور ہیں۔

اور علاوہ قرآن میں مذکور ہونے کے تمام دنیا آنکھوں سے دیکھ رہی ہے۔ انصاف کو ہاتھ سے لے کر کوئی ذی عقل نہیں کہہ سکتا، کہ یہ صفاتِ حمیدہ آپ سے پہلے کسی انسان میں تھے، یا آپ کے بعد کسی انسان میں ہوئے۔

فمن کان او من قد یکون کاحمد
نظام الحق او لکان لملحد
متی یبد فی الداجی البهیم جبینه
یلح مثل مصباح الدجی المتوقد

ترجمہ: پس کون ہوا ہے، یا کون ہوگا مثل احمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

جوانتظام کرنے والا ہوحق کا، سزا دینے والا ہوملحدوں کو

جب کھل جاتی ہے پیشانی ان کی شبِ تاریک میں

تو چمکتی ہے جیسے تاریکی میں روشن چراغ

حضرت حسان رضی اللہ عنہ نے کیسا سچا مضمون نظم کیا ہے۔ جزاہ اللہ تعالیٰ عنا خیر الجزاء

عباداتِ محمدی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کا ذکرِ خیر

عبادات یعنی حق تعالیٰ کے حقوق کے ادا کرنے میں آپ کس قدر کامل تھے، حقوقِ خداوندی میں سب سے بڑا حق خدا کی حمد و ثنا اور اس کی توحید ہے۔ ان دونوں چیزوں کے لیے تو کسی خاص آیت کا حوالہ دینا نہ چاہیے، کیوں کہ تمام قرآن ان دونوں چیزوں سے مالا مال ہے، خلاصہ سب کا اس آیت میں ہے۔

...قال اللہ تعالیٰ:

﴿اِنِّیۡ وَجَّهۡتُ وَجۡهِیَ لِلَّذِیۡ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضَ حَنِیۡفًا وَّمَاۤ اَنَا مِنَ الۡمُشۡرِکِیۡنَ ﴿۷۹﴾﴾ [الانعام:۷۹]

”میں نے سامنے کر دیا رخ اپنا اس ذات کے، جس نے پیدا کیا آسمانوں کو اور

زمین کو درحالیکہ میں یک سو ہونے والا ہوں اور مشرکوں میں سے نہیں ہوں"۔
[ع۔ر]

﴿قُلۡ اِنَّ صَلَاتِیۡ وَنُسُکِیۡ وَمَحۡیَایَ وَمَمَاتِیۡ لِلّٰہِ رَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ﴾

[الانعام:۱۶۲]

"آپ کہہ دیجیے! بے شک میری نماز اور قربانی میری اور زندگی میری اور موت میری اللہ ہی کے لیے ہے جو رب ہے تمام عالم کا"۔[ع۔ر]

اھم ترین عبادت کا حال:

پھر عبادات میں سب سے اعلیٰ رتبہ نماز کا ہے، تو اُس کی یہ کیفیت تھی، کہ علاوہ پنج وقت نمازوں کے رات آپ کی کبھی ایک تہائی کبھی نصف کبھی بقدر دو تہائیوں کے نماز میں صرف ہوتی تھی۔

...قال تعالیٰ:

﴿اِنَّ رَبَّکَ یَعۡلَمُ اَنَّکَ تَقُوۡمُ اَدۡنٰی مِنۡ ثُلُثَیِ الَّیۡلِ وَنِصۡفَہٗ وَثُلُثَہٗ وَطَآئِفَۃٌ مِّنَ الَّذِیۡنَ مَعَکَ ؕ وَاللّٰہُ یُقَدِّرُ الَّیۡلَ وَالنَّہَارَ ؕ﴾

[المزمل:۲۰]

"(اے پیغمبر) تمہارا پروردگار جانتا ہے کہ تم دو تہائی رات کے قریب، اور کبھی آدھی رات اور کبھی ایک تہائی رات (تہجد کی نماز کے لیے) کھڑے ہوتے ہو، اور تمہارے ساتھیوں میں سے بھی ایک جماعت (ایسا ہی کرتی ہے) اور رات اور دن کی ٹھیک ٹھیک مقدار اللہ ہی مقرر فرماتا ہے"۔[م۔ت]

یبیت یجافی جنبه عن فراشه
اذا استثقلت بالمشركين المضاجع

ترجمہ۔ رات گزارتے ہیں وہ اس حال میں کہ جدا رہتا ہے پہلو ان کا اپنے بستر سے جب کہ گراں بار ہو جاتے ہیں مشرکین سے بستر ان کے۔

مشرکین مکہ کی ایذاء رسانی اور غضب الٰہی کا جوش:

نماز سے روکنے کے لیے کفار مکہ نے کس قدر آپ کو ستایا! کیسی کیسی ایذائیں دیں! مگر آپ نے سب گوارا کیا، مگر نماز نہ ترک کی۔ یہاں تک آپ ستائے گئے کہ غضبِ الٰہی کو جوش آیا اور ان موذیوں کو سخت تہدید کی گئی، جو خود کئی معجزات پر متضمن ہے۔

...قال تعالیٰ:

﴿اَرَءَيْتَ الَّذِيْ يَنْهٰى ۝ عَبْدًا اِذَا صَلّٰى ۝ اَرَءَيْتَ اِنْ كَانَ عَلَى الْهُدٰٓى ۝ اَوْ اَمَرَ بِالتَّقْوٰى ۝ اَرَءَيْتَ اِنْ كَذَّبَ وَتَوَلّٰى ۝ اَلَمْ يَعْلَمْ بِاَنَّ اللّٰهَ يَرٰى ۝ كَلَّا لَىِٕنْ لَّمْ يَنْتَهِ ۙ لَنَسْفَعًۢا بِالنَّاصِيَةِ ۝ نَاصِيَةٍ كَاذِبَةٍ خَاطِئَةٍ ۝ فَلْيَدْعُ نَادِيَهٗ ۝ سَنَدْعُ الزَّبَانِيَةَ ۝﴾ [العلق:۹،۱۵]

''کیا دیکھا تو نے اس شخص کو جو روکتا ہے (ہمارے بندہ کو جب وہ نماز پڑھتا ہے)۔ بھلا بتلاؤ کہ اگر وہ (نماز پڑھنے والا) ہدایت پر ہو۔ یا تقوی کا حکم دیتا ہو (تو کیا اسے روکنا گمراہی نہیں؟) بھلا بتلاؤ کہ اگر وہ (روکنے والا) حق کو جھٹلاتا ہو، اور منہ موڑتا ہو۔ کیا نہیں جانتا وہ کہ اللہ دیکھتا ہے، ہرگز نہیں اگر وہ نہ باز آئے گا تو ضرور ضرور گھسیٹیں گے ہم اس کو پیشانی کے بل، وہ پیشانی جو جھوٹی اور خطا کار ہے پس چاہیے کہ بلائے وہ (اپنی حمایت کے لیے) اپنی جماعت کو ہم بھی بلاتے ہیں زبانیہ'' [م۔ت] [۲]

[۲] زبانیہ نام ہے ایک فرشتہ کا۔

صدقاتِ محمدی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کا ذکرِ خیر:

نماز کے بعد صدقات کا رتبہ ہے، صدقہ کی دو قسمیں ہیں: مفروضہ؛ جس کو اصطلاحِ شریعت میں ''زکوۃ'' کہتے ہیں۔ اور ''نافلہ'' جس کو عرف میں ''خیرات'' کہتے ہیں۔ زکوۃ تو مال داری پر ہوتی ہے، جس سے حق تعالیٰ نے آپ کو محفوظ رکھا تھا ہی۔ ''خیرات'' اس میں آپ کی حد یہ تھی، کہ آپ کے جود وسخاوت کی مثال ہی نہیں بیان کی جا سکتی، نوبت یہ پہنچی کہ خود حق تعالیٰ نے آپ کو اس قدر کثرت سے منع فرمایا۔

...قال تعالیٰ:

﴿وَلَا تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ﴾[الاسراء:۲۹]

''نہ کشادہ کیجئے اپنا ہاتھ پوری کشادگی سے''۔[ع۔ر]

قربانی وحج و دیگر عبادات کا حال آیۃ ''انی وجہت'' سے ظاہر ہے جو اوپر منقول ہو چکی، اب آپ کے معاملات کی حالت بالا جمال بیان کی جاتی ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے معاملات:

یعنی مخلوق کے حقوق ادا کرنے میں آپ کی کیا حالت تھی؟ اس کے لیے کئی جز ہیں: زوجات کے حقوق، اولاد کے حقوق، اصحاب کے حقوق، عامہ مومنین کے حقوق، عامۃ الناس کے حقوق، آیات ذیل میں علی الترتیب یہ سب مضامین مذکور ہیں۔

...قال تعالیٰ:

﴿إِنَّ اللهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ وَإِيتَاءِ ذِي الْقُرْبٰى وَيَنْهٰى

عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ وَالْبَغْيِ ﴾[النحل:۹۰]

''بہ تحقیق اللہ حکم دیتا ہے انصاف کا، اور نیکی کا اور قرابت والوں کو دینے کا، اور منع کرتا ہے بے حیائی سے اور بُری باتوں سے''۔ [ع۔ر]

...قال تعالیٰ:

﴿وَاَزْوَاجُهٗۤ اُمَّهٰتُهُمْ ؕ وَاُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ اَوْلٰى بِبَعْضٍ فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ﴾[الاحزاب:٦]

''اور نبی کی بیبیاں مسلمانوں کی ماں ہیں، اور سب قرابت والے ایک دوسرے کے حق دار ہیں کتاب اللہ میں''۔ [ع۔ر]

...و قال تعالیٰ:

﴿يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ اِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَزِيْنَتَهَا فَتَعَالَيْنَ اُمَتِّعْكُنَّ وَاُسَرِّحْكُنَّ سَرَاحًا جَمِيْلًا ۟﴾

[الاحزاب:۲۸]

''اے نبی اپنی بیبیوں سے کہہ دیجئے کہ اگر تم چاہتی ہو زندگی دنیا کی اور اس کی آرائش کو، تو آؤ میں تم کو فائدہ دوں اور رخصت کردوں اچھا رخصت کرنا''۔

[ع۔ر]

...و قال تعالیٰ:

﴿ ذٰلِكَ اَدْنٰۤى اَنْ تَقَرَّ اَعْيُنُهُنَّ وَلَا يَحْزَنَّ وَيَرْضَيْنَ بِمَاۤ اٰتَيْتَهُنَّ كُلُّهُنَّ ﴾[الاحزاب:۵۱]

''یہ زیادہ قریب ہے اس کے، ٹھنڈی رہیں آنکھیں ان کی، اور نہ رنجیدہ ہوں وہ اور خوش ہوجائیں وہ سب اس چیز سے جو دی آپ نے ان کو''۔ [ع۔ر]

...وقال تعالیٰ:

﴿وَإِذْ تَقُولُ لِلَّذِيٓ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَاَنْعَمْتَ عَلَيْهِ﴾

[الاحزاب:۳۷]

''اور جب کہتے تھے آپ اس شخص سے، جس پر انعام کیا اللہ نے، اور احسان کیا آپ نے اس پر''۔ [ع۔ر]

...وقال تعالیٰ:

﴿اِنَّ ذٰلِكُمْ كَانَ يُؤْذِي النَّبِيَّ فَيَسْتَحْيٖ مِنْكُمْ﴾ [الاحزاب:۵۳]

''یہ بات تمہاری ایذا دیتی تھی نبی کو، مگر وہ شرم کرتے تھے تم سے''۔ [ع۔ر]

...وقال تعالیٰ:

﴿لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۲۸﴾﴾ [التوبۃ:۱۲۸]

''(لوگو) تمہارے پاس ایک ایسا رسول آیا ہے جو تمہی میں سے ہے، جس کو تمہاری ہر تکلیف بہت گراں معلوم ہوتی ہے، جسے تمہاری بھلائی کی دھن لگی ہوئی ہے، جو مومنوں کے لیے انتہائی شفیق، نہایت مہربان ہے۔'' [م۔ت]

...وقال تعالیٰ:

﴿لَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ اَلَّا يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ ﴿۳﴾﴾ [الشعراء:۳]

''شاید اے نبی آپ جان دے دیں گے اپنی اس رنج میں، کہ یہ لوگ ایمان نہیں لاتے''۔

[ع۔ر]

...وقال تعالیٰ:

﴿فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ﴾ [آل عمران:۱۵۹]

''(اے نبی) بسبب رحمت خدا کے ان سب کے ساتھ نرمی کی آپ نے''۔

[ع۔ر]

﴿وَاِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ ۝۴﴾ [القلم:۴]

''بے شک آپ بڑی عمدہ صفت پر ہیں''۔ [ع۔ر]

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیم اور اس کا نتیجہ:

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیم کا زمانہ کل بیس سال ہے، کیوں کہ آپ بعد نبوت تیئیس سال دنیا میں رہے، ان میں ابتدائی تین سال میں آپ کو تبلیغ کا حکم نہیں ملا۔

اس بیس سال میں آپ نے ایسی کامل تعلیم دی، کہ انبیائے سابقین علیہم السلام میں جن حضرات کو اس سے بدرجہا زائد مدت ملی تھی، ان کی تعلیم میں بھی اس تعلیم کا عشرِ عشیر نہیں پایا جاتا۔

انبیاء سابقین علیہم السلام کی تعلیمات کے نتائج:

حضرت نوح علیہ السلام کی ساڑھے نو سو برس کی تعلیم کا نتیجہ یہ ہے کہ:

﴿وَمَآ اٰمَنَ مَعَهٗٓ اِلَّا قَلِيْلٌ ۝۴۰﴾ [ھود:۴۰]

''اور تھوڑے ہی سے لوگ تھے جو ان کے ساتھ ایمان لائے تھے''۔ [م۔ت]

اور حضرت موسی علیہ السلام کی تعلیم کا یہ نتیجہ ہوا، کہ ان کے متبعین بوقتِ حکم جہاد کہتے ہیں۔

...قال تعالیٰ:

﴿فَاذْهَبْ اَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَآ اِنَّا هٰهُنَا قٰعِدُوْنَ ۝۲۴﴾ [المائدہ:۲۴]

''(اگر ان سے لڑنا ہے تو) بس تم اور تمہارا رب چلے جاؤ، اور ان سے لڑو، ہم تو

یہیں بیٹھے ہیں"۔ [م۔ت]

بخلاف اس کے کہ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی تعلیم کا یہ اثر ہے کہ۔

...قال تعالیٰ:

﴿وَرَاَيۡتَ النَّاسَ يَدۡخُلُوۡنَ فِىۡ دِيۡنِ اللّٰهِ اَفۡوَاجًا ۝۲﴾ [النصر:۲]

"اور دیکھا تم نے اے نبی لوگوں کو کہ داخل ہو رہے ہیں دین خدا میں فوج کی فوج"۔ [ع۔ر]

وہی عرب تھے کہ قبل از اسلام ان کی کیا حالت تھی؟ آپس میں ایک دوسرے کے دشمن، خون کے پیاسے اور بعد اسلام یہ کیفیت ہوئی کہ دو حقیقی بھائیوں میں بھی محبت و اتحاد کی نظیر نہیں مل سکتی۔

...قال تعالیٰ:

﴿اِذۡ كُنۡتُمۡ اَعۡدَآءً فَاَلَّفَ بَيۡنَ قُلُوۡبِكُمۡ فَاَصۡبَحۡتُمۡ بِنِعۡمَتِهٖۤ اِخۡوَانًا ۚ﴾ [آل عمران:۱۰۳]

"تم دشمن تھے خدا نے تمہارے دلوں میں الفت ڈال دی اور اس کے فضل سے تم بھائی بھائی ہو گئے"۔ [ع۔ر]

اصحابِ محمد ﷺ کی کیفیت بعد از اسلام:

یا تو یہ حالت تھی، کہ خدا پرستی کا خواب بھی انہوں نے نہ دیکھا تھا، یا یہ کیفیت ہوئی کہ دن رات سوا یادِ خدا کے اُن کا کوئی مشغلہ ہی نہ تھا۔

...قال تعالیٰ:

﴿يَدۡعُوۡنَ رَبَّهُمۡ بِالۡغَدٰوةِ وَالۡعَشِىِّ يُرِيۡدُوۡنَ وَجۡهَهٗ ؕ﴾

[الانعام:۵۲]

’’پکارتے ہیں وہ اپنے پرودگار کو صبح اور شام، چاہتے ہیں رضامندی اس کی‘‘۔

[ع۔ر]

...وقال تعالیٰ:

﴿وَكُنْتُمْ عَلٰى شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَاَنْقَذَكُمْ مِّنْهَا﴾

[آل عمران:۱۰۳]

’’تھے تم کنارے پر آگ کی خندق کے، پس نجات دی اس نے تم کو‘‘۔[ع۔ر]

...وقال تعالیٰ:

﴿تَرٰىهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا﴾[الفتح:۲۹]

’’دیکھتا ہے تو ان کو رکوع میں اور سجدہ، میں چاہتے ہیں وہ فضل خدا کا اور رضامندی‘‘۔[ع۔ر]

...وقال تعالیٰ:

﴿لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ فَاَنْزَلَ السَّكِيْنَةَ عَلَيْهِمْ وَاَثَابَهُمْ فَتْحًا قَرِيْبًا ﴿١٨﴾﴾[الفتح:۱۸]

’’یقیناً اللہ ان مومنوں سے بڑا خوش ہوا جب وہ درخت کے نیچے تم سے بیعت کر رہے تھے اور ان کے دلوں میں جو کچھ تھا وہ بھی اللہ کو معلوم تھا۔اس لیے اس نے ان پر سکینت اتار دی، اور ان کو انعام میں ایک قریبی فتح عطا فرمادی‘‘۔

[م۔ت]

دنیا بھی اصحابِ محمد ﷺ کے قدموں میں:

دینی ترقی اور دینی شائستگی کی تو یہ حالت تھی، دنیاوی ترقی کی یہ کیفیت تھی، کہ اہل عرب وہی اہل عرب! جن کو بکریوں کے چرانے کا بھی سلیقہ نہ تھا، جہاں داری و فرماں روائی کے اصول میں ماہر ہو گئے۔ اور ایسے ماہر ہوئے، کہ عرب و عجم بحر و بر کی بادشاہی ان کو ملی، اور اتنی بڑی بادشاہی کو اس کمال اور اس خوبی سے انہوں نے انجام دیا کہ ان کو دیکھ کر بھی کوئی چربہ (نقل) نہ اتار سکا، غرض دین دنیا دونوں میں وہ ایسے کامل ہوئے، جس کی تفصیل کے لیے ایک بڑا دفتر چاہیے۔ خلاصہ یہ ہے کہ:

...قال تعالی:

﴿اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ﴾

[المائدہ:۳]

”آج میں نے کامل کر دیا تمہارے لیے دین تمہارا اور پوری کر دی تم پر نعمت اپنی“۔ [ع۔ر]

اب باقی رہیں پیشین گوئیاں انبیائے سابقین کی، تو کچھ آیتیں اس کے متعلق ابواب سابقہ میں منقول ہو چکی ہیں:

...قولہ تعالیٰ:

﴿يَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِيْلِ﴾

[الاعراف:۱۵۷]

”جس کا ذکر وہ اپنے پاس تورات اور انجیل میں لکھا ہوا پائیں گے“۔ [م۔ت]

...و قولہ تعالیٰ

﴿وَاِنَّهٗ لَفِیْ زُبُرِ الْاَوَّلِیْنَ۝۱۹۶﴾ [الشعراء:۱۹۶]

''اور اس (قرآن) کا تذکرہ پچھلی (آسمانی) کتابوں میں بھی موجود ہے''۔

[م۔ت]

...و قولہ تعالیٰ

﴿ذٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِی التَّوْرٰىةِ ۛۖ وَمَثَلُهُمْ فِی الْاِنْجِیْلِ ۚ﴾ [الفتح:۲۹]

''یہ ہیں ان کے وہ اوصاف جو تورات میں مذکور ہیں۔ اور انجیل میں''۔

[م۔ت]

منکرین نبوت کے شبہات کا ازالہ:

نبوت کے خلاف حسبِ ذیل احتمالات منکرین پیش کرتے تھے، یا پیش کر سکتے تھے۔

پہلا شبہ:

اول: اپنی نام و نمود و شہرت و وجاہت کے لیے دعویٰ نبوت کیا ہے، پھر اس کی دو صورتیں ہیں: ا۔ اس نام و نمود وغیرہ سے کوئی نفع اپنے لیے یا اپنی اولاد کے لیے مدِّ نظر تھا یا نہ تھا۔ صورت اول کا نام طلبِ اجر ہے، صورتِ ثانی کا نام جنون ہے۔ کیوں کہ نام و نمود وغیرہ کے لیے ایسا کام کرنا جس میں جسمانی اور روحانی ضرر کا یقینِ کامل ہو، اور نام و نمود وغیرہ کا حصول محض وہمی خیالی ہو، سوا مجنون کے اور کس سے ہو سکتا ہے؟

دوم بہر صورت خواہ دعویٰ نبوت سے طلب اجر مقصود ہے، خواہ محض بطور جنون فعل عبث ہو۔

آپ کی قوتِ تاثیر کی کیا وجہ ہے؟ اس کے لیے دو احتمال تجویز کیے گئے۔

ایک یہ کہ معاذ اللہ آپ "شاعر" ہیں۔ اور قوتِ شاعری کی وجہ سے لوگوں کا دل اپنی فطرت کی طرف مائل کر لیتے ہیں۔

دوسرے یہ کہ معاذ اللہ "ساحر" ہیں۔ اور قوتِ سحر کے سبب سے لوگوں کے قلوب پر تصرف کر کر کے اپنی طرف مائل کر لیتے ہیں۔

یہ کل چار صورتیں ہوئیں: ۱۔ طلب اجر ۲۔ جنون ۳۔ شعر ۴۔ سحر

اگر چہ کاذب ہونے کی صرف یہی چار صورتیں عقل تجویز کرتی ہے، مگر احتمال کے طور پر ممکن ہے، کوئی پانچویں صورت بھی بطور احتمالِ عقلی کے نکلے، لہٰذا کذب کو ایک پانچویں صورت سمجھنا چاہیے۔ حق تعالیٰ نے قرآنِ کریم میں ان پانچوں اِحتمالات کو اس تشدید کے ساتھ باطل کیا ہے، اور ایسے بیّنات و براہین ذکر فرمائے ہیں، کہ ان پر مطلع ہونے کے بعد کوئی شخص اُن کے بطلان کو نظری نہیں کہہ سکتا۔

دعویٰ نبوت کسی اجرت کے لالچ میں نہیں کیا گیا؛ قرآنی شہادتیں:

طلب اجر کے تفصیلی[۱] واقعات تو ذکر نہیں فرمائے مگر متعدد آیات میں اس کی نفی فرمائی۔

[۱] تفصیلی واقعات اس کے جو اخبارِ متواترہ سے ثابت ہیں منجملہ ان کے یہ کہ رسول خدا ﷺ نے کبھی کسی سے خود طلب نہ فرمایا۔ اگر کسی نے از خود ہدیہ کچھ دیا تو قبول کیا مگر اس کا معاوضہ زائد اصل آپ کی عادت شریف میں داخل نہ تھا۔ صدقہ خیرات ہر شخص کے لیے بوقت ضرورت جائز ہے اپنے لیے اور اپنی اولاد کے لیے ہمیشہ حرام کر دیا۔ بظاہر آخر میں ایک صورت سلطنت و بادشاہت کی حسب وعدہ الٰہی پیدا ہو چلی تھی مگر اس بادشاہت و سلطنت سے بھی نہ خود آپ نے کوئی نفع اٹھایا۔ وہ فقر و فاقے جو پہلے تھے آخری وقت تک قائم رہے اور نہ

اپنی اولاد کو اس سلطنت و بادشاہت کا حقدار بنایا۔ آخیر وقت میں بجائے اس کے کہ اپنی اولاد کو یا اولاد کے مورث کو اپنی جانشین کرتے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو اپنا جانشین کر دیا۔ مال متروکہ جو ہر شخص کے اولاد وغیرہ کو ملتا ہے آپ نے اپنی اولاد وغیرہ کو اس سے بھی محروم کر دیا اور اپنے مال متروکہ میں میراث کی ممانعت کر دی۔ یہ امور تمام انبیاء علیہم السلام میں مشترک ہیں۔ اب قرآن کی زبانی اس نفی پر شہادتیں دیکھیے!

① . . . قال تعالیٰ:

﴿قُلْ لَّآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا﴾ [الانعام:۹۰]

''کہہ تو نہیں مانگتا میں تم سے اس کی اجرت''۔ [ع۔ر]

② . . . و قال تعالیٰ:

﴿قُلْ مَا سَاَلْتُكُمْ مِّنْ اَجْرٍ فَهُوَ لَكُمْ﴾ [فاطر:۴۷]

''کہہ تو کچھ مانگی ہو میں نے تم سے اجرت، وہ تمہارے لیے ہے (یعنی) مجھے نہ دینا''۔ [ع۔ر]

مجنون ہونے کا شبہ:

یہاں جنون سے ایک عام معنی مراد لینا چاہیے، جو ہر قسم کے اختلالِ دماغ کو شامل ہوں خواہ وہ خللِ دماغ کسی مرضِ خلقی یا عارضی کے باعث سے ہو، اور خواہ وہ خلل دماغ کسی آسیب یا سحر کے سبب سے ہو۔ انبیاء علیہم السلام پر ان تمام اقسامِ اختلال کا شبہ کیا گیا ہے۔

① . . . قولہ تعالیٰ:

﴿اِنْ نَّقُوْلُ اِلَّا اعْتَرٰىكَ بَعْضُ اٰلِهَتِنَا بِسُوْٓءٍ﴾ [ھود:۵۴]

''ہم تو اس کے سوا کچھ اور نہیں کہہ سکتے کہ ہمارے خداؤں میں سے کسی نے تمہیں

بری طرح جھپیٹے میں لے لیا ہے"۔ [م۔ت]

②... قولہ تعالیٰ:

﴿إِنْ تَتَّبِعُونَ إِلَّا رَجُلًا مَّسْحُورًا ⑧﴾ [الفرقان:۸]

"یعنی تم لوگ جادو کیے ہوئے شخص کی پیروی کرتے ہو"۔ [م۔ت]

جملہ اقسامِ جنون سے نفی پر قرآنی تہدید:

حق تعالیٰ نے قرآن عظیم میں ان تمام اقسامِ اختلال کی نفی آنحضرت ﷺ سے فرمائی ہے۔

①... قال تعالیٰ:

﴿ثُمَّ تَتَفَكَّرُوا مَا بِصَاحِبِكُمْ مِّنْ جِنَّةٍ﴾ [سبا:۴۶]

"پھر غور کرو تم، کہ تمہارے رفیق یعنی محمد ﷺ کو کچھ بھی جنون نہیں ہے"۔ [ع۔ر]

مطلب یہ کہ ہر شخص آنحضرت ﷺ کے اقوال وافعال واحوال پر غور کر لے، معلوم ہوسکتا ہے کہ آپ کو خلل دماغ معاذ اللہ نہ تھا۔ "صاحبکم" کے لفظ سے اشارہ اس امر کی طرف ہے، کہ اہلِ مکہ! تم کو پورا موقع اِن کے حالات پر غور کرنے کا مل چکا ہے۔ کیوں کہ اتنی عمر تک تمہارا ان کا ساتھ رہ چکا ہے۔ پھر دوسری آیت میں یہ بھی تعلیم فرما دیا کہ غور کرنے کا طریقہ کیا ہے؟

②... قال تعالیٰ:

﴿ نٓ وَالْقَلَمِ وَمَا يَسْطُرُونَ ①مَآ أَنْتَ بِنِعْمَةِ رَبِّكَ بِمَجْنُونٍ ②وَإِنَّ لَكَ لَأَجْرًا غَيْرَ مَمْنُونٍ ③وَإِنَّكَ لَعَلَىٰ خُلُقٍ عَظِيمٍ ④فَسَتُبْصِرُ وَيُبْصِرُونَ ⑤بِأَيِّكُمُ الْمَفْتُونُ ⑥﴾ [القلم:۱۔۶]

''قسم ہے قلم کی اور اس چیز کی جو لکھنے والے لکھتے ہیں کہ نہیں ہیں آپ فضل سے اپنے پروردگار کے مجنون، اور بہ تحقیق آپ کے لیے ہی یقینا ثواب بے انتہا اور تحقیق آپ یقینا بڑی (عمدہ) صفت پر ہیں، پس عنقریب دیکھ لیں گے آپ اور دیکھ لیں گے یہ لوگ، تم میں سے کس کو خلل (دماغ میں) ہے آپ کو یا (ان کو)''۔[ع۔ر]

مطلب یہ کہ ہر شخص کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صفات حمیدہ پر غور کرنا چاہیے؟ کیا ایسے حکیمانہ قول ایسی برگزیدہ عادات کسی مختل الدماغ میں ہو سکتے ہیں؟ ہر گز نہیں ہو سکتے!! پس ثابت ہوگیا کہ آپ خدا کے فضل سے مجنون نہیں ہیں۔

اس مضمون کو قلم اور قلم سے لکھی ہوئی چیزوں کی قسم کے ساتھ بیان فرمانے میں اشارہ اس امر کی طرف ہے۔کہ انبیاء علیہم السلام پر جنون کا شبہ محض اس وجہ سے کیا جاتا ہے۔کہ دعویٰ نبوت ونزول وحی ان کو ایک تعجب انگیز خبر معلوم ہوتی ہے۔ اور خیال کرتے ہیں کہ ایسا دعویٰ کوئی عقل مند نہیں کرسکتا جیسا کہ دوسرے مقام میں ارشاد ہوا:

﴿بَلۡ عَجِبُوۡۤا اَنۡ جَآءَهُمۡ مُّنۡذِرٌ مِّنۡهُمۡ فَقَالَ الۡكٰفِرُوۡنَ هٰذَا شَىۡءٌ عَجِيۡبٌ ۚ﴾[ق:۲]

''بلکہ تعجب کیا کافروں نے اس بات پر کہ آیا ان کے پاس ایک ڈرانے والا انہیں میں سے اور کہا انہوں نے یہ عجیب بات ہے''۔[ع۔ر]

قلم کی قسم کے ساتھ خطاب میں انوکھی حکمت اور نادر تفسیر:

پس ان کو ہدایت ہوئی کہ تم قلم کو اور قلم کی لکھی ہوئی چیزوں کو دیکھو! بالکل

دعویٰ نبوت کے مشابہ پاؤ گے، حالاں کہ قلم کو کوئی بھی مجنوں نہیں کہتا بوجہ اس کے، کہ اس کے عادی ہو رہے ہیں۔قلم میں اور نبی میں کیا مشابہت ہے؟

دیکھو! جس طرح نبی کا دعویٰ یہ ہے، کہ مجھے اس ذاتِ اقدس کی کتاب واحکام معلوم ہوتے ہیں۔جس کے ہاتھوں میں مَیں ہوں، اور میری جان ہے۔اور ان کے اظہار پر میں مامور ہوں۔

اسی طرح قلم کا دعویٰ یہ ہے کہ مجھے اس شخص کے ضمیر پر اطلاع ہوتی ہے جس کی انگلیوں کے درمیان میں مَیں ہوں، اور میں اسی مافی الضمیر کے اظہار پر مامور ہوں اور جس طرح قلم کی لکھی ہوئی عبارت اس کے دعوے کے صادق ہونے کی دلیل ہے۔اسی طرح نبی ﷺ کی زبانِ اقدس سے نکلی ہوئی باتیں اس کے دعویٰ کی صداقت پر دلیل ہیں۔

یہ حکمت اس قسم کی شاید تفاسیر میں نہ ملے۔ **هذا ما علمنی ربی فله الحمد**

اور آخر میں جو فرمایا، کہ عنقریب آپ بھی دیکھ لیں گے اور یہ بھی دیکھ لیں گے، اس سے مراد دنیا ہی میں دیکھ لینا ہے۔چنانچہ غزوہ بدر سے یہ امر مشاہدہ میں آنے لگا، اور فتحِ مکہ سے اس مشاہدہ کی تکمیل ہوگئی۔کہ کس کا دماغ صحیح تھا اور کس کے دماغ میں خلل تھا؟

شعر سے کیا مراد ہے؟

یہاں اس سے مراد کلام موزون نہیں ہے، بلکہ امورِ غیر واقعیہ کو اپنی قوتِ خیالیہ سے ایسے دلکش پیرایہ میں بیان کرنا کہ لوگوں کی طبیعت اس پر مائل ہو۔حق تعالیٰ نے اس کی نفی بھی آنحضرت ﷺ سے کئی طرح فرمائی۔

حضور ﷺ سے شعر کی نفی:

...قال تعالیٰ:

﴿وَمَا عَلَّمْنٰهُ الشِّعْرَ وَمَا يَنْۢبَغِيْ لَهٗ﴾ [یٰسٓ:۶۹]

''اور نہیں سکھایا ہم نے اس کو شعر اور نہ شعر اس کے مناسب ہے''۔[ع۔ر]

مطلب یہ کہ تم جانتے ہو، کہ شعر بغیر کسی سے سیکھے ہوئے نہیں آتا۔ اور محمد ﷺ نے دنیا میں کسی سے شعر کیا معنی؟ کچھ بھی نہیں سیکھا۔ اگر سیکھا تو ہم سے سیکھا۔ اور ہم نے ان کو شعر نہیں سکھایا۔ اور ایسا فعل اُن کی شان کے مناسب بھی نہیں۔ کیوں کہ ان (محمد ﷺ) کے اقوال و احوال شاعروں کے افعال و اقوال و احوال سے کچھ بھی مشابہت و مناسبت نہیں رکھتے۔

اقوال و احوالِ محمدی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام شاعرانہ نہیں:

...و قال تعالیٰ:

﴿وَالشُّعَرَآءُ يَتَّبِعُهُمُ الْغَاوٗنَ ﴿۲۲۴﴾ اَلَمْ تَرَ اَنَّهُمْ فِيْ كُلِّ وَادٍ يَّهِيْمُوْنَ ﴿۲۲۵﴾ وَاَنَّهُمْ يَقُوْلُوْنَ مَا لَا يَفْعَلُوْنَ ﴿۲۲۶﴾﴾ [الشعراء:۲۲۴]

''شاعروں کی پیروی کرتے ہیں گمراہ لوگ کیا نہیں دیکھتا تو، کہ وہ ہر جنگل میں بھٹکتے پھرتے ہیں، اور بے شک وہ کہتے ہیں ایسی باتیں کہ کرتے نہیں''۔[ع۔ر]

یعنی شاعروں میں ان تین باتوں کا ہونا ضروری ہے۔ اور محمد ﷺ میں ان تین

باتوں میں سے کوئی بات بھی نہیں ہے۔

اول:

یہ کہ شاعروں کی تعلیم ایسے باکمال لوگ نہیں پیدا کر سکتی جیسے باکمال لوگ محمد ﷺ کی تعلیم نے پیدا کیے، بلکہ شاعروں کی تعلیم سے ہمیشہ گمراہی اور بداخلاقی پیدا ہوتی ہے۔

دوم:

دوسرے یہ کہ شاعر لوگ ہر جنگل میں بھٹکتے پھرتے ہیں، زمین آسمان کے قلابے ملایا کرتے ہیں ان کی باتوں میں ایسے عمدہ اور نفیس قوانین حکمت کے نہیں مل سکتے ہیں جیسے محمد ﷺ کی باتوں میں ہیں۔

سوم:

تیسرے یہ کہ شاعر لوگ خود اپنی تعلیم پر عمل نہیں کرتے بخلاف اس کے محمد ﷺ جو تعلیم دیتے ہیں اس پر خود بھی عامل ہیں۔

سحراور کذب کی نفی پر قرآنی شہادت:

سحر اور کذب دونوں کی نفی حق تعالیٰ نے یوں فرمائی۔

...قال تعالی:

﴿فَقَدْ لَبِثْتُ فِيكُمْ عُمُرًا مِّن قَبْلِهِ ۚ أَفَلَا تَعْقِلُونَ﴾ [یونس:١٦]

''میں رہا ہوں تم میں ایک عمر اس سے پہلے، پس کیا تم نہیں سمجھتے''۔ [ع۔ر]

فائدہ ۱:

مطلب یہ کہ چالیس برس کی عمر میری تمہارے درمیان میں گزری، تم میری ہر

ہر آن کے حالات سے واقف ہو۔ بتاؤ! کہ سحر میں نے کس سے سیکھا اور کب سیکھا اور کہاں سیکھا؟، اور کذب مجھ سے کب صادر ہوا اور کیا صادر ہوا؟ اور جب تم یہ نہیں بتا سکتے تو رجماً بالغیب مجھے ساحر یا کذاب کہہ دینا ہرگز کسی عقل مند کے نزدیک قابل سماعت نہیں ہوسکتا۔

ان احتمالات کے باطل ہو جانے کے بعد کون کہہ سکتا ہے کہ دنیا میں کوئی شخص انصاف وعقل کو ہاتھ میں لے کر آنحضرت ﷺ کی نبوت حقہ کے انکار کی جرأت کر سکتا ہے۔

فائدہ ۲:

سحر کا شبہ رسول خدا ﷺ پر محض آپ کی تعلیم کے سریع التاثیر اور قوی التاثیر ہونے کے سبب سے کیا جاتا تھا، معلوم ہوا کہ آپ کی تعلیم کی قوتِ تاثیر اور سرعتِ تاثیر مافوق العادۃ تھی، لہٰذا یہ بھی ایک معجزہ آپ کا ہوا، کافروں نے خود اِس معجزہ کا بارہا اعتراف کیا۔ قرآن مجید میں جا بجا ہے کہ کافر کہتے ہیں کہ محمد (ﷺ) نے غیر اللہ کی پرستش دشوار کر دی:

① ... قولہ تعالیٰ:

﴿إِن كَادَ لَيُضِلُّنَا عَنْ آلِهَتِنَا لَوْلَا أَن صَبَرْنَا عَلَيْهَا﴾ [الفرقان:۴۲]

”بے شک قریب تھا کہ محمد ﷺ ہم کو ہمارے معبودوں سے ہٹا دیتے اگر ہم ان پر مضبوطی کے ساتھ قائم نہ رہتے“۔ [ع۔ر]

② ... قولہ تعالیٰ:

﴿أَنِ امْشُوا وَاصْبِرُوا عَلَىٰ آلِهَتِكُمْ﴾ [ص:٦]

”(مجلس رسول سے) اُٹھ چلو اور اپنے معبودوں سے مضبوطی کے ساتھ قائم رہو“۔ [ع۔ر]

۳... قولہ تعالیٰ:

﴿وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَا تَسْمَعُوْا لِهٰذَا الْقُرْاٰنِ وَالْغَوْا فِيْهِ لَعَلَّكُمْ تَغْلِبُوْنَ۝۲۶﴾ [فصلت:۲۶]

’اور یہ کافر (ایک دوسرے سے) کہتے ہیں کہ: اس قرآن کو سنو ہی نہیں، اور اس کے بیچ میں غل مچادیا کروتا کہ تم ہی غالب رہو“۔ [ع۔ر]

الحاصل آپ نے رحمٰن کی اطاعت آسان کردی اور شیطان کی اطاعت دشوار کردی۔ اور یہ بات اس حد اعجاز کو پہنچ گئی کہ کافروں کو سحر کا شبہ کرنے کا موقع ملا۔

صَلَّی اللہ تعالیٰ علیہ و علی آلہ و صحبہ و بارک و سلم

باب چہارم

نبوت کے بعد تیئیس سالہ حالات زندگی

نبوت کے بعد کے تیئیس (۲۳) سال کے حالات میں یہ چند چیزیں طالبِ حق کے لیے ضروری ہیں۔آپ ﷺ کے معجزات۔آپ ﷺ کی تعلیم اور اس کے عمدہ اور بے نظیر آثار۔آپ ﷺ کے مصائب اور وہ مصائب جن کا برداشت کرنا انسانی قوت کا کام نہیں ہے۔آپ ﷺ کی ہجرت۔آپ ﷺ کے غزوات اور ان کے مقاصد ونتائج۔

ان چار چیزوں میں سے پہلی اور دوسری چیز کا بیان باب سوم میں ہو چکا۔اور آپ کی مقدس تعلیم تو سارا قرآن ہے۔قرآن کریم میں اس امر کا بھی اظہار کر دیا گیا ہے، کہ آپ قرآنِ کریم کے تمام اوامر ونواہی پر عامل اور اپنی مقدس تعلیم کے بہترین نمونے تھے۔

...قولہ تعالیٰ:

﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ﴾[الاحزاب:۲۱]

”بہ تحقیق ہے تمہارے لیے رسول اللہ ﷺ کی ذات میں عمدہ نمونہ“۔[ع۔ر]

باقی رہی آخری دونوں چیزیں۔ان کا بیان یہاں کیا جاتا ہے۔

آپ ﷺ کے مصائب:

آپ کے مصائب وآلام کی دو قسمیں ہیں۔

اول: جسمانی۔

دوم: روحانی۔

جسمانی مصائب کی دو قسمیں ہیں۔

اول: وہ جو بحالت قیام مکہ پہنچے۔

دوم: وہ جو بحالت قیام مدینہ پہنچے۔

مظالم مکہ کا اندوہناک منظر:

قیام مکہ کی حالت میں جو مظالم آپ ﷺ پر ہوئے، اُن کا شمار سوا علیم و قدیر کے کوئی نہیں جانتا۔ لیکن پھر بھی دفتر کے دفتر روایات صحیحہ کے موجود ہیں، مگر قرآن کریم نے بہت اختصار و اِجمال کے ساتھ آپ کے ساتھ تمسخر کیا جانا گستاخانہ کلمات کا آپ کی شان میں مستعمل ہونا بیان فرمایا ہے۔

①...قال تعالیٰ:

﴿وَاِذَا رَاٰكَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْۤا اِنْ یَّتَّخِذُوْنَكَ اِلَّا هُزُوًا﴾ [الانبیاء:٣٦]

"جب دیکھتے ہیں آپ کو کافر، تو سوا اس کے نہیں، کہ بناتے ہیں آپ کو مسخرا"۔ [ع۔ر]

بس انتہائی مظالم مکہ کو ان جامع، مگر مجمل الفاظ میں ارشاد فرمایا۔

②...قال تعالیٰ:

﴿وَاِذْ یَمْكُرُ بِكَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا لِیُثْبِتُوْكَ اَوْ یَقْتُلُوْكَ اَوْ یُخْرِجُوْكَ﴾ [الانفال:٣٠]

"اور جب تدبیر کرتے تھے آپ کے لیے کافر تا کہ قید کر دیں آپ کو، یا قتل کر دیں آپ کو، یا نکال دیں آپ کو"۔ [ع۔ر]

یا یہ بیان فرمایا کہ:

③... قال تعالیٰ:

﴿اِلَّا تَنۡصُرُوۡهُ فَقَدۡ نَصَرَهُ اللّٰهُ اِذۡ اَخۡرَجَهُ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا ثَانِىَ اثۡنَيۡنِ اِذۡ هُمَا فِى الۡغَارِ﴾ [التوبۃ:۴۰]

''اگر مدد نہیں کرتے تم لوگ رسول کی، تو (نہ کرو) خدا نے ان کی مدد کی جب کہ ان کو کافروں نے نکالا اس حال میں کہ ان کے ہمراہ صرف ایک شخص اور تھا جب کہ وہ دونوں غار میں تھے''۔ [ع۔ر]

ان آیات سے اِس قدر معلوم ہوا، کہ آپ کے قید کرنے اور قتل کرنے اور جلا وطن کرنے کی تدبیر کافروں نے کی، مگر اِس تدبیر کو کن کن عملی صورتوں میں ظاہر کیا اس کا حال نہ معلوم ہوا۔ نیز معلوم ہوا کہ ہجرت کے وقت اِس قدر نازک حالت تھی، کہ آپ کو اپنی رفاقتِ سفر کے لیے ایک سے زیادہ اشخاص کا لے جانا تیسر (آسان) نہ ہوا اور پھر بھی غار کے اندر مخفی رہنا پڑا۔

رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایذاؤں کا تفصیلی تذکرہ:

ہاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایذائیں کچھ مفصل بیان ہوئی ہیں، چنانچہ ان کے لیے جا بجا اس قسم کے عنوانات سے ارشاد ہوا ہے۔

①... قال تعالیٰ:

﴿اُذِنَ لِلَّذِيۡنَ يُقٰتَلُوۡنَ بِاَنَّهُمۡ ظُلِمُوۡا ؕ وَاِنَّ اللّٰهَ عَلٰى نَصۡرِهِمۡ لَقَدِيۡرُ ۙ‏﴿۳۹﴾ الَّذِيۡنَ اُخۡرِجُوۡا مِنۡ دِيَارِهِمۡ بِغَيۡرِ حَقٍّ اِلَّاۤ اَنۡ يَّقُوۡلُوۡا رَبُّنَا اللّٰهُ ؕ﴾ [الحج:۳۹،۴۰]

''جن لوگوں سے جنگ کی جا رہی ہے، انہیں اجازت دی جاتی ہے (کہ وہ اپنے

دفاع میں لڑیں) کیونکہ ان پر ظلم کیا گیا ہے، (۲۳)اور یقین رکھو کہ اللہ ان کو فتح دلانے پر پوری طرح قادر ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جنہیں صرف اتنی بات پر اپنے گھروں سے ناحق نکالا گیا ہے کہ انہوں نے یہ کہا تھا کہ ہمارا پروردگار اللہ ہے۔

[م۔ت]

۲...وقال تعالیٰ:

﴿وَاُوْذُوْا فِيْ سَبِيْلِيْ﴾ [آل عمران:۱۹۵]

''اور ستائے گئے وہ لوگ میری راہ میں''۔ [ع۔ر]

فائدہ:

اصحاب رضی اللہ عنہم کے مصائب سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مصائب کا اندازہ بخوبی ہوتا ہے، کیوں کہ یہ مصائب اُن پر محض آپ کے اتباع کے سبب سے آئے تھے، پس آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جو کہ اصل چیز تھے، کس قدر مستحق ظلم سمجھے گئے ہوں گے اور اس عنوان خاص سے اس امر کو ظاہر فرمانے میں بظاہر دو حکمتیں ہوتی ہیں۔

اول:

یہ کہ حق تعالیٰ کو اُن کی حرکات کی مغضوبیت کا اظہار مدنظر ہے، کہ وہ حرکات تو درکنار ان کا تذکرہ بطور نقل کے بھی ہم لوگوں کو گوارا نہیں۔

دوم:

یہ کہ اگر قرآن کریم میں تفصیل آپ کے مظالم کی ہوتی تو مومنین صادقین کو قرآن کا اپنے ورد میں رکھنا بوجہ ان مضامین کے غالباً مکلف اور سوہانِ روح ہوتا۔

قیامِ مدینہ کے مصائب وآلام:

قیام مدینہ کے زمانے میں بھی بہت سے مصائب و مظالم آپ پر ہوتے رہے،

اور گو بہ نسبت مظالم مکہ کے سہل تھے، مگر پھر بھی انسانی طاقت سے باہر تھے۔ چنانچہ منافقین نے آپ کو اور آپ کے متبعین کو ذلیل کہا، اور آپ کے مدینے سے نکال دینے کا ارادہ کیا۔

①... قال تعالی:

﴿يَقُولُونَ لَئِن رَّجَعْنَآ إِلَى الْمَدِينَةِ لَيُخْرِجَنَّ الْأَعَزُّ مِنْهَا الْأَذَلَّ ﴾[المنافقون:۸]

''منافق کہتے ہیں کہ اگر ہم مدینہ لوٹ کر گئے تو جو ہم میں باعزت ہے وہ ذلیل کو وہاں سے نکال دے گا''۔[ع۔ر]

اور طرح طرح کی ایذائیں ان لوگوں سے پہنچتی رہیں جن کو ان جامع کلمات میں ذکر فرمایا ہے''۔

②... قال تعالیٰ:

﴿وَمِنْهُمُ الَّذِينَ يُؤْذُونَ النَّبِيَّ﴾[التوبۃ:٦١]

''اور ان میں سے کچھ لوگ ہیں جو نبی کو ایذا دیتے ہیں''۔[ع۔ر]

③... و قال تعالیٰ:

﴿يُخٰدِعُونَ اللّٰهَ وَالَّذِينَ اٰمَنُوا﴾[البقرۃ:۹]

''فریب کرتے ہیں اللہ سے اور مسلمانوں سے''۔[ع۔ر]

تفصیل اِن ایذاؤں کی کتب احادیث میں دیکھنا چاہیے۔

پھر غزوات میں جو تکالیف آپ کو پہنچیں۔ اور آپ کے اور خدا کے محبوب و مقرب جس قدر شہید ہوئے وہ مزید برآں۔

حضور ﷺ کے روحانی مصائب:

روحانی مصائب کی بھی دو قسمیں ہیں۔

اول: وہ کہ ظالم دیدہ دانستہ آپ کو پہنچاتے تھے۔

دوسرے: وہ کہ محض آپ کی رافت و رحمت کی وجہ سے آپ کو پہنچتے تھے، قسم اول کی مثال میں تمام وہ آیتیں ہیں، جن میں دین اور اہل دین کو صدمہ پہنچانے کی کوششیں اہل کفر کی مذکور ہیں۔ اور قسم دوم کی مثال میں تمام وہ آیتیں ہیں، جن میں آپ کا صدمہ اور قلق بوجہ اہل کفر کے ہدایت نہ حاصل کرنے کے مذکور ہے۔ اس قسمِ ثانی کے صدمات آپ پر اس قدر شاق تھے، کہ حق تعالیٰ نے قرآنِ کریم میں بڑے اہتمام کے ساتھ اُن کا ذکر فرمایا ہے، اور اپنے نبی سے ان صدمات کے دفع کرنے کی بہت سی تدبیریں مدبر السموت والارض نے کی ہیں۔ کہیں ارشاد ہوا ہے: کہ اے نبی آپ ان لوگوں پر گماشتہ نہیں آپ پر ان کے ایمان کی ذمہ داری نہیں ہے۔

①... قولہ تعالیٰ:

﴿لَّسۡتَ عَلَيۡهِم بِمُصَيۡطِرٍ ٢٢﴾ [الغاشية: ٢٢]

''آپ کو ان پر زبردستی کرنے کے لیے مسلط نہیں کیا گیا''۔ [م۔ت]

②... قولہ تعالیٰ:

﴿قُل لَّسۡتُ عَلَيۡكُم بِوَكِيلٍ ٦٦﴾ [الانعام: ٦٦]

''تم کہہ دو کہ: مجھ کو تمہاری ذمہ داری نہیں سونپی گئی''۔ [م۔ت]

کہیں ارشاد ہوا، کہ کسی کو ہدایت پر لے آنا آپ کے بس کا کام نہیں ہے اور جو کام

اپنے بس کا نہ ہو اس کے نہ ہونے پر رنج کرنا کیا؟

③...قولہ تعالیٰ:

﴿إِنَّكَ لَا تَهْدِي مَنْ أَحْبَبْتَ﴾ [القصص:۵۶]

''(اے پیغمبر) حقیقت یہ ہے کہ تم جس کو خود چاہو ہدایت تک نہیں پہنچا سکتے''۔ [م۔ت]

کہیں حکماً آپ کو رنج کرنے کی ممانعت کی گئی ہے۔

④...قولہ تعالیٰ:

﴿وَلَا يَحْزُنْكَ الَّذِينَ يُسَارِعُونَ فِي الْكُفْرِ﴾ [آل عمران:۱۷۶]

''اور (اے پیغمبر) جو لوگ کفر میں ایک دوسرے سے بڑھ کر تیزی دکھا رہے ہیں، وہ تمہیں صدمے میں نہ ڈالیں''۔ [م۔ت]

کہیں امم سابقہ کے کفریات شدیدہ کا ذکر کر کے آپ کو تسلی دی گئی ہے، کہیں افسوس ناک لہجہ میں آپ کے اس روحانی صدمہ پر ایک تاسف کی سی کیفیت ظاہر فرمائی گئی۔

⑤...قولہ تعالیٰ:

﴿لَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ أَلَّا يَكُونُوا مُؤْمِنِينَ ③﴾ [الشعراء:۳]

''(اے پیغمبر) شاید تم اس غم میں اپنی جان ہلاک کیے جا رہے ہو کہ یہ لوگ ایمان (کیوں) نہیں لاتے''۔ [م۔ت]

نبیِؐ مکرّم کو امت اپنی جان سے بھی زیادہ پیاری ہوتی ہے:

مگر باوجود ان سب تدابیر محکمہ کے بالکلیہ ان صدمات کا ازالہ نہ ہوا، اور نہ ہوسکتا تھا۔ کیوں کہ حق تعالیٰ نے جو فطری محبت اپنی مخلوق کی انبیاء علیہم السلام کی طینت قدسیہ میں ودیعت رکھی ہے۔ وہ ان کو کب چین لینے دیتی ہے؟ اس فطری محبت کا قیاس کسی دوسری محبت پر نہیں ہوسکتا۔ سب سے زیادہ محبت ہر انسان کو اپنی ذات کے ساتھ ہوتی ہے مگر نبی کو اپنی امت کے ساتھ اس سے بھی زیادہ بدرجہا زائد محبت ہوتی ہے۔

قولہ تعالیٰ:

﴿اَلنَّبِيُّ اَوْلٰى بِالْمُؤْمِنِيْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ﴾ [الاحزاب:٦]

"ایمان والوں کے لیے یہ نبی ان کی اپنی جانوں سے بھی زیادہ قریب تر ہیں"۔ [م۔ت]

لیکن اس قدر ضرور ہوا، کہ حق تعالیٰ کے ان ارشادات نے آپ کے رنج وغم میں بہت کچھ خفت پیدا کردی، اور آپ کے قلبِ اقدس کو ایک حد تک تسکین وتسلی عطا فرمائی۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے غزوات

مخالفینِ اسلام آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے غزوات پر اعتراضات کرتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ یہ خوں ریزیاں ایک پیغمبر کی شانِ شایان نہیں ہیں۔ اور اسلام کے "مسئلہ جہاد" کو نہایت بے رحمی کا لباس پہناتے ہیں، گویا اعتراض اس قابل نہ تھا، کہ مسلمانوں کے سامنے پیش کیا جاتا۔ اس لیے کہ ہر مذہب کے "مسلّم الثبوت" پیشواؤں میں کچھ حضرات ضرور ایسے ملتے ہیں، جنہوں نے اس قسم کے جہاد کیے ہیں۔ حتیٰ کہ خود ان معترضین کے مانے ہوئے پیغمبر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے جہادوں کا تذکرہ توریت میں موجود ہے۔ بایں ہمہ سادہ لوحوں کی ایک جماعت جو اپنے کو مسلمان کہتی ہے۔ ان اعتراضات سے متاثر ہوگئی، اور مخالفین کی ہم زبان ہو کر خدا جانے کیسے کیسے دُور اَز کار بے ہودہ کلمات بکنے لگی، لہٰذا سب سے پہلے قرآن کریم سے اجازتِ جہاد کی آیت نقل کی جاتی ہے۔ حق تعالیٰ نے اجازتِ جہاد کا ذکر فرما کر ہر افاک اثیم کی وہاں دوزی کر دی ہے۔

اِجازتِ جہاد پر قرآنی اعلان:

① ... قال تعالیٰ:

﴿أُذِنَ لِلَّذِينَ يُقَاتَلُونَ بِأَنَّهُمْ ظُلِمُوا﴾ [الحج:۳۹]

"اجازت (جہاد) دی گئی ان لوگوں کو جن سے کافر لڑتے ہیں بسبب اس کے ان پر ظلم کیا گیا"۔ [ع۔ر]

②... قال تعالیٰ:

﴿وَلَوْلَا دَفْعُ اللهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّهُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَبِيَعٌ

وَّصَلَوٰتٌ وَّمَسٰجِدُ یُذۡکَرُ فِیۡهَا اسۡمُ اللّٰهِ کَثِیۡرًا ﴾[الحج:۴۰]

''اور اگر نہ ہوتا دفع کرنا اللہ کا بعض لوگوں کو بعض کے ذریعہ سے تو البتہ گرا دیے جاتے، گرجے عیسائیوں اور یہودیوں کے اور خانقاہیں اور مسجدیں جن میں لیا جاتا ہے اللہ کا نام بہت''۔[ع۔ر]

فائدہ:

مطلب یہ کہ جہاد کی اجازت صرف مظلوموں کو دی گئی ہے۔اور غرض اس لیے دی گئی ہے، کہ وہ اپنی ذات کی اور اپنے دین کی حفاظت کریں۔اور اگر جہاد کی اجازت دی جاتی، اور مظلوموں کو ظالم سے انتقام لینا، اور اس کے ظلم کا سدّباب کرنا جائز نہ کیا گیا ہوتا، تو جس طرح دنیا کے تمام کاروبار بند ہو جاتے ہیں اسی طرح مذہب و ملت کا کارخانہ بھی درہم برہم ہو جاتا حتیٰ کہ کوئی شخص خدا کا نام بھی نہ لے سکتا۔اور جو مقامات خدا کا نام لینے کے لیے بنائے جاتے، وہ مقامات بھی قائم نہ رہنے پاتے، کیوں؟ یہ دنیا عالم اسباب ہے، یہاں ہر چیز کو اللہ تعالیٰ نے اسباب کے ساتھ وابستہ کیا ہے، جس طرح زراعت کی پیداوار کو مینہ کے ساتھ اور مینہ کو ابر کے ساتھ وابستہ کیا ہے، اسی طرح دین اور اہل دین کی حفاظت کو جہاد سے مربوط فرمایا ہے۔

جہاد کی مشروعیت صرف مظلوموں کے لیے ہے:

اس آیت سے صاف واضح ہے، کہ جہاد کی مشروعیت صرف مظلوم کے لیے ہے، اور محض دفعِ مظالم کے لیے، نہ یہ کہ جبراً مسلمان بنانے کے لیے یا ملک گیری کے لیے۔جبراً مسلمان بنانا تو قرآن کریم میں ممنوع قرار دیا گیا ہے:

لا اکراہ فی الدین پس بالفاظِ دیگر جہاد نام ہی حفاظتِ خود اختیاری کا، جس میں نہ عقلاً کوئی قباحت ہے، نہ مذہباً بلکہ ہر عقل اور ہر مذہب نے اس کی اجازت دی ہے۔ اور اس کو مستحسن قرار دیا ہے۔ لہٰذا آنحضرت ﷺ کے عہدِ مقدس کے غزوات کو مدافعانہ اور محافظانہ حیثیت سے خالی سمجھنا، نہ صرف بے دینی، بلکہ صریح بے عقلی ہے۔[1]

کیوں کہ قرآن کریم میں آنحضرت ﷺ کو تعلیمِ قرآنی کا بہترین نمونہ قرار

---

[1] قارئین کرام کی خدمت میں مؤدبانہ معذرت:

اس مقام پر امام اہل سنت حضرت مولانا عبد الشکور لکھنوی قدس اللہ سرہ کے مندرجہ بالا خط کشیدہ پیرائے پر شیخ الاسلام مفتی محمد تقی صاحب عثمانی مدظلہم نے ایک جامع اور وقیع تبصرہ فرمایا تھا، بندہ انہی کے الفاظ کو نقل کرنا چاہتا ہے، ورنہ میری کیا حیثیت...... کیا پدی اور کیا پدی کا شوربہ؟ تبصرہ ملاحظہ ہو:

''حضرت مولانا عبد الشکور صاحب لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ برصغیر کے معروف وممتاز علماء میں سے تھے، ان کے قلم نے علمِ دین کی بڑی خدمات انجام دی ہیں، یہ رسالہ انہی کا ہے، جس میں موصوف نے آنحضرت ﷺ کی سیرت طیبہ کو انتہائی اختصار کے ساتھ بیان فرمادیا ہے، اس رسالہ کی دو خصوصیتیں قابل ذکر ہیں، ایک باب سوم میں آپ ﷺ کے دلائل نبوت کا بیان، دوسرے آخری حصہ میں غزاوتِ نبویہ کا جدول، جس میں تمام غزوات کا سن وار مختصر تعارف کروایا گیا ہے، رسالہ بحیثیت مجموعی مفید اور قابل مطالعہ ہے۔ البتہ ص: ۴۲ پر یہ جملے بہت کھٹکتے ہیں:

باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

دیا گیا ہے۔ [۲]

اور عام طور پر ایسی بات کی تعلیم دینا جس پر معلّم خود عامل نہ ہو، ممنوع فرمایا گیا ہے۔ قطع نظر اس سے اگر خود آپ ہی اپنی تعلیم پر عامل نہ ہوتے۔ تو ایسا کامل اثر بھی مرتب نہ ہوتا جیسا کہ ہوا۔

یہی وجہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے غزوات کے اسباب بیان کرنے کا نہ قرآن کریم نے التزام فرمایا ہے، نہ ائمہ محدثین نے کتب حدیث میں اس کو ضروری

---

② (بقیہ حاشیہ)

''جہاد کی مشروعیت صرف مظلوم کے لیے ہے اور دفع مظالم کے لیے...... بالفاظِ دیگر جہاد نام ہے حفاظت خود اختیار کا، لہٰذا آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عہدِ مقدس کے غزوات کو مدافعانہ اور محافظانہ حیثیت سے خالی سمجھنا، نہ صرف بے دینی، بلکہ صریح بے عقلی ہے''۔

ان جملوں سے مترشح ہوتا ہے کہ صرف دفاعی جہاد جائز ہے، حالانکہ جہاد کا اصل مقصد ''اعلاء کلمۃ اللہ'' ہے۔ جس کا حاصل اسلام کا غلبہ قائم کرنا اور کفر کی شوکت کو توڑنا ہے، اس غرض کے لیے اقدامی جہاد بھی نہ صرف جائز بلکہ بسا اوقات واجب اور باعث اجر وثواب ہے، قران وسنت کے علاوہ پوری تاریخِ اسلام اس قسم کے واقعات سے بھری پڑی ہے، غیر مسلموں کے اعتراضات سے مرعوب ہو کر خواہ مخواہ ان حقائق کا انکار یا ان میں معذرت آمیز تاویلیں کرنے کی ہمیں چنداں ضرورت نہیں، کسی فردِ واحد کو بلاشبہ بزورِ شمشیر مسلمان نہیں بنایا گیا، اور نہ اس کی اجازت ہے، ورنہ جزیہ کا ادارہ بالکل بے معنی ہو جاتا ہے، لیکن اسلام کی شوکت قائم کرنے کے لیے تلوار اٹھائی گئی ہے، کوئی شخص کفر کی گمراہی پر قائم رہنا چاہتا ہے تو رہے، لیکن اللہ کی بنائی ہوئی اس دنیا میں حکم اسی کا چلنا چاہیے، اور ایک مسلمان اسی کا کلمہ بلند کرنے اور اس کے باغیوں کی شوکت کو توڑنے کے لیے جہاد کرتا ہے، ہم اس حقیقت کا اظہار کرتے ہوئے ان لوگوں کے سامنے آخر کیوں شرمائیں، جن کی پوری تاریخ ملک گیری کے لیے خونریزیوں کی تاریخ ہے، اور جنہوں نے محض اپنی خواہشات کا جہنم بھرنے کے لیے کروڑوں انسانوں کو موت کے گھاٹ اتارا ہے۔ (ربیع الثانی ۱۳۹۱ھ) از تبصرے: ص: ۴۱۹)''۔

سمجھا ہے۔لیکن تاہم اگر آج ان اسباب کو کوئی معلوم کرنا چاہے،تو وہ ذرہ برابر دشواری اس کو پیش نہیں آسکتی۔کیوں کہ مسلمانوں کے دفتر روایات میں سب کچھ موجود ہے۔

اس تمہید کے بعد واضح ہو، کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عہدِ مقدس کے غزوات انیس (۱۹) ہیں۔جیسا کہ حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے باسانید متعددہ صحیح بخاری میں مروی ہے۔اور صحیح مسلم میں حضرت جابر سے اکیس (۲۱) غزوات مروی ہیں۔لیکن یہ اختلاف نزاعِ لفظی کا ہے۔

اور سرایا[۱] آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قریب سو کے ہیں۔

[۱] سرایا جمع سریۃ کی۔وہ لشکر جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بغرض جہاد روانہ فرمایا اور خود ہمراہ نہ گئے۔خیر سرایا کا بیان یہاں مدِّ نظر نہیں ہے،بلکہ صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے غزوات بالاختصار نقشہ ذیل میں بیان کیے جاتے ہیں۔

غزوات النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اجمالی تعارف

۱۔غزوہ مقدس کا نام: (غزوہ ابوا) یا (غزوہ ودان)

مختصر کیفیت:

دونوں مقام کے نام ہیں، اور دونوں مقام قریب قریب ہیں، مقصد اس غزوہ کا کفارِ قریش کے ایک قافلہ کو سزا دینا تھا۔مگر وہ قافلہ نہیں ملا۔صفر ۲ ھ میں یہ غزوہ ہوا۔

قرآن مجید کا حوالہ: قرآن مجید میں اس کا ذکر نہیں ہے۔

[صحیح البخاری، باب غزوۃ العشیرۃ او العسیرۃ، جلد دوم ص ۵۶۳، طبع میزان]

۲۔غزوہ مقدس کا نام (غزوہ بواط)

مختصر کیفیت: ایک مقام کا نام ہے قریب ینبع کے۔مقصد اس غزوہ کا بھی وہی تھا، جو پہلے غزوہ کا تھا اور وہ قافلہ اس بار بھی نہیں ملا۔[صحیح البخاری، حوالہ بالا]

قرآن مجید کا حوالہ: ایضاً

۳۔غزوہ مقدس کا نام (غزوہ عشیرہ)

مختصر کیفیت: ایک مقام کا نام ہے، خاص ینبع میں مقصد اس کا بھی وہی تھا جو غزوہ سابق کا تھا۔اور وہ قافلہ اس مرتبہ بھی نہ ملا۔[صحیح البخاری، حوالہ بالا]

قرآن مجید کا حوالہ: ایضاً

۴۔غزوہ مقدس کا نام (غزوہ بدر)

مختصر کیفیت: یہ تینوں مذکور غزوات غزوہ بدر کا سبب بنے۔بدر بھی مقام کا نام ہے یا ایک کنویں کا نام ہے، جو اس مقام میں تھا۔یہ غزوہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اعظم معجزات سے ہے۔سرداران اہل کفر جو اپنی نخوت سے کسی کو خیال میں نہ لاتے تھے،قتل کیے گئے،اور قید کیے گئے۔اور اسبابِ ظاہر بالکل اس کے خلاف تھے، مسلمانوں کی تعداد بہت کم تھی اور سامانِ حرب بھی درست نہ تھا۔اور فریق مخالف ہر طرح زبردست تھا۔کافروں کی تعداد ایک ہزار تھی،اور سب سوار اور پاسبان تھے اور مسلمان صرف تین سو کئی نفوس تھے۔اور سامانِ حرب کا کیا ذکر؟ پہننے کا لباس بھی درست نہ تھا۔اس غزوہ میں شریک ہونے والے اصحاب کی ایسی بڑی فضیلت ہے،کہ اس فضیلت میں کوئی ان کا شریک نہیں ہوا۔یہ غزوہ رمضان ۲ھ میں ہوا۔
[صحیح البخاری، باب قصۃ غزوۃ بدر جلد دوم ص، ۵۶۳،طبع میزان]

قرآن مجید کا حوالہ: اس غزوہ کا ذکر قرآن مجید میں کئی جگہ ہے:

...قولہ تعالیٰ:

﴿وَلَقَدۡ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ بِبَدۡرٍ وَّاَنۡتُمۡ اَذِلَّةٌ﴾ [آل عمران: ۱۲۳]

''اور بہ تحقیق مدد دی تم کو اللہ نے بدر میں حالاں کہ تم بہت کمزور تھے''۔ [ع۔ر]

غزوہ بدر کا نام بالتصریح قرآن کریم میں وارد ہوا ہے۔ جیسا کہ آیت مذکور سے ظاہر ہے، مگر واضح رہے کہ بدر کے نام سے دو مرتبہ غزوہ ہوا۔ پہلی مرتبہ لڑائی نہیں ہوئی، اس کو ''بدر صغریٰ'' کہتے ہیں۔ اس کا ذکر قرآن مجید میں نہیں ہے۔

۵۔ غزوہ مقدس کا نام (غزوہ بنی قینقاع)

مختصر کیفیت: بنی قینقاع یہودیوں کے ایک قبیلے کا نام ہے۔ ہجرت کے بعد کافروں کے معاملات آنحضرت ﷺ سے تین قسم کے تھے۔ اول: کچھ لوگوں سے مصالحت ہوگئی تھی، اس شرط پر کہ نہ آپ سے لڑیں نہ آپ کے کسی دشمن کو مدد دیں۔ یہ لوگ یہودی تھے، جو تین قبیلوں پر منقسم تھے۔ بنی قریضہ، بنی نضیر، بنی قینقاع۔

دوم: کچھ لوگ برسرِ پیکار تھے۔ جیسے کفار قریش۔

سوم: کچھ لوگ برسرِ پیکار تھے نہ برسرِ مصالحت۔ بلکہ انجامِ کار کے منتظر تھے۔ پھر ان میں بھی دو قسمیں تھیں۔ کچھ لوگوں کے دل آنحضرت ﷺ کی طرف مائل تھے، جیسے قبیلہ خزاعہ۔ اور کچھ لوگ اس کے برعکس تھے، زبان اُن کی آپ کے ساتھ اور دل کافروں کے ہمراہ تھے۔ انہیں لوگوں کو شریعتِ مقدسہ نے ''منافق'' فرمایا ہے۔ فرقہائے اہل صلح میں سب سے پہلے ''بنی قینقاع'' نے عہد شکنی اور غدر کیا۔ آنحضرت ﷺ نے اِن پر جہاد کیا۔ آخر میں سب قید ہوئے، آپ ﷺ نے ارادہ فرمایا کہ ان سب غدر کرنے والوں کو سزائے موت دی جائے، مگر ''عبداللہ

ابن اُبی‘‘ نے جو دل سے اُن لوگوں کے ساتھ تھا۔ ان کی جان بخشی کرائی اور آپ ﷺ نے ان لوگوں کو جلا وطنی کی سزا دی۔

یہ غزوہ شوال ۲ ھ میں ہوا یعنی غزوہ بدر کے ایک ماہ بعد۔

یہ غزوہ بھی قبیلہ کے نام سے منسوب ہے۔ بنی نضیر۔

[زرقانی، شرح مواہب اللدنیہ، جلد دوم، ص، ۴۵۶]

قرآن مجید کا حوالہ: قرآن مجید میں اس غزوہ کا اور نیز اس کے بعد والے غزوہ یعنی بنی نضیر کا ذکر بڑی شان کے ساتھ ہے ایک سورت خاص اسی غزوہ کے تذکرے کی وجہ سے سورہ الحشر کے نام سے موسوم ہے۔

① ......قوله تعالی:

﴿هُوَ الَّذِيٓ اَخۡرَجَ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا مِنۡ اَهۡلِ الۡكِتٰبِ مِنۡ دِيَارِهِمۡ لِاَوَّلِ الۡحَشۡرِ ؕ مَا ظَنَنۡتُمۡ اَنۡ يَّخۡرُجُوۡا وَظَنُّوۡۤا اَنَّهُمۡ مَّانِعَتُهُمۡ حُصُوۡنُهُمۡ مِّنَ اللّٰهِ فَاَتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنۡ حَيۡثُ لَمۡ يَحۡتَسِبُوۡا ۗ وَقَذَفَ فِيۡ قُلُوۡبِهِمُ الرُّعۡبَ يُخۡرِبُوۡنَ بُيُوۡتَهُمۡ بِاَيۡدِيۡهِمۡ وَاَيۡدِي الۡمُؤۡمِنِيۡنَ ۗ فَاعۡتَبِرُوۡا يٰۤاُولِي الۡاَبۡصَارِ ②﴾ [الحشر:۲]

’’وہی ہے جس نے کفار اہل کتاب کو ان کے گھروں سے اول حشر میں نکالا تم کو امید نہ تھی کہ وہ نکل جائیں گے۔ اور وہ لوگ یقین رکھتے تھے کہ ان کے قلعے ان کو بچالیں گے مگر اللہ نے ان کو اس طرح گرفت کیا کہ وہ سمجھ نہ سکے اور ان کے دلوں میں رعب ڈال دیا کہ وہ ویران کرنے لگے اپنے گھروں کو اپنے ہاتھوں سے اور مومنوں کے ہاتھوں سے، پس عبرت حاصل کر واے آنکھ والو‘‘۔

[ع۔ر]

یہ آیہ کریمہ بنی قینقاع اور بنی نضیر دونوں غزوؤں کی طرف اشارہ کر رہی ہے۔

۶۔غزوہ مقدس کا نام (غزوہ بنی نضیر)

مختصر کیفیت: یہودیوں کا ایک قبیلہ تھا، جیسا کہ مذکور رہوا۔ بنی قینقاع کے بعد ان لوگوں نے غدر کیا، اور ان کو بھی جلاوطنی کی سزا دی گئی۔ یہ لوگ صاحب جائداد بھی تھے، مگر اِن کو یہ اختیار دیا گیا، کہ جائداد منقولہ میں سے علاوہ ہتھیار کے جس قدر لے جاسکیں، ساتھ لے جائیں۔ اہلِ انصاف بتائیں! کہ کس بادشاہ نے اہلِ غدر کے ساتھ یہ رحیمانہ سلوک کیا ہے؟ معلوم ہوا کہ یہ بادشاہت نہ تھی نبوت و رسالت تھی۔

یہ غزوہ بھی اعظم معجزات میں سے ہے، کیوں کہ اَسبابِ ظاہر بالکل مخالف تھے۔ مسلمانوں کو خود بھی اپنی کامیابی کا یقین نہ تھا، قرآنِ مجید میں اس کے اعجاز کی طرف اشارہ ہے۔

یہ غزوہ بدر کے چھ ماہ بعد یعنی شروع ربیع الاول ۳ھ میں ہوا۔

[صحیح البخاری، باب حدیث بنی نضیر جلد دوم، ص ۵۷۴، طبع میزان]

۷۔غزوہ مقدس کا نام (غزوہ احد)

مختصر کیفیت: ''احد'' ایک مقدس پہاڑ ہے، قریب مدینہ منورہ کے ہے۔ یہ غزوہ چونکہ اس کے دامن میں ہوا تھا، اس لیے اس نام سے موسوم ہوا۔

بدر میں کافر شکست اٹھا کر بہت جوش میں آئے، اور کامل ایک سال تک بڑی بڑی تیاریاں کر کے مدینہ منورہ پر تاخت کرنے آئے۔ اس غزوہ میں مسلمانوں کو بوجہ اس کے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم سے ذراسی نافرمانی ہوگئی، اور نیز بوجہ اس کے حق تعالیٰ کو مومنین کاملین کے ایمان کا اور منافقوں کے نفاق کا اظہار و اعلان مدِّ نظر تھا، شکست ہوئی۔

وہ نافرمانی یہ تھی کہ تیر اندازوں کی ایک جماعت کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ایک مورچہ پر متعین فرمایا اور حکم دیا: کہ بغیر میرے حکم کے یہاں سے نہ ہٹنا'' مگر کافروں کے بھاگنے پر جب اور مسلمان مالِ غنیمت کی طرف متوجہ ہوئے، تو یہ جماعت بھی اپنی جگہ سے ہٹ گئی۔کافر جو بھاگے جارہے تھے۔اس موقع کو دیکھ کر لوٹ پڑے۔ستر مسلمان شہید ہوئے اور اسی اثناء میں ابلیس نے یہ آواز دی کہ (محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) قتل ہو گئے!!!

یہ سن کر مسلمانوں کے پیر اکھڑ گئے، صرف چند اصحابِ مہاجرین و انصار آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ساتھ رہ گئے۔حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ نے اس روز بڑا کام کیا۔ایک ہاتھ سے ان تیروں کو جو رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی طرف آرہے تھے روکا، وہ ہاتھ بے کار ہو گیا تھا۔ اور حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے بھی بڑے بڑے کام کیے، اور بعض اور اصحاب سے بھی اچھی خدمتیں ظاہر ہوئیں۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بھی اس غزوہ میں ہمراہ تھیں۔اور دوسری مومنات کی طرح زخمیوں اور مجاہدوں کو پانی پلا رہی تھیں۔مشکیں ان مقدس خواتین کی پیٹھوں پر لدی ہوئی تھیں، مگر یہ بھی ایک عظیم الشان غزوہ تھا۔غزوہ بدر کے بعد اس کا رتبہ ہے اور اس کے شہداء کی بڑی شان ہے۔

قرآن مجید کا حوالہ: اس غزوہ کا تذکرہ قرآن کریم میں سب سے زائد جن کے قدم اِس موقع پر اُکھڑ گئے، ان پر تعلیمات عتاب کیا گیا، اور پھر عفو کی خبر دی گئی، اور شکست کی حکمتیں بھی بیان فرمائی گئیں:

① ... **قولہ تعالیٰ:**

﴿وَاِذْ غَدَوْتَ مِنْ اَهْلِكَ تُبَوِّئُ الْمُؤْمِنِيْنَ مَقَاعِدَ لِلْقِتَالِ ط

وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿١٢١﴾﴾ [آل عمران:١٢١]

''(اے پیغمبر! جنگ احد کا وہ وقت یاد کرو) جب تم صبح کے وقت اپنے گھر سے نکل کر مسلمانوں کو جنگ کے ٹھکانوں پر جمارہے تھے، اور اللہ سب کچھ سننے جاننے والا ہے''۔ [م۔ت]

٢... قولہ تعالیٰ:

﴿وَلَا تَهِنُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿١٣٩﴾ اِنْ يَّمْسَسْكُمْ قَرْحٌ فَقَدْ مَسَّ الْقَوْمَ قَرْحٌ مِّثْلُهٗ ؕ وَتِلْكَ الْاَيَّامُ نُدَاوِلُهَا بَيْنَ النَّاسِ ۚ وَلِيَعْلَمَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَيَتَّخِذَ مِنْكُمْ شُهَدَآءَ﴾ [آل عمران:١٣٩،١٤٠]

''اور مت سست ہوا سے مسلمانو اور رنج اور غم نہ کرو تمہیں غالب رہو گے اگر تم مومن ہو اگر پہنچا تم کو زخم تو بہ تحقیق پہنچ چکا ہے کافروں کو بھی زخم اس کے مثل (یعنی بدر میں) اور یہ دن الٹتے رہتے ہیں ہم لوگوں میں، اور تا کہ ظاہر کر دے اللہ مومنوں کو اور بنائے تم میں سے کچھ شہید''۔ [ع۔ر]

٣... قولہ تعالیٰ:

﴿وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ ۚ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ؕ اَفَا۟ئِنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ﴾ [آل عمران:١٤٤]

''اور نہیں ہیں محمد مگر ایک رسول بہ تحقیق ہو چکے ہیں ان سے پہلے کچھ رسول کیا اگر وہ مر جائیں یا مار ڈالے جائیں تو تم لوٹ جاؤ گے اپنی ایڑیوں پر (یعنی مرتد ہو جاؤ گے)''۔ [ع۔ر]

٤... قولہ تعالیٰ:

﴿وَلَقَدْ صَدَقَكُمُ اللّٰهُ وَعْدَهٗٓ اِذْ تَحُسُّوْنَهُمْ بِاِذْنِهٖ ۚ حَتّٰٓى اِذَا فَشِلْتُمْ وَتَنَازَعْتُمْ فِي الْاَمْرِ وَعَصَيْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَآ اَرٰىكُمْ مَّا تُحِبُّوْنَ ﴾ [آل عمران:۱۵۲]

''اور اللہ نے یقینا اس وقت اپنا وعدہ پورا کر دیا تھا جب تم دشمنوں کو اسی کے حکم سے قتل کر رہے تھے، یہاں تک کہ جب تم نے کمزوری دکھائی اور حکم کے بارے میں باہم اختلاف کیا اور جب اللہ نے تمہاری پسندیدہ چیز تمہیں دکھائی تو تم نے (اپنے امیر کا) کہنا نہیں مانا''۔ [م۔ت]

۵... قولہ تعالیٰ:

﴿وَلَقَدْ عَفَا عَنْكُمْ ۗ وَاللّٰهُ ذُوْ فَضْلٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ ۝۱۵۲﴾

[آل عمران:۱۵۲]

''بہ تحقیق معاف کیا اللہ نے تم سے اور اللہ فضل والا ہے مومنوں پر''۔ [ع۔ر]

[صحیح البخاری، باب غزوۃ احد جلد دوم، ص ۵۷۸ طبع میزان]

۸۔غزوہ مقدس کا نام (غزوہ مصطلق) (غزوہ مریسیع)

مختصر کیفیت:

''بنی مصطلق'' قبیلہ خزاعہ کی ایک شاخ ہے، یہ جہاد انہیں لوگوں پر تھا۔ اور مریسیع ایک چشمہ کا نام ہے، جو انہیں لوگوں کا تھا۔ لشکرِ اسلام اسی چشمہ پر فروکش تھا۔ اس قبیلہ کے لوگوں نے بڑی تیاری مسلمانوں کے مقابلہ کے لیے کی تھی۔ جب یہ خبر رسول اللہ ﷺ کو ملی، تو آپ مع اپنے اصحاب کے تشریف لے گئے۔ اور اچانک ان پر حملہ کر دیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اِن لوگوں کو حق تعالیٰ نے شکست فاش دی۔ ان میں یعنی

جنگ میں کچھ لوگ قتل ہو گئے اور عورتیں اور بچے قید کر لیے گئے۔

یہ غزوہ شعبان ۵ ھ میں ہوا تھا۔[صحیح البخاری، باب غزوۃ بنی المصطلق، جلد دوم، ص ۵۹۳]

قرآن مجید کا حوالہ: اس غزوہ کا ذکر قرآن مجید میں نہیں ہے۔

۹۔غزوہ مقدس کا نام (غزوہ بنی قریظہ)

مختصر کیفیت:

بنی قریظہ یہودیوں کا ایک قبیلہ تھا، جیسا کہ اوپر مذکور ہوا۔ غزوہ احزاب میں اِس قبیلہ نے غدر کیا، لہٰذا غزوہ احزاب سے فراغت پا کر جب آنحضرت ﷺ مدینہ منورہ پہنچے، تو حکمِ الٰہی آیا کہ ان بدعہد یہودیوں کو غدر کی سزا دیجیے، چنانچہ آپ ﷺ تشریف لے گئے۔ لشکرِ اسلام میں ایک ہزار پیادہ اور چھتیس سوار تھے دس روز سے زائد محاصرہ اُن کے قلعہ کا قائم رہا، بالآخر تنگ آ کر وہ اس شرط پر قلعہ سے باہر آئے۔ کہ حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ جو کچھ ہمارے حق میں فیصلہ کریں، ہمیں منظور ہے۔ چنانچہ حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ نے فیصلہ کیا کہ ان کے جس قدر لوگ لڑنے کے قابل ہیں۔ وہ قتل کر دیے جائیں اور بچے اور عورتیں لونڈی غلام بنائے جائیں، چنانچہ ایسا ہی ہوا یہ چھ سو آدمی تھے۔

[صحیح البخاری، باب مرجع النبی من الاحزاب ومخرجہ الی بنی قریظۃ ومحاصرتہ ایاھم، جلد دوم، ص ۵۹۰]

قرآن مجید کا حوالہ:

قرآن کریم میں اس غزوہ کا حکم اس آیت میں اس طرح ہے:

﴿الَّذِينَ عَاهَدتَّ مِنْهُمْ ثُمَّ يَنقُضُونَ عَهْدَهُمْ فِي كُلِّ مَرَّةٍ وَهُمْ لَا يَتَّقُونَ ﴿٥٦﴾ فَإِمَّا تَثْقَفَنَّهُمْ فِي الْحَرْبِ فَشَرِّدْ بِهِم مَّنْ خَلْفَهُمْ لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُونَ ﴿٥٧﴾﴾ [الانفال:۵۶،۵۷]

''یہ لوگ وہ ہیں جن سے تم نے عہد لے رکھا ہے، اس کے باوجود یہ ہر مرتبہ اپنے عہد کو توڑ دیتے ہیں اور ذرا نہیں ڈرتے۔ لہٰذا اگر کبھی یہ لوگ جنگ میں تمہارے ہاتھ لگ جائیں تو ان کو سامان عبرت بنا کر ان لوگوں کو بھی تتر بتر کر ڈالو جو ان کے پیچھے ہیں، تاکہ وہ یاد رکھیں''۔ [م۔ت]

۱۰۔ غزوہ مقدس کا نام (غزوہ خندق یا غزوہ احزاب)

مختصر کیفیت:

چوں کہ اس غزوہ میں بمشورہ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ لشکرِ اسلام کے گرد خندق کھودی گئی تھی، اس سبب سے اس کا نام ''غزوہ خندق'' ہوا۔ اور چوں کہ بہت جماعتیں کافروں کی مل کر آئی تھیں۔ اس لیے اِس کا نام ''احزاب'' ہوا۔ کفار قریش اور غطفان اور قبائل یہود سب ہی اِس غزوہ میں متفقہ قوت سے مسلمانوں کا قلع قمع کرنا چاہتے تھے۔ مسلمانوں کی تعداد تین ہزار تھی، اور کافروں کی جمعیت دس ہزار بیس دن تک لڑائی قائم رہی، بالآخر حق تعالیٰ نے ایسی ہوا کافروں پر مسلط کی اور ایسے غیبی لشکر بھیجے، کہ وہ سب فرار ہو گئے، یہ غزوہ بھی اعظم معجزات نبویہ میں سے ہے۔ اور اس غزوہ کے ضمن میں بہت سے خوارق ظاہر ہوئے، مثل برکت طعام، خروج نور و پیش گوئی فتح یمن و فارس و روم وغیرہ کے۔

یہ غزوہ بقول صحیح شوال ۵ ھ میں ہوا۔

[صحیح البخاری، باب غزوۃ الخندق وھی الاحزاب، جلد دوم، ص ۵۸۸]

قرآن مجید کا حوالہ:

اس غزوہ کا تذکرہ قرآن مجید میں بڑی شان کے ساتھ کیا گیا سورۃ الاحزاب اسی

غزوہ کے نام سے موسوم ہے۔

... قولہ تعالیٰ:

﴿يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ جَآءَتْكُمْ جُنُوْدٌ فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيْحًا وَّجُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا ؕ وَكَانَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرًا ۝ اِذْ جَآءُوْكُمْ مِّنْ فَوْقِكُمْ وَمِنْ اَسْفَلَ مِنْكُمْ وَاِذْ زَاغَتِ الْاَبْصَارُ وَبَلَغَتِ الْقُلُوْبُ الْحَنَاجِرَ﴾ [الاحزاب:۱۰،۹]

''اے ایمان والو! یاد کرو اللہ نے اس وقت تم پر کیسا انعام کیا جب تم پر بہت سے لشکر چڑھ آئے تھے، پھر ہم نے ان پر ایک آندھی بھی بھیجی، اور ایسے لشکر بھی جو تمہیں نظر نہیں آتے تھے۔ اور تم جو کچھ کر رہے تھے اللہ اس کو دیکھ رہا تھا۔ یاد کرو جب وہ تم پر تمہارے اوپر سے بھی چڑھ آئے تھے اور تمہارے نیچے سے بھی، اور جب آنکھیں پتھرا گئی تھیں، اور کلیجے منہ کو آ گئے تھے''۔ [م۔ت]

اس غزوہ کا ذکر بھی قرآن میں ہے اور جو مسلمان غزوہ میں شریک تھے ان کی بے نظیر فضیلت بیان فرمائی ہے۔

... قولہ تعالیٰ:

﴿لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ﴾ [الفتح:۱۸]

''یقیناً اللہ ان مومنوں سے بڑا خوش ہوا جب وہ درخت کے نیچے تم سے بیعت کر رہے تھے''۔ [م۔ت]

۱۱۔ غزوہ مقدس کا نام (غزوہ حدیبیہ)

مختصر کیفیت:

''حدیبیہ'' ایک مقام کا نام ہے۔ پہلے اس نام کا ایک کنواں اس مقام میں تھا۔ رسول خدا ﷺ بغرضِ عمرہ مکہ معظمہ جانا چاہتے تھے، اس مقام میں پہنچ کر کافروں نے مزاحمت کی، کہ آگے نہ بڑھیے۔ رسول خدا ﷺ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو مع چند اصحاب کے بطور سفارت کفارِ قریش کے پاس بھیجا، کفار نے ان صحابہ کو قید کر لیا۔ یہ آنحضرت ﷺ کو بہت ناگوار گزرا، اور آپ ﷺ نے ارادۂ جہاد کر دیا۔ تقریباً پندرہ سو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آپ کے ہمراہ تھے، سب سے آپ نے ایک درخت کے نیچے بیعت لی، اسی بیعت کا نام ''بیعۃ الرضوان'' ہے۔ ان بیعت کرنے والوں کے بڑے فضائل ہیں۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: کہ تم بہترین اہل زمین ہو واقعی یہ بیعت بھی بڑی جان نثاری کی بیعت تھی۔ سب نے اس بات پر بیعت کی تھی کہ ہم میدانِ جنگ سے بغیر فتح کیے ہوئے واپس نہ جائیں گے یا سب یہیں جان دے دیں گے۔ الغرض موت کی بیعت تھی، مگر نوبت لڑائی کی نہیں آئی، باہم مصالحت ہوگئی۔ اگرچہ اُس وقت بظاہر مسلمانوں کا پہلو مصالح اس صلح سے پیدا ہوئے۔ اور یہی صلح فتح مکہ کا پیش خیمہ بن گئی، حتیٰ کہ مفسرین کی ایک جماعت کہتی ہے کہ آیہ کریمہ انا فتحنا سے یہی ''صلح حدیبیہ'' مراد ہے۔

[زرقانی، شرح مواہب ج ۲، ص ۱۷۹، صحیح مسلم، باب صلح الحدیبیۃ، جلد دوم حدیث نمبر ۱۱۹۲]

قرآن مجید کا حوالہ: اس غزوہ کا ذکر قرآن مجید میں نہیں ہے۔

۱۲۔ غزوہ مقدس کا نام (غزوہ ذی قرد)

مختصر کیفیت: قبیلہ غطفان کے لوگوں نے رسول خدا ﷺ کی اونٹنیاں پکڑی

تھیں، جو مقامِ ذی قرو میں چر رہی تھیں، یہ سن کر حضرت سلمہ بن اکوع ﷛ نے تمام مدینہ میں شور کیا، اور خود جا کر ان کافروں سے جنگ شروع کر دی تھی۔ پھر پیچھے سے رسول خدا ﷺ بھی پہنچ گئے، مگر اس وقت کافروں کو ہزیمت ہو چکی تھی۔ حضرت سلمہ ﷛ نے عرض کیا: کہ اگر سو سوار مجھے دے دیجیے! تو ابھی ان کافروں کے سر لاتا ہوں''۔

رسولِ خدا ﷺ نے فرمایا: کہ ''اے ابن اکوع! جب دشمن پر قابو مل جائے تو درگزر کرنا چاہیے''۔

یہ غزوہ خیبر سے تین دن پہلے یعنی محرم ۷ میں ہوا۔

[صحیح البخاری، باب غزوۃ ذات القرد، جلد ۲، ص ۶۰۳ طبع میزان]

۱۳۔ غزوہ مقدس کا نام (غزوہ خیبر)

مختصر کیفیت: ''خیبر'' ایک بڑا شہر ہے، مدینہ منورہ سے بجانبِ ملکِ شام وہاں یہودی وغیرہ رہتے تھے، وہاں اُن کے قلعے تھے، باغ تھے، کھیت تھے، دس دن سے کچھ زائد یہودیوں کے قلعوں کا محاصرہ رہا، بالآخر سات قلعے تھے، ساتوں فتح ہو گئے۔ جتنے لوگ قابل جنگ تھے، وہ سب قتل کر دیے گئے، اور عورتیں اور بچے حسبِ دستور قید کر لیے گئے۔ یہ بھی اسلام کی عمدہ فتوحات میں سے ہے۔

یہ غزوہ آخر محرم ۷ ھ میں شروع ہوا اور صفر ۷ ھ میں فتح ہوا۔

قرآن مجید کا حوالہ: اس غزوہ کا تذکرہ بالاختصار سورہ فتح کی ایک آیت میں فرمایا گیا ہے:

...قولہ تعالی:

﴿وَعَدَكُمُ اللّٰهُ مَغَانِمَ كَثِيْرَةً تَأْخُذُوْنَهَا فَعَجَّلَ لَكُمْ هٰذِهٖ﴾

[الفتح:۲۰]

''یعنی اللہ نے تم سے بہت غنیمتوں کا وعدہ فرمایا ہے جن کو تم حاصل کرو گے چنانچہ یہ غنیمتیں تو تم کو ابھی دے دیں''۔[م۔ت]

اشارہ خیبر کی طرف ہے۔اور ایک دوسری آیت میں اسی فتح کی پیشین گوئی بھی ہے۔

[صحیح المسلم، باب غزوۃ خیبر، جلد ۲، ص ۱۲۳، طبع البشری]

۱۴۔غزوہ مقدس کا نام (غزوہ ذات الرقاع)

مختصر کیفیت: اس غزوہ کی تاریخ اور وجہ تسمیہ میں اختلاف ہے، صحیح بخاری سے بعد خیبر ہونا ثابت ہوتا ہے۔اور یہی صحیح ہے''رقاع'' جمع ہے''رقعہ'' کی۔جس کے معنی ٹکڑے کے ہیں۔چوں کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اپنے پیروں میں کپڑوں کے ٹکڑے باندھے تھے، اس سبب سے اس کا نام ذات الرقاع ہوا۔قبیلہ غطفان کے کافروں سے مقابلہ تھا، مگر لڑائی نہیں ہوئی۔

[صحیح البخاری، باب غزوۃ ذات الرقاع، جلد ۲ ص، ۵۹۲، طبع میزان]

قرآن مجید کا حوالہ: اس غزوہ کا ذکر قرآن مجید میں نہیں ہے۔

۱۵۔غزوہ مقدس کا نام (غزوہ انمار)

مختصر کیفیت: یہ غزوہ خیبر کے بعد یعنی ۷ ھ میں ہوا۔اصحاب سیر کہتے ہیں: کہ اسی غزوہ ''ذات الرقاع'' کا یہ دوسرا نام ہے۔علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ کی بھی یہی تحقیق ہے۔مگر امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو مستقل غزوہ قرار دیا ہے۔شیخ الاسلام ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی ترجیح اس کے مستقل غزوہ ہونے کو دی ہے۔واللہ اعلم۔

[صحیح البخاری، باب غزوۃ انمار، جلد ۲، ص ۵۹۳ طبع میزان]

قرآن مجید کا حوالہ: اس غزوہ کا ذکر قرآن مجید میں نہیں ہے۔

۱۶۔ غزوہ مقدس کا نام (غزوہ عمرۃ القضاء)

مختصر کیفیت: واقعہ حدیبیہ میں چوں کہ مشرکین کی مزاحمت سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عمرہ نہیں کرنے پائے تھے، اور بالآخر صلح ہوئی۔ اور صلح میں یہ بات قرار پائی، کہ آپ سال آئندہ آ کر عمرہ کریں۔ لہٰذا آپ سال آئندہ عمرہ کے لیے تشریف لے گئے۔ اور چوں کہ قضا یعنی باہمی صلح سے یہ عمرہ طے ہوا تھا، لہٰذا اس کا نام ''عمرۃ القضاء'' یا ''القضیۃ'' یا ''عمرۃ الصلح'' رکھا گیا۔ اور چوں کہ آپ احتیاطاً سامانِ جنگ سے درست ہو کر گئے تھے۔ اور پھر جب کافروں نے کہا کہ یہاں لڑائی نہ ہوگی۔ آپ بے خوف اور بے ہتھیار آئیں۔ صرف تلواریں ساتھ لا سکتے ہیں، وہ بھی میان میں۔ لہٰذا ہتھیار سب مکہ کے باہر چھوڑ دیے۔ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت کو بھی مکہ کے باہر متعین کر دیا۔ اس لیے اس کا شمار غزوات میں کیا گیا۔ لشکرِ اسلام میں (بچوں اور عورتوں کو چھوڑ کر) دو ہزار آدمی تھے۔

یہ غزوہ ذی قعدہ ۷ ھ میں ہوا۔

قرآن مجید کا حوالہ: اس غزوہ کا ذکر قرآن مجید میں بطور پیشن گوئی کے فرمایا گیا ہے:

﴿لَقَدْ صَدَقَ اللّٰهُ رَسُوْلَهُ الرُّءْيَا بِالْحَقِّ ۚ لَتَدْخُلُنَّ الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ اٰمِنِيْنَ ۙ مُحَلِّقِيْنَ رُءُوْسَكُمْ وَمُقَصِّرِيْنَ ۙ لَا تَخَافُوْنَ ۭ فَعَلِمَ مَا لَمْ تَعْلَمُوْا فَجَعَلَ مِنْ دُوْنِ ذٰلِكَ فَتْحًا قَرِيْبًا ۝﴾ [الفتح: ۲۷]

"بہ تحقیق سچا دکھایا ہے اللہ نے اپنے رسول کو خواب حکمت کے ساتھ، کہ ضرور بہ ضرور داخل ہو گئے تم کعبہ میں بے خوف ہو کر سر منڈوا کر اور کترواکر، بالکل خوف نہ کرو گے خدا کو معلوم ہے جو تم نہیں جانتے پھر اللہ نے اس سے پہلے ایک نزدیک کی فتح بھی تمہارے لیے مقدر کی ہے"۔ [ع۔ر]

[صحیح البخاری، باب عمرۃ القضاء، جلد ۲ص ۶۱۰طبع میزان]

۱۷۔غزوہ مقدس کا نام (غزوہ فتح)

مختصر کیفیت: یہ وہی غزوہ ہے، جس کی پیش گوئی بہت سی مکی آیتوں میں کی گئی ہے، جو حق تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کو بغیر جدال وقتال کے مکہ پر قبضہ دے دیا۔ یہ وہی غزوہ ہے، جس میں خدا کے گھر کو دشمنوں کے پنجے سے رہائی ملی۔ شرک اور مشرکوں سے نجات ہوئی، اور خدا کے ذکر کی آوازیں اس میں سے گونجنے لگیں۔ یہ وہی غزوہ ہے جس میں سرداران قریش گردن کشانِ مکہ دست و پابستہ رسول ﷺ کے سامنے حاضر تھے، کہ اگر چاہیں تو ان کے خون سے زمین مکہ کی پیاس بجھادیں۔مگر اس رحمت عالم ﷺ نے اس خداوند عفو مع الاقتدار سے ان تمام مظالم کا، جو اِن سرکشوں سے اِس نورِ پاک پر گزرے تھے، فراموش کردیا اور سب کو امن دے دیا۔

یہ وہی غزوہ ہے ،جس میں بارہ ہزار مردانِ جنگی رسول خدا ﷺ کے ہمراہ تھے، جن میں ہر شخص اپنی جان ہتھیلی پر لیے ہوئے تھا، اس شان وشوکت کے ساتھ سردارِ دوعالم ﷺ مکہ میں داخل ہوئے، کہ مکہ والوں کو قیصر وکسری کا دھوکہ ہوا مگر یہ شانِ قیصر وکسریٰ میں کہاں؟ آج سے پورے ساڑھے آٹھ سال پہلے یعنی بوقتِ ہجرت رسول خدا ﷺ نے اس راستے کو کس بے بسی، اور کیسے خوف کے ساتھ طے کیا تھا؟ صرف ایک یارِ غار ساتھ تھا، اور حفاظتِ خدا کا سر پر سایہ تھا۔ اور

آج اسی راستہ کو اس شان وشوکت کے ساتھ قطع کر رہے ہیں۔کہ کسی کو آنکھ اٹھا کر دیکھنے کی بھی طاقت نہیں۔ فالحمد للہِ علی ذلک

اس غزوہ میں تمام بت کعبہ مکرمہ سے نکال دیے گئے۔اور فوجوں کی فوجیں دین خدا میں داخل ہوئیں۔[صحیح البخاری، باب غزوۃ الفتح فی رمضان، جلد ۲،ص، ۶۱۲]

یہ غزوہ رمضان ۸ ھ میں ہوا۔

قرآن مجید کا حوالہ: اس غزوہ کا یوں تو تذکرہ بہت سی آیتوں میں ہے مگر صاف صاف تذکرہ ذیل کی آیت میں ہے:

﴿وَهُوَ الَّذِيْ كَفَّ اَيْدِيَهُمْ عَنْكُمْ وَاَيْدِيَكُمْ عَنْهُمْ بِبَطْنِ مَكَّةَ مِنْۢ بَعْدِ اَنْ اَظْفَرَكُمْ عَلَيْهِمْ﴾ [الفتح:۲۴]

''وہی ہے جس نے روک دیے ہاتھ ان کے تم سے اور تمہارے ہاتھ ان سے (یعنی لڑائی کی نوبت نہ آنے دی) خاص مکہ میں، بعد اس کے فتح مند کر دیا اس نے تم کو ان پر''۔[ع۔ر]

اور دوسری آیت یہ ہے:

﴿اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ ۝۱ وَرَاَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُوْنَ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ اَفْوَاجًا ۝۲﴾ [النصر:۱،۲]

''جب آ گئی مدد خدا کی اور فتح مکہ، اور دیکھا آپ نے نبی لوگوں کو کہ داخل ہو رہے ہیں دین خدا میں فوج کی فوج''۔[ع۔ر]

۱۸۔غزوہ مقدس کا نام (غزوہ حنین)

مختصر کیفیت: فتح مکہ کے بعد رسول خدا ﷺ مکہ ہی میں تھے، کہ یہ خبر ملی کہ

قبیلہ ہوازن کے کافروں نے مقامِ حنین میں جو شہر طائف کے قریب ہے، بڑی جمعیت اور بڑے ساز و سامان کے ساتھ اجتماع کیا ہے۔ یہ سن کر رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسکرائے، اور فرمایا: کہ انشاء اللہ تعالیٰ کل یہ سب ساز و سامان مسلمانوں کے لیے مال غنیمت بنے گا۔ اس غزوہ میں کسی مسلمان کی زبان سے نکل گیا کہ آج ہماری جماعت زیادہ ہے۔ آج ہم مغلوب نہیں ہو سکتے۔ یہ بات رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بھی ناگوار گزری، اور حق تعالیٰ کو بھی ناپسند ہوئی۔ اور اس کی سزا یہ ملی، کہ مسلمانوں کو ایک قسم کی ہزیمت ہوئی۔ میدان میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہمراہ صرف دس صحابی باقی رہ گئے تھے، جن میں حضرات شیخین بھی تھے۔ اگر چہ یہ ہزیمت صرف برائے نام تھی، لیکن شکست کے لیے کافی تھی۔ صورت یہ ہوئی، کہ لشکرِ اسلام کو ایک سنگ وادی میں اترنا پڑا۔ اور اس وادی میں جا بجا کافر کمین گاہ میں بیٹھے ہوئے تھے۔ انہوں نے حملہ شروع کر دیا جو حصہ لشکر وادی میں اتر چکا تھا۔ اس نے واپس ہونا چاہا، لہٰذا اوپر سے اترنے والے حصہ کی لشکر سے مزاحمت ہوگئی۔ اور اس مزاحمت میں عجیب انتشار پیدا ہوگیا۔ جانور بھی بھڑک گئے۔ اور لوگ تتر بتر ہو گئے۔ مگر جب معلوم ہوا کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فلاں مقام پر ہیں تو سب وہاں جمع ہو گئے، اور بالآخر رحمتِ الٰہی نے ان کی دستگیری کی، اور فتح حاصل ہوئی بہت مال غنیمت اور بہت قیدی ہاتھ آئے۔ یہ غزوہ بھی شوال ۸ ھ میں ہوا۔ [صحیح البخاری، باب قول اللہ و یوم حنین جلد ۲، ص، ۶۱۷، صحیح المسلم، باب غزوۂ حنین، جلد ۲، ص ۱۱۸۵]

قرآن مجید کا حوالہ: اس غزوہ کا تذکرہ بھی مثل غزورہ بدر کے بتصریح قرآن مجید میں ہے:

...قولہ تعالیٰ:

﴿وَّيَوْمَ حُنَيْنٍ ۙ اِذْ اَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ فَلَمْ تُغْنِ عَنْكُمْ شَيْـًٔا وَّضَاقَتْ عَلَيْكُمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ ثُمَّ وَلَّيْتُمْ مُّدْبِرِيْنَ ۝۲۵ ثُمَّ اَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَعَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَاَنْزَلَ جُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا ۔ وَجَعَلَ كَلِمَةَ الَّذِيْنَ كَفَرُوا السُّفْلٰى ۭ وَكَلِمَةُ اللّٰهِ هِيَ الْعُلْيَا ۭ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۝۴۰﴾ [التوبۃ:۴۰،۲۵]

''اور خدا نے تمہاری مدد کی حنین کے دن جب کہ تعجب میں ڈالا تم کو تمہاری کثرت نے، مگر نہ کام آئی وہ کثرت تمہاری، اور تنگ ہوگئی زمین تم پر باوجود کشادگی کے، پھر ہٹ گئے تم پیٹھ پھیر کر، بعد اس کے نازل کی اللہ نے تسلی اپنی اپنے رسول پر اور مسلمانوں پر، اور اتارے ایسے لشکر کہ نہیں دیکھا تم نے ان کو اور کردی بات کافروں کی پست، اور بات خدا ہی کی بلند ہے اور اللہ غالب ہے حکمت والا''۔ [ع۔ر]

۱۹۔غزوہ مقدس کا نام (غزوہ اوطاس)

مختصر کیفیت: حنین سے فراغت کے بعد مقام اوطاس کی طرف آپ نے اپنے لشکر کو بسرکردگی حضرت ابو عامر رضی اللہ عنہ روانہ کیا، بہت سہولت کے ساتھ یہ غزوہ بھی فتح ہوگیا۔ یہ غزوہ بھی شوال ۸ ھ میں ہوا۔

[صحیح البخاری، باب غزوۃ اوطاس، جلد ۲، ص ۶۱۹]

قرآن مجید کا حوالہ: اس کا ذکر قرآن مجید میں نہیں ہے۔

۲۰۔غزوہ مقدس کا نام (غزوہ طائف)

مختصر کیفیت: طائف مکہ حجاز کا ایک بڑا شہر ہے۔ اور بہت سرسبز اور پُر میوہ

شہر ہے۔طائف کا محاصرہ کیا گیا یہ محاصرہ چالیس روز تک رہا۔بالآخر اللہ تعالیٰ نے فتح عطا فرمائی۔

یہ غزوہ بھی شوال ۸ ھ میں ہوا۔[صحیح البخاری، باب غزوۃ الطائف جلد ۲،ص ۶۱۹]

قرآن مجید کا حوالہ: اس کا ذکر قرآن مجید میں نہیں ہے۔

۲۱۔غزوہ مقدس کا نام (غزوہ تبوک یا جیش العسرۃ)

مختصر کیفیت: یہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا آخری غزوہ ہے۔''تبوک'' نام مقام کا ہے اور چوں کہ اس غزوہ کے وقت سخت افلاس و تنگی کی حالت تھی، اس وجہ سے ''جیش العسرۃ'' بھی اس کا نام ہوا۔اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔کہ جو شخص جیش العسرۃ کا سامان کر دے گا۔اس کو جنت ملے گی۔ یہ سن کر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے پورا سامان غزوہ کا خاص اپنے پاس سے کر دیا۔آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بہت خوش ہوئے، اور فرمایا:''کہ عثمان کو اب کوئی کام نقصان نہیں پہنچا سکتا''۔

قیصر روم سے اس غزوہ میں مقابلہ ہوا، تبوک قیصر کے پائے تخت سے ایک ماہ کی مسافت پر تھا۔آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک ماہ وہاں قیام فرمایا۔مگر قیصر پر رعب اس قدر غالب ہو گیا۔کہ اس نے باوجود یہ کہ بہت پہلے سے بڑی تیاریاں کی تھیں۔اپنی جگہ سے جنبش تک نہ کی۔اس غزوہ کی یادگار میں دمشق سے مدینہ منورہ کو جو ریل آئی ہے، اس میں ایک ''اسٹیشن'' اس مقام پر بنایا گیا ہے۔اور نام اس کا ''تبوک'' ہی ہے۔اس غزوہ کے لیے آپ رجب ۹ ھ میں تشریف لیے گئے تھے۔اور رمضان ۹ ھ میں واپس آئے۔[صحیح البخاری، باب غزوۃ تبوک وہی غزوۃ العسرۃ، جلد ۲،ص ۶۳۳]

قرآن مجید کا حوالہ: اس غزوہ کا تذکرہ بھی قرآن مجید میں ہے۔

... قولہ تعالیٰ:

﴿لَقَدْ تَّابَ اللّٰهُ عَلَى النَّبِيِّ وَالْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ فِيْ سَاعَةِ الْعُسْرَةِ مِنْۢ بَعْدِ مَا كَادَ يَزِيْغُ قُلُوْبُ فَرِيْقٍ مِّنْهُمْ ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ ۭ اِنَّهٗ بِهِمْ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴾ [التوبۃ:۱۱۷]

"حقیقت یہ ہے کہ اللہ نے رحمت کی نظر فرمائی ہے نبی پر ان مہاجرین اور انصار پر جنہوں نے ایسی مشکل کی گھڑی میں نبی کا ساتھ دیا، جبکہ قریب تھا کہ ان میں سے ایک گروہ کے دل ڈگمگا جائیں، پھر اللہ نے ان کے حال پر توجہ فرمائی۔ یقیناً وہ ان کے لیے بہت شفیق، بڑا مہربان ہے"۔ [م۔ت]

غزوات کا بیان ختم ہو چکا، اگرچہ نہایت مختصر ہے لیکن تذکرہ کے لیے اس قدر بھی کافی ہے۔

وفات شریف:

اگرچہ وفات اور مدفن کا تذکرہ سیرت کی اصل حقیقت سے خارج ہے، خصوصاً وہ سیرت جو معیارِ نبوت قرار دی جاتی ہے، لیکن حق تعالیٰ نے قرآن مجید میں اس کا بھی ذکر فرمایا ہے۔ وفات کے متعلق صرف اس قدر ذکر ہے، کہ آپ ﷺ کی وفات ضرور ہوگی۔ جیسا کہ اور انبیاء علیہم السلام کی ہوئی۔

... قال تعالیٰ:

﴿وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ ۚ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ۭ اَفَا۟ىِٕنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ﴾ [آل عمران:۱۴۴]

"نہیں ہیں محمد مگر ایک رسول بہ تحقیق گزر چکے ہیں ان سے پہلے اور رسول، اگر وہ

مر جائیں یا شہید ہو جائیں تو کیا تم لوگ مرتد ہو جاؤ گے“۔ [ع۔ر]

﴿اِنَّكَ مَيِّتٌ وَّاِنَّهُمْ مَّيِّتُوْنَ﴾ [الزمر:۳۰]

”بہ تحقیق تم (اے نبی) مرنے والے ہو اور یہ بھی مرنے والے ہیں“۔ [ع۔ر]

مدفن شریف کے متعلق یہ ارشاد فرمایا کہ مدینہ منورہ میں ہو گا۔

﴿لَىِٕنْ لَّمْ يَنْتَهِ الْمُنٰفِقُوْنَ وَالَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ وَّالْمُرْجِفُوْنَ فِى الْمَدِيْنَةِ لَنُغْرِيَنَّكَ بِهِمْ ثُمَّ لَا يُجَاوِرُوْنَكَ فِيْهَآ اِلَّا قَلِيْلًا﴾ [الاحزاب:۶۰]

”اگر نہ باز آئیں گے منافق لوگ اور وہ لوگ جن کے دلوں میں بیماری ہے اور بری خبریں اڑانے والے مدینہ میں تو ضرور بہ ضرور مسلط کریں گے ہم آپ کو ان پر پھر نہ آپ کے پڑوس میں رہ سکیں گے مدینہ میں مگر تھوڑے دنوں“۔ [ع۔ر]

معلوم ہوا کہ مدینہ منورہ میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا قیام رہے گا، اور جب قیام آپ کا آخر تک وہیں ہو گا۔ تو ظاہر ہے کہ وفات بھی آپ کی وہیں ہو گی، اور آپ کا مدفن بھی وہی شہر مقدس ہو گا۔

صَلّی اللہ تعالیٰ علیہ و علی آلہ و صحبہ و بارک و سلم

خاتمہ

متبعین سے دنیوی واخروی وعدے

حق تعالیٰ نے قرآن کریم میں نبی امی سیدنا ومولانا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متبعین سے جو وعدے کیے ہیں۔ وہ وعدے صرف آخرت کی نعمتوں سے مخصوص نہیں، بلکہ بہت سے وعدے عام ہیں۔ دنیا وآخرت دونوں کی نعمتوں کو شامل ہیں، اور بہت سے وعدے دنیاوی نعمتوں کے ساتھ خاص ہیں۔ اور بہت سے وعدے آخرت کی نعمتوں کے ساتھ خاص ہیں۔ ان تینوں قسموں کی آیتیں نمونے کے طور پر دو دو ایک ایک لکھی جاتی ہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متبعین کے لیے دنیوی واخروی نعمتوں کے وعدے:

①... قال تعالیٰ:

﴿يُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ ۚ﴾ [ابراھیم:۲۷]

”جولوگ ایمان لائے ہیں، اللہ ان کو اس مضبوط بات پر دنیا کی زندگی میں جماؤ عطا کرتا ہے اور آخرت میں بھی“۔ [م۔ت]

②...قال تعالیٰ:

﴿مَثَلًا كَلِمَةً طَيِّبَةً كَشَجَرَةٍ طَيِّبَةٍ اَصْلُهَا ثَابِتٌ وَّفَرْعُهَا فِي السَّمَآءِ ﴿٢٤﴾ تُؤْتِيْٓ اُكُلَهَا كُلَّ حِيْنٍۢ بِاِذْنِ رَبِّهَا﴾ [ابراھیم:۲۴،۲۵]

”اللہ نے کلمہ طیبہ کی کیسی مثال بیان کی ہے؟ وہ ایک پاکیزہ درخت کی طرح ہے

جس کی جڑ (زمین میں) مضبوطی سے جمی ہوئی ہے، اور اس کی شاخیں آسمان میں ہیں اپنے رب کے حکم سے وہ ہر آن پھل دیتا ہے''۔[م۔ت]

③...قال تعالیٰ:

﴿فَلَنُحۡيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً﴾[النحل:۹۷]

''ضرور بہ ضرور ہم زندہ رکھیں گے ان کو پاکیزہ زندگی سے''۔[ع۔ر]

④...قال تعالیٰ:

﴿اِنَّ الَّذِيۡنَ قَالُوۡا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسۡتَقَامُوۡا تَتَنَزَّلُ عَلَيۡهِمُ الۡمَلٰٓـئِكَةُ اَلَّا تَخَافُوۡا وَلَا تَحۡزَنُوۡا وَاَبۡشِرُوۡا بِالۡجَـنَّةِ الَّتِىۡ كُنۡتُمۡ تُوۡعَدُوۡنَ ۝۳۰﴾ [فصلت:۳۰]

''(دوسری طرف) جن لوگوں نے کہا ہے کہ ہمارا رب اللہ ہے، اور پھر وہ اس پر ثابت قدم رہے تو ان پر بیشک فرشتے (یہ کہتے ہوئے) اتریں گے کہ: نہ کوئی خوف دل میں لاؤ، نہ کسی بات کا غم کرو، اور اس جنت سے خوش ہو جاؤ جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا تھا''۔[م۔ت]

چوں کہ مذکورہ آیتوں میں اور اسی قسم کی دوسری آیتوں میں یا تو دنیا و آخرت دونوں کی تصریح ہے۔ یا کسی کی تخصیص نہیں، اس لیے یہ سب آیتیں قسم اول کی ہیں۔

صرف دنیوی نعمتوں کے وعدے:

①...قال تعالیٰ:

﴿وَمَنۡ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجۡعَلۡ لَّهٗ مَخۡرَجًا ۝۲ وَّيَرۡزُقۡهُ مِنۡ حَيۡثُ لَا يَحۡتَسِبُ﴾ [الطلاق:۲،۳]

''اور جو کوئی اللہ سے ڈرے گا اللہ اس کے لیے مشکل سے نکلنے کا کوئی راستہ پیدا کر دے گا۔[1] اور اسے ایسی جگہ سے رزق عطا کرے گا جہاں سے اسے گمان بھی نہیں ہوگا''۔ [م۔ت]

[1] مخرج کے معنی باہر نکلنے کی جگہ مطلب یہ ہے کہ ہر مصیبت نکلنے کی سبیل ان کے لیے کر دیتا ہے۔

② ...قال تعالیٰ:

﴿وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُورِ مِنْ بَعْدِ الذِّكْرِ أَنَّ الْأَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصَّالِحُونَ ﴿١٠٥﴾﴾ [الانبیاء:۱۰۵]

''اور ہم نے زبور میں نصیحت کے بعد یہ لکھ دیا تھا کہ زمین کے وارث میرے نیک بندے ہوں گے''۔ [م۔ت]

③ ...قال تعالیٰ:

﴿وَأَنْتُمُ الْأَعْلَوْنَ إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ ﴿١٣٩﴾﴾ [آل عمران:۱۳۹]

''اگر تم واقعی مومن رہو تو تم ہی سر بلند ہو گے''۔ [م۔ت]

④ ...قال تعالیٰ:

﴿وَلِلَّهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُولِهِ وَلِلْمُؤْمِنِينَ﴾ [المنافقون:۸]

''اور اللہ ہی کے لیے ہے عزت اور اس کے رسول کے لیے اور مومنوں کے لیے''۔ [ع۔ر]

⑤ ...قال تعالیٰ:

﴿وَإِنَّ جُنْدَنَا لَهُمُ الْغَالِبُونَ ﴿١٧٣﴾﴾ [الصافات:۱۷۳]

''اور بہ تحقیق ہمارا ہی لشکر یقیناً غالب رہے گا''۔ [ع۔ر]

⑥ ...قال تعالیٰ:

﴿فَاِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْغٰلِبُوْنَ۝۵۶﴾ [المائدۃ:۵٦]

''(اور) اللہ کی جماعت ہی غلبہ پانے والی ہے''۔ [م۔ت]

فائدہ:

چونکہ مذکورہ آیتوں میں اور اسی قسم کی دوسری آیتوں میں یا تو صاف تصریح دنیا کی نعمتوں کی گئی ہے، مثل رزق بے حساب وغیرہ کے یا وہ نعمت خود ہی مخصوص دنیا کے ساتھ ہے، اس لیے یہ سب آیتیں قسم دوم کی ہیں۔

احکامِ شرعیہ تین قسم پر ہیں:

یہاں پر ایک بات سمجھنے کی یہ ہے، کہ احکام شرعیہ تین قسم کے ہیں: بعض وہ ہیں، جن کا تعلق اشخاص کے ساتھ ہے جیسے: ایمان نماز روزہ وغیرہ۔ ان کو ''تہذیب اخلاق'' کہتے ہیں۔ اور بعض وہ ہیں، جن کا تعلق ایک ایک گھر کے ساتھ ہے جیسے: ''احکام کے متعلق'' حقوق والدین وزوجین وغیرہ۔ ان کو ''تدبیر منزل'' کہتے ہیں۔ اور بعض وہ ہیں، جن کا تعلق ایک بستی کے ساتھ ہے۔ مثل حدود وفصلِ خصومات وغیرہ کی۔ ان کو ''سیاستِ مدنیہ'' کہتے ہیں۔ پس دنیاوی نعمتوں کے وعدے ہر قسم کے احکام کے لیے جداگانہ ہیں۔

''تہذیب الاخلاق'' کے متبعین کو مخرج ورزق بے حساب کا وعدہ ہے۔ ''تدبیر منزل'' کے متبعین کو عزت وبلندی وغیرہ کا وعدہ ہے۔ ''سیاستِ مدنیہ'' کے متبعین کو میراث زمین اور غلبہ کا وعدہ ہے۔ ان تینوں قسم کے احکام اور ان کے وعدوں کی تفصیل کا یہ موقع نہیں ہے۔ لیکن اس مجمل بیان کو بھی اگر سمجھ کر ذہن نشین کرلیا جائے تو بہت سے شکوک وشبہات حل ہو جاتے ہیں۔

①... قال تعالیٰ:

﴿وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَاٰمَنُوْا بِمَا نُزِّلَ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّهُوَ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ ۙ كَفَّرَ عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ وَاَصْلَحَ بَالَهُمْ ۝۲﴾ [محمد:۲]

”اور جو لوگ ایمان لے آئے ہیں اور انہوں نے نیک عمل کیے ہیں، اور ہر اس بات کو دل سے مانا ہے جو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) پر نازل کی گئی ہے۔ اور وہی حق ہے جو ان کے پروردگار کی طرف سے آیا ہے۔ اللہ نے ان کی برائیوں کو معاف کر دیا ہے اور ان کی حالت سنوار دی ہے“۔ [م۔ت]

②... قال تعالیٰ:

﴿اُولٰٓئِكَ هُمُ الْوٰرِثُوْنَ ۝۱۰ الَّذِيْنَ يَرِثُوْنَ الْفِرْدَوْسَ ۭ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝۱۱﴾ [المؤمنون:۱۰،۱۱]

”یہ ہیں وہ وارث۔ جنہیں جنت الفردوس کی میراث ملے گی۔ یہ اس میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے“۔ [م۔ت]

③... قال تعالیٰ:

﴿اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ كَانَتْ لَهُمْ جَنّٰتُ الْفِرْدَوْسِ نُزُلًا ۝۱۰۷﴾ [کھف:۱۰۷]

”(دوسری طرف) جو لوگ ایمان لائے ہیں، اور جنہوں نے نیک عمل کیے ہیں، ان کی مہمانی کے لیے بیشک فردوس کے باغ ہوں گے“۔ [م۔ت]

④... قال تعالیٰ:

﴿لَهُمْ فِيْهَا فَاكِهَةٌ وَّلَهُمْ مَّا يَدَّعُوْنَ ۝۵۷ سَلٰمٌ ۣ قَوْلًا مِّنْ رَّبٍّ

رَّحِيۡمٍ﴾ [یٰس:۵۸،۵۷]

”وہاں ان کے لیے میوے ہوں گے، اورانہیں ہر وہ چیز ملے گی جو وہ منگوائیں گے۔رحمت والے پروردگار کی طرف سے انہیں سلام کہا جائے گا“۔[م۔ت]

اتباعِ نبوی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے دنیوی فوائد:

خلاصہ یہ کہ لوگوں نے یہ سمجھ لیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اتباع کا نتیجہ آخرت میں چاہے جو کچھ ہو، مگر دنیا میں اس کا مفاد نہیں، بلکہ دنیا میں اس کا نتیجہ برعکس ہے۔دنیا میں نیک لوگوں کے لیے سوا تکلیف ومصیبت کے کچھ نہیں ہے، یہ خیالات بالکل غلط ہیں۔اور محض اس وجہ سے پیدا ہوئے ہیں، کہ مسلمانوں نے کتابِ خدا کو پس پشت ڈال دیا ہے:

﴿كِتٰبَ اللّٰهِ وَرَآءَ ظُهُوۡرِهِمۡ كَاَنَّهُمۡ لَا يَعۡلَمُوۡنَ۝﴾ [البقرۃ:۱۰۱]

”تو اہل کتاب میں سے ایک گروہ نے اللہ کی کتاب (تورات وانجیل) کو اس طرح پس پشت ڈال دیا گویا وہ کچھ جانتے ہی نہ تھے“۔[م۔ت]

اور غضب یہ ہے کہ لوگوں نے اپنے خیال فاسد کی تائید آیات واحادیث سے کھینچ تان کر حاصل کر لی ہے:

﴿وَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيۡطٰنُ اَعۡمَالَهُمۡ﴾ [العنکبوت:۳۸]

”اور شیطان نے ان کے اعمال کو ان کی نگاہوں میں خوشنما بنا کر انہیں راہ راست سے روک دیا تھا“۔[م۔ت]

اس کی بحث عقلِ سلیم اور صراطِ مستقیم کے دیباچہ میں ہو چکی ہے۔لہٰذا اس کو ترک کر کے اس امر کا بیان کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے، کہ نبیِّ اُمّی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے

اتباع کی کیا حقیقت ہے اور اس کا کیا طریقہ ہے؟

اتباعِ نبوی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کی حقیقت کیا ہے؟

واضح رہے، کہ ''اتباع'' کے معنی ''پیچھے چلنا'' ہیں۔ جو شخص کسی کے احکام پر عمل کرتا ہے۔ اس شخص کو متبع اس کا کہتے ہیں۔ حقیقت اتباع کی یہ ہے، کہ جس کا اتباع منظور ہو، آپ کو اس کا مشابہ بنا دیا جائے۔ اپنے ظاہر کو اس کے ظاہر کا اور اپنے باطن کو اس کے باطن کا۔ اتباع کے مدارج ہیں۔ کیوں کہ مشابہت کبھی ایسی کامل ہوتی ہے، کہ اگر کوئی شخص تابع و متبوع کی سیرت کو ملا کر دیکھے، تو یہ نہ پہچان سکے کہ تابع کون ہے؟ اور متبوع کون؟ بلکہ بسا اوقات یہ تمیز دشوار ہو جاتی ہے کہ یہ دو شخص ہیں یا ایک ہیں۔ یک جان و دو قالب کی مثل صادق آنے لگتی ہے۔ اور کبھی مشابہت ناقص ہوتی ہے اور ناقص مشابہت کے بھی بہت مدارج ہیں۔

اتباعِ نبوی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کا طریقہ کار:

طریقہ اتباع کا بہت آسان ہے، حق تعالیٰ نے ہماری طرف ایسا باقوت رسول بھیجا ہے، جس نے رحمن کی اطاعت آسان کر دی، ایسی کہ اِس سے زیادہ آسان کوئی چیز دنیا میں نہیں ہے، اور شیطان کی اطاعت اس نے دشوار کر دی، ایسی کہ اس سے زیادہ دشوار کوئی چیز دنیا میں نہیں ہے۔

صرف دو باتیں ہیں۔ اور وہ بھی نہایت مختصر: ان پر عمل کرنے سے اتباع حاصل ہو جاتی ہے۔ جیسے جیسے ان دونوں باتوں پر کامل ہوتا جائے گا، اتباع میں کمال آتا جائے گا۔ بلکہ سچ پوچھو تو صرف ایک ہی بات ہے۔

قال تعالیٰ:

﴿قُلْ اِنَّمَآ اَعِظُكُمْ بِوَاحِدَةٍ ۚ اَنْ تَقُوْمُوْا لِلّٰهِ مَثْنٰى وَفُرَادٰى ثُمَّ تَتَفَكَّرُوْا ۫ مَا بِصَاحِبِكُمْ مِّنْ جِنَّةٍ ۭ﴾ [سبا:۴۶]

''(اے پیغمبر) ان سے کہو کہ: میں تمہیں صرف ایک بات کی نصیحت کرتا ہوں اور وہ یہ کہ تم چاہے دو دو مل کر اور چاہے اکیلے اکیلے اللہ کی خاطر اٹھ کھڑے ہو۔ پھر (انصاف سے) سوچو (تو فوراً سمجھ میں آجائے گا کہ) تمہارے اس ساتھی (یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم) میں جنون کی کوئی بات بھی تو نہیں ہے''۔ [م۔ت]

اللہ کے لیے کھڑے ہو جانے کا مطلب:

اللہ کے لیے کھڑے ہونے کا مطلب یہ ہے، کہ اس کی توحید دل میں قائم کرو، اور چاہے دو مل کر یا اکیلے کا مطلب یہ ہے: کہ توحید کے مطابق عمل ہونا چاہیے۔ چند عقلا مل کر باہم مشورہ اور مناظرہ سے طے کرلیں، یا بوجہ توحید کے بدیہی ہونے کے ہر شخص اپنی عقل کو اس کے ادراک کے لیے کافی سمجھ لے۔ اور جب توحید کا عقد دل میں قائم ہو جائے، تو میری رسالت کا اعتقاد پیدا کرو۔ اور اس کی صورت یہ ہے کہ میری سیرت میں غور کرو! اگر بفرض محال میں رسول برحق نہیں ہوں تو دو حال سے خالی نہیں یا میں (معاذ اللہ) کاذب ہوں یا مجھے جنون ہے۔ میرا کاذب ہونا تو تم میں سے کسی شخص کی عقل تسلیم نہیں کرسکتی۔ کیوں کہ چالیس سال کے تجربے اور نیز دوسری آیاتِ بینات نے تم پر ثابت کر دیا، کہ میرے نفس میں ملکہ صداقت کا موجود ہے اور فطرت انسانی اس بات کو جانتی ہے، کہ جس میں ملکہ صداقت کا موجود ہے۔ اس سے کذب کا صدور محال ہے۔ لہٰذا اب صرف جنون کی شق باقی رہے گی۔ تو غور کرنے سے تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ میں جنون سے بالکل پاک ہوں۔

توحید و رسالت کے ماننے کا عملی تقاضا:

پس یہی دو چیزیں ہیں: ''توحید اور رسالت'' جہاں کسی انسان کے دل میں قائم ہو جائیں، تو ضروری ہے کہ قیامت، جنت، دوزخ، ملائکہ، عرش کرسی غرض عالم معاد کی تمام خبریں جو رسول برحق ﷺ نے بیان فرمائی ہیں۔ اس کے دل میں قائم ہو جائیں۔ اور لازم ہے کہ اس کے اعضا سے بھی وہی افعال صادر ہوں جن کا رسول ﷺ نے حکم دیا ہے۔ اور لازم ہے کہ اس کے اعضاء ان چیزوں سے باز رہیں جن سے رسول ﷺ نے منع فرمایا ہے۔ اور جہاں یہ حالت پیدا ہوئی، اتباع کا اطلاق اس پر ہونے لگتا ہے۔ اور خدا کے وعدے اس کے لیے پورے ہونے لگتے ہیں۔ اب غور کرو! کہ کوئی دوسرا مقصد ہے جو اس آسانی سے حاصل ہو سکتا ہے اور کوئی دوسرا مطلب ہے جس کی راہ ایسی مختصر ہو۔

یعلم اللہ تا بجاناں دو قدم رہ بیش نیست
آں یکے برنفسِ خود نہ واں دگر درکوئی دوست

اس کی مثال یوں سمجھو! کہ توحید و رسالت ایک ''تخم'' ہے۔ جو دل کی زمین میں بویا گیا۔ اور اس زمین کی خاصیت یہ ہے کہ کوئی تخم اس میں ضائع نہیں ہوتا۔ لہٰذا ضروری ہے کہ اس تخم سے درخت پیدا ہو۔ اکتساب حسنات اور اجتناب سیئات اسی درخت کی شاخیں ہیں۔ اور وعدہائے خداوندی اس درخت کے پھل ہیں۔ اسی مثال کو حق تعالیٰ نے آیہ کریمہ مثل کلمة طیبة میں بیان فرمایا ہے۔

دل کی زمین پر چھوٹا بیج بھی ضائع نہیں جاتا:

دل تمام اعضا کا بادشاہ ہے جو خیال دل پر غالب ہو جاتا ہے، اس کے آثار

تمام اعضا پر ظاہر ہوتے ہیں اگر چہ وہ خیال جھوٹا ہو۔ جب جھوٹا تخم اس زمین میں ضائع نہیں ہوتا تو سچا کیسے ضائع ہوسکتا ہے؟ دیکھو! جب کسی شخص کے دل میں یہ خیال قائم ہو جاتا ہے، کہ فلاں مقام پر بھوت ہے، تو ہر چند وہ اس مقام کی طرف جانا چاہتا ہے، مگر پیر نہیں اٹھتے۔ نوبت یہاں تک پہنچتی ہے، کہ وہ اپنی آنکھوں سے دیکھتا ہے۔ کہ ایک سیہ فام لمبے قد کا شخص کھڑا ہے، جس کے بڑے بڑے دانت ہیں، اور نہایت ڈراؤنی صورت ہے، اور اپنے کانوں سے اس کی آواز سنتا ہے، بھر بسا اوقات اس کے اثر سے وہ بیمار ہو جاتا ہے، بخار آنے لگتا ہے اور کبھی اس کا آخری نتیجہ موت تک پہنچتا ہے۔

پس اس طرح اگر تم ایک سچا خیال اپنے دل میں قائم کرو! کہ خدا ایک ہے، اور محمد ﷺ اس کے رسولِ برحق ہیں۔ اور یہ خیال تمہارے دل میں اچھی طرح مضبوط ہو جائے۔ تو کیا تمہارے اعضاء پر اس سچے خیال کا اثر نہ ظاہر ہوگا؟ ظاہر ہوگا...... اور ضرور ظاہر ہوگا...... اور ایسا ظاہر ہوگا کہ جھوٹے خیال کو اس کا عُشرِ عشیر بھی نصیب نہیں ہوسکتا۔

خدا کے ایک ہونے کا مطلب:

خدا کے ایک ہونے کا مطلب یہ ہے، کہ اس کی صفت میں کسی کو شریک نہ سمجھو: نہ قدرت میں، نہ حیات میں، نہ نافع وضار ہونے میں، نہ کسی اور صفت میں، تمہارے دل میں یہ خیال قائم ہو جائے، کہ سوا خدا کے کوئی کسی کو نفع نہیں پہنچا سکتا۔ کوئی کسی کو ضرر نہیں پہنچا سکتا۔ اگر کوئی بڑے سے بڑا بادشاہ تمہارا دشمن ہو جائے اور تمہیں توپ دم کرنے کا حکم دے، اور توپ بھی تمہارے سامنے آجائے، تو بھی تمہارے دل میں کچھ ہراس نہ پیدا ہو، اور دل میں وہی خیال قائم رہے، کہ خدا نہ چاہے گا، تو میرا کچھ بھی نقصان نہیں ہوسکتا، اور اگر وہ چاہے گا تو یہ بادشاہ وتوپ کیا معنیٰ! ایک چیونٹی سے مجھے بلکہ بڑی سے بڑی مخلوق کو ہلاک کرا سکتا ہے۔ اسی طرح اگر کوئی بڑا

بادشاہ تمہارا دوست ہو جائے، اور وہ اپنے خزانچی کے نام باقاعدہ حکم بھیج دے، کہ تم کو اس قدر روپیہ مل جائیں۔ تو بھی تمہارے دل میں امید نہ پیدا ہو، اور خیال قائم رہے کہ خدا نہ چاہے گا، تو میرا کچھ فائدہ نہیں ہوسکتا۔ اور اگر وہ چاہے گا تو بادشاہ و خزانچی کا کیا معنی! نہایت ادنیٰ شخص سے فائدہ کرا سکتا ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے رسولِ برحق ہونے کا مطلب:

اور محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے رسول برحق ہونے کا مطلب یہ ہے، کہ جو کچھ انہوں نے بیان فرمایا ہے۔ سچ ہے، جس کی جو حقیقت انہوں نے بیان کی، وہی اس کی حقیقت ہے۔ اگر بفرض محال ہم ان کے بیان کے خلاف، اپنے حواس سے مشاہدہ کریں۔ تو ہمارا مشاہدہ غلط اور ہمارے حواس میں خلل ہے۔ جس چیز کو انہوں نے خدا کی خوشنودی کا سبب کہا، بے شک وہ خدا کی خوشنودی کا سبب ہے۔ اور جس چیز کو انہوں نے خدا کی ناراضگی کا سبب بیان کیا۔ بے شک وہ خدا کی ناراضگی کا سبب ہے۔ اور جس کلام کو انہوں نے خدا کا کلام کہا، بے شک وہ خدا کا کلام ہے۔

پس اے برادرِ عزیز! اپنے دل میں مضبوطی کے ساتھ یہ دونوں عقیدے قائم کر! تو متبعِ رسول ہو جائے گا۔ تیرے اعضاء خود بخود مطیعِ فرمانِ الٰہی بن جائیں گے۔ کیا اعضاء ظاہری اور باطنی! اور متبع ہوتے ہی تیرے ساتھ خدا کے وعدے پورے ہونے شروع ہو جائیں گے۔

هذا آخر الكلام والسلام

دادیم ترا از گنج مقصود نشاں
گر ما نہ رسیدیم تو شاید برسی

تمت بالخير